غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ

مؤلف

سیّد صبیح الدین رحمانی

نعت ریسرچ سینٹر

کراچی

نام کتاب : غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ

مؤلف : سیّد صبیح الدین رحمانی

اشاعتِ اوّل : ۲۰۰۹ء

کمپوزنگ : حارث لیزر کمپوزنگ
میٹروول، سائٹ، کراچی۔ 0300-2499031

قیمت : ۱۵۰؍روپے
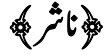
﴿ناشر﴾

نعت ریسرچ سینٹر

بی۔۵۰، سیکٹر ۱۱۔اے، نارتھ کراچی۔۷۵۸۵۰
E-mail: naatrc@gmail.com
Web:www.naatresearchcenter.com

انتساب

مبین مرزا

اور

طارق رحمٰن فضلی

کی پُرخلوص دوستی کے نام

فہرست

فہرست

غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ

غالب ہمارا ایک بہت ہی بڑا فکری، ثقافتی اور تہذیبی اثاثہ بن چکا ہے اور اس کی بڑھتی ہوئی شناخت اور تفہیم روز ہمیں نئے سے نئے فکری خزانوں کی جھلکیاں دکھا رہی ہے۔

غالب پر گزشتہ ایک سو چالیس میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے جس میں حالی کی کتاب ''یادگارِ غالب'' اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کی ''محاسنِ کلامِ غالب'' نمایاں ہیں۔ ''محاسنِ کلامِ غالب'' کا تو ابتدائی جملہ ہی غالب کے حوالے سے لکھا جانے والا الہامی جملہ بن گیا ہے۔ عبدالرحمٰن بجنوری نے لکھا تھا، ''ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں ''مقدس وید'' اور ''دیوانِ غالب'' صد سالہ جشن غالب پر ہندوستان اور پاکستان کے ہر ادبی اور نیم ادبی پرچے نے غالب کے فکر وفن اور زندگی پر وقیع مضامین شائع کیے اور بعض جرائد نے خصوصی نمبروں کا بھی اہتمام کیا جو اپنی ضخامت اور مواد کے حوالے سے یادگار قرار پائے لیکن مقامِ حیرت ہے کہ غالبیات کے اس سرمائے میں ہمیں غالب کی نعت نگاری پر کوئی ٹھوس اور قابلِ قدر کام نظر نہیں آیا۔ ضمناً کسی مضمون میں اس عنوان سے تذکرہ ہوجانا کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ حالاں کہ غالب کے کلام کی الہامی جہت کی طرف ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے بڑے پُرزور انداز میں متوجہ کیا تھا اور الہام کا درجہ اسلامی معاشرے میں کسی نہ کسی سطح پر دینی اقدار سے جڑا ہوا ہے۔ چناں چہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ غالب کی فکر کے الہامی رشتوں کی تلاش شروع ہوتی لیکن ایسا نہیں ہوا اور نہ جانے کیوں ماہرین غالبیات اب تک مطالعۂ غالب کے اس روشن پہلو پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے۔

الحمدللہ اس اہم موضوع پر غور وفکر کے دریچے وا کرنے کی سعادت غالب کی وفات کے

تقریباً ایک سو بتیس سال بعد ''نعت رنگ'' کے حصے میں آئی۔ نعت کے ادبی فروغ کے لیے سرگرم عمل اس اہم کتابی سلسلے کے بارھویں شمارے (۲۰۰۱ء) میں غالب کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک خصوصی گوشے کا اہتمام کیا گیا جس میں پاک و ہند کے نامور اہلِ علم نے غالب کی نعتیہ شاعری اور غالب کے افکار و نظریات میں عظمتِ رسول ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ پر فکر انگیز مضامین لکھ کر فکرِ غالب کی مذہبی اساس کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔

نعتیہ شاعری جس عظیم اور عالی مرتبت ہستی (نبی کریم ﷺ) کے حوالے سے وجود پاتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ کم از کم ہر مسلمان شاعر اس سعادت کے حصول کے لیے کچھ نہ کچھ لکھے۔ یہ الگ بات ہے کہ نعت گوئی کی سعادت پانے والوں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہر مذہب و ملت کے شعرا شامل ہوتے گئے اور ہو رہے ہیں۔ یہ اللہ ربّ العزت کے اعلان ''ورفعنالک ذکرک'' کا کھلا اظہار ہے:

آپ کا ذکر کبھی کم نہیں ہوگا آقا
آپ کے ذکر کو اللہ نے رفعت دی ہے
(راقم)

غالب بھی رند مشرب ہونے کے باوجود ایک مسلمان شاعر تھا، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا قلم کائناتِ انسانی کی سب سے بڑی ہستی کی توصیف و ثنا سے محروم رہتا۔ چناں چہ اس نے بھی توفیقِ ثنائے رسول ﷺ پائی۔ اردو میں کہیں کہیں چند ایک نعتیہ شعر اس کے قلم سے نکلے لیکن فارسی میں اس کا خاصا نعتیہ کلام سامنے آیا ہے جب کہ اس کی ایک نعت تو ادبِ عالیہ کا حصہ بن گئی ہے۔

''نعت رنگ'' کے گوشۂ غالب میں غالب کی نعتیہ شعری جہتوں پر چند عنوانات کے تحت مضامین لکھوائے گئے تھے جن میں غالب کی فکری رو میں مذہبی اساس کی تلاش اور غالب کے کلام میں نعتیہ عناصر کی نشان دہی جیسے موضوعات کے ساتھ ساتھ کلامِ غالب میں نعت کے فقدان پر بھی سنجیدہ بحث کی گئی اور غالب کے کلام سے ہٹ کر بھی اس کی زندگی، حالات و واقعات اور خطوط میں پائی جانے والی عظمتِ رسول ﷺ اور عشقِ نبی کریم ﷺ کی روشنی کو

تقریباً ایک سو بتیس سال بعد ''نعت رنگ'' کے حصے میں آئی۔ نعت کے ادبی فروغ کے لیے سرگرم عمل اس اہم کتابی سلسلے کے بارھویں شمارے (۲۰۰۱ء) میں غالب کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک خصوصی گوشے کا اہتمام کیا گیا جس میں پاک و ہند کے نامور اہلِ علم نے غالب کی نعتیہ شاعری اور غالب کے افکار و نظریات میں عظمتِ رسول ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ پر فکر انگیز مضامین لکھ کر فکرِ غالب کی مذہبی اساس کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔

نعتیہ شاعری جس عظیم اور عالی مرتبت ہستی (نبی کریم ﷺ) کے حوالے سے وجود پاتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ کم از کم ہر مسلمان شاعر اس سعادت کے حصول کے لیے کچھ نہ کچھ لکھے۔ یہ الگ بات ہے کہ نعت گوئی کی سعادت پانے والوں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہر مذہب و ملت کے شعرا شامل ہوتے گئے اور ہو رہے ہیں۔ یہ اللہ ربّ العزت کے اعلان ''**ورفعنالک ذکرک**'' کا کھلا اظہار ہے:

آپ کا ذکر کبھی کم نہیں ہوگا آقا
آپ کے ذکر کو اللہ نے رفعت دی ہے
(راقم)

غالب بھی رند مشرب ہونے کے باوجود ایک مسلمان شاعر تھا، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا قلم کائناتِ انسانی کی سب سے بڑی ہستی کی توصیف و ثنا سے محروم رہتا۔ چناں چہ اس نے بھی توفیقِ ثنائے رسول ﷺ پائی۔ اردو میں کہیں کہیں چند ایک نعتیہ شعر اس کے قلم سے نکلے لیکن فارسی میں اس کا خاصا نعتیہ کلام سامنے آیا ہے جب کہ اس کی ایک نعت تو ادبِ عالیہ کا حصہ بن گئی ہے۔

''نعت رنگ'' کے گوشۂ غالب میں غالب کی نعتیہ شعری جہتوں پر چند عنوانات کے تحت مضامین لکھوائے گئے تھے جن میں غالب کی فکری رو میں مذہبی اساس کی تلاش اور غالب کے کلام میں نعتیہ عناصر کی نشان دہی جیسے موضوعات کے ساتھ ساتھ کلامِ غالب میں نعت کے فقدان پر بھی سنجیدہ بحث کی گئی اور غالب کے کلام سے ہٹ کر بھی اس کی زندگی، حالات و واقعات اور خطوط میں پائی جانے والی عظمتِ رسول ﷺ اور عشقِ نبی کریم ﷺ کی روشنی کو بھی نمایاں کرنے کی سعی کی گئی۔ غالب نے اردو میں باقاعدہ نعت نہیں کہی لیکن عجیب بات ہے کہ اردو شعرا میں ایک رجحان غالب کی زمینوں میں نعت کہنے کا بھی پیدا ہوا جس میں ہند و پاک کے متعدد نامور شعرا نے حصہ لیا اور نعتیہ ادب کو مزید باثروت کیا۔ اس طرح کئی مجموعے صرف غالب کی زمینوں میں کہی گئی نعتوں کے منصۂ شہود پر آگئے۔ اس گوشے میں شامل مضامین میں غالب کی اس خوش بختی کو اُجاگر کرتے ہوئے اس وقت تک شائع ہونے والے ایسے تمام مجموعوں کا ذکر بھی صراحت کے ساتھ پیش کیا گیا اور اس طرح غالب کی شعری اقدار پر حبِ نبی کریم ﷺ کے حوالے سے ممکنہ حد تک سیر حاصل گفتگو کے ساتھ ساتھ غالب کی فنی عظمت کے نعتیہ ادب پر پڑنے والے اثرات بھی موضوعِ بحث بنے۔

''نعت رنگ'' کا گوشۂ غالب اس اعتبار سے بھی نہایت اہم ثابت ہوا کہ اس میں غالب کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ادبا و شعرا اور ادبی رسائل کے ساتھ ساتھ بالخصوص غالب شناسوں کی بے اعتنائی کا بھی کسی حد تک ازالہ ہوا اور ایک ایسی جادۂ فکر روشن ہوئی جس پر آئندہ نو واردانِ ادب کو چلتے رہنے کی ترغیب ملتی رہے۔ ''نعت رنگ'' میں مذکورہ گوشے کے علاوہ بھی غالب کی نعتیہ شاعری پر چند مضامین شائع کیے گئے تھے یا پھر ایسے انفرادی مضامین بھی گاہے گاہے سامنے آتے رہے جن میں غالب کی نعتیہ شعری اقدار کا کوئی نہ کوئی حوالہ موجود تھا۔ اس لیے نعتیہ ادب سے شغف رکھنے والے اور غالب کی شعری عظمت کے دل سے معترف احباب کا اصرار تھا کہ ''نعت رنگ'' میں غالب کی جس نئی جہت کو دریافت کیا گیا ہے اور اس (غالب کی نعتیہ شاعری) حوالے سے ''نعت رنگ'' میں جو کچھ چھپا ہے اسے غالبیاتِ نعت رنگ کے عنوان سے علاحدہ کتابی شکل میں یک جا کر دیا جائے تا کہ افادۂ عام کی صورت پیدا ہو۔ یوں تو اس خواہش کا اظہار کئی دوستوں نے کیا، لیکن ممتاز صحافی ضمیر نیازی مرحوم کا محبت بھرا تقاضا اور تاکید سب سے پہلے میرے پاس ''نعت رنگ'' کے ایک سرپرست اور کراچی کے ایک بڑے اشاعتی ادارے (فضلی سنز) کے مالک جناب طارق رحمٰن فضلی کی وساطت سے پہنچا۔ سو تاخیر سے سہی لیکن آج ان سارے دوستوں کی خواہشوں کے احترام میں ''غالب اور ثنائے خواجہ'' پیشِ خدمت ہے۔

کسی بھی علمی، تنقیدی اور تحقیقی کام کو احساسِ اوّلیت کے ساتھ پیش کرنے کا مطلب ہمیشہ یہ

ہوتا ہے کہ آئندہ ان بنیاد گزاروں کے جلائے ہوئے چراغوں سے دوسرے چراغ روشن کیے جاتے ہیں۔

غالب کا ایک شعر عجیب ہے جس سے کسی بھی بڑے موضوع کے امکانات پر سوچنے کے لیے حوصلہ ملتا ہے۔ چناں چہ میں بھی اپنی بات کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔ نعت کا حق ادا کرنا کسی شاعر کے بس میں نہیں بقول کیف بدایونی مرحوم:

ادا حق ثنا ان کا کسی سے ہو نہیں سکتا
خدا کا کام ہے یہ آدمی سے ہو نہیں سکتا

لیکن کوشش کرنے میں کچھ حرج نہیں کہ ذکر کی برکتیں اور سعادتیں تو ہر حال میں حاصل ہو ہی جاتی ہیں۔ اب غالب کا شعر دیکھیے:

گفتمش ذرہ بہ خورشید رسد، گفت محال
گفتمش، کوشش من در طلبش، گفت رواست

(میں نے اس سے پوچھا کیا ذرّہ سورج تک پہنچ سکتا ہے، کہا ''ناممکن''۔
میں نے اس سے کہا، اس مقام کے حصول کے لیے میری کوشش کیسی رہے گی؟... کہا وہ جائز ہے)

چناں چہ باعثِ تخلیقِ کائنات ﷺ کی توصیف و ثنا کا معاملہ اس خاکداں کے ایک منفرد اور اہم شاعر کے حوالے سے زیرِ بحث لانا، ہماری کوشش کی حد تک روا تھا، سو وہ ہم نے کر دیکھی۔

صبیح رحمانی

ہوتا ہے کہ آئندہ ان بنیادگزاروں کے جلائے ہوئے چراغوں سے دوسرے چراغ روشن کیے جاتے ہیں۔

غالب کا ایک شعر عجیب ہے جس سے کسی بھی بڑے موضوع کے امکانات پر سوچنے کے لیے حوصلہ ملتا ہے۔ چناں چہ میں بھی اپنی بات کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔ نعت کا حق ادا کرنا کسی شاعر کے بس میں نہیں بقول کیف بدایونی مرحوم:

ادا حق ثنا ان کا کسی سے ہو نہیں سکتا
خدا کا کام ہے یہ آدمی سے ہو نہیں سکتا

لیکن کوشش کرنے میں کچھ حرج نہیں کہ ذکر کی برکتیں اور سعادتیں تو ہر حال میں حاصل ہو ہی جاتی ہیں۔ اب غالب کا شعر دیکھیے:

گفتمش ذرہ بہ خورشید رسد، گفت محال
گفتمش، کوشش من در طلبش، گفت رواست

(میں نے اس سے پوچھا کیا ذرّہ سورج تک پہنچ سکتا ہے، کہا ''ناممکن''۔
میں نے اس سے کہا، اس مقام کے حصول کے لیے میری کوشش کیسی رہے گی؟...کہا وہ جائز ہے)

چناں چہ باعثِ تخلیقِ کائنات ﷺ کی توصیف و ثنا کا معاملہ اس خاکداں کے ایک منفرد اور اہم شاعر کے حوالے سے زیرِ بحث لانا، ہماری کوشش کی حد تک روا تھا، سو وہ ہم نے کر دیکھی۔

صبیح رحمانی

ضیاء احمد بدایونی

غالب کا نعتیہ کلام

لفظ نعت اگرچہ لغت میں تعریف ووصف کردن، کے معنی میں آیا ہے مگر اصطلاحاً وہ اس کلام (خصوصاً کلام منظوم) کے لیے مخصوص ہوگیا ہے جس میں حضرت رسول خدا محمد ﷺ کی تعریف و مدحت اور آپ کی ذات قدسی صفات سے اظہار شوق و محبت ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مدح اور اظہار محبت نعت کے خاص اجزائے ترکیبی ہیں۔

یہ درست ہے کہ مدّاحی کو عموماً اسلام پسند نہیں کرتا۔ خود آں حضرت کا ارشاد ہے کہ
لاتطرونی کما اطرف النصاریٰ عیسیٰ بن مریم ۔
یعنی مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ۔ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کو بڑھایا۔ سب جانتے ہیں کہ تعریف کرنے سے عام طور پر مدّاح میں دنائت اور ممدوح میں نخوت پیدا ہوتی ہے۔ تاہم اس کا مقصد یہ نہیں کہ صحیح تعریف، جو جائز حدود کے اندر ہو، وہ بھی ممنوع ہے۔ احادیث وسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے نعت کے اشعار پڑھے اور حضور ﷺ نے نہ صرف ان کو روا رکھا، بلکہ ان کی تحسین اور ان کے لیے دُعائے خیر فرمائی۔ جب ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے آپ کی ہجو لکھی ''تو اس کے جواب میں حضرت حسانؓ بن ثابت نے اپنا مشہور نعتیہ قصیدہ پیش کیا۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے

هجوت محمدا فاجبت عنه   وعند الله فی ذاک الجزاء ☆

تو آپ نے فرمایا! **جزاک علی الله الجنة**   تمھاری جزا خدا کے یہاں جنت

ہے اور جب شعر پڑھائے

فان ابی و والدتی لعرض محمد

وعرضی منکم وقاء ☆۲۲

تو ارشاد ہوا:

وقاک اللہ هوم المطلع ۔ خدا تمھیں قیامت کے ہول سے بچائے۔
رہا آپ سے محبت کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کے بغیر ایمان ہی ناقص ہے۔ صحاح میں ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کو اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام دنیا سے زیادہ دوست نہ رکھے، وہ مومن ہی نہیں ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کسی کو دوسرے سے حبّ فی اللہ ہو، تو چاہیے کہ وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار بھی کردے۔

عرفا کا قول ہے کہ محبت کے محرکات تین ہوتے ہیں: جمال، کمال اور نوال۔ اگر ہم کسی کو دوست رکھتے ہیں تو اس لیے کہ وہ صاحب جمال ہے اور جمال سے متاثر ہونا تقاضائے فطرت ہے، یا با کمال ہے اور کمال کا گرویدہ ہونا اصل آدمیت ہے، یا اس کا ہم پر احسان ہے اور احسان شناسی شان شرافت ہے۔ اب یہ ایک دارند، تو تنہاداری۔ آپ کے جمال ظاہری کے بارے میں یہ صحابہ کرامؓ کی شہادت ہمارے سامنے ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: مارأیت احسن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کان الشمس تجری فی وجھه یعنی میں نے حضور ﷺ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کے چہرۂ انور میں آفتاب گردش کررہا ہے۔

حضرت حسانؓ کہتے ہیں:

خلقت مبراء من کل کانک قد خلقت

عیب کما تشاء ☆۲۳

واحسن منک لم ترقط واجمل منک لم تلد

عینی النساء ☆۲۴

صحیحین اور ترمذی میں اسی قسم کی روایات حضرت انسؓ و جابرؓ سے بھی منقول ہیں۔ آپ کے کمالات و فضائل کے متعلق صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ دوست تو دوست، دشمن بھی آپ

ہے اور جب شعر پڑھائے

فان ابی و والدتی لعرض محمد
وعرضی منکم وقاء [۲]

تو ارشاد ہوا:

وقاک اللہ ہوم المطلع ۔ خدا تمھیں قیامت کے ہول سے بچائے۔

رہا آپ سے محبت کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کے بغیر ایمان ہی ناقص ہے۔ صحاح میں ہے کہ جو شخص حضورﷺ کو اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام دنیا سے زیادہ دوست نہ رکھے، وہ مومن ہی نہیں ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کسی کو دوسرے سے حبّ فی اللہ ہو، تو چاہیے کہ وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار بھی کر دے۔

عرفا کا قول ہے کہ محبت کے محرکات تین ہوتے ہیں: جمال، کمال اور نوال۔ اگر ہم کسی کو دوست رکھتے ہیں تو اس لیے کہ وہ صاحب جمال ہے اور جمال سے متاثر ہونا تقاضائے فطرت ہے، یا باکمال ہے اور کمال کا گرویدہ ہونا اصل آدمیت ہے، یا اس کا ہم پر احسان ہے اور احسان شناسی شان شرافت ہے۔ اب یہ ایک دارند، تو تنہاداری۔ آپ کے جمال ظاہری کے بارے میں یہ صحابہؓ کرام کی شہادت ہمارے سامنے ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: **مارأیت احسن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان الشمس تجری فی وجھہ** یعنی میں نے حضورﷺ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کے چہرۂ انور میں آفتاب گردش کر رہا ہے۔

حضرت حسانؓ کہتے ہیں:

خلقت مبراء من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء [۳]
واحسن منک لم ترقط عینی واجمل منک لم تلد النساء [۴]

صحیحین اور ترمذی میں اسی قسم کی روایات حضرت انسؓ و جابرؓ سے بھی منقول ہیں۔ آپ کے کمالات و فضائل کے متعلق صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ دوست تو دوست، دشمن بھی آپ کو صادق و امین مانتے تھے۔ آج بھی ہزاروں انصاف پسند غیر مسلم آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ رہا آپ کا بذل و نوال، اس کے ذکر سے احادیث و سیر کے دفتر معمور ہیں۔ سچ پوچھیے تو آپ کی تبلیغ و دعوت اور اپنی امت سے غیر معمولی شفقت آپ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ یہی وجوہ تھے کہ لوگوں نے ہر زمانے اور ہر خطۂ ارض میں نعت گوئی کو اپنے لیے طغرائے امتیاز اور اس نسبت کو اپنے حق میں سرمایۂ ناز جانا۔ اگر عربی، فارسی، ترکی، پشتو، چینی، جاوی، ملایشی، سودانی، حبشی زبانوں اور پھر ہمارے برصغیر ہندوپاک کی زبانوں اردو، ہندی، دکنی، گجراتی، بنگالی، پنجابی، کشمیری، سندھی وغیرہ کا تمام نعتیہ کلام جمع کیا جائے تو بیسیوں ضخیم مجلّدات تیار ہو سکتے ہیں۔

غالب کے نعتیہ کلام پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نعت کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے۔

کسی علم یا فن کی عظمت و اہمیت اس کے موضوع کی عظمت و اہمیت کے تابع ہوتی ہے تو جس فن کا موضوع خود سرور عالمﷺ کی ذات بابرکات ہو، اس کی برتری میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ یہ سب مسلّم۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلا نعت گو کون تھا۔ یوں تو تمام صحف سماوی میں خصوصاً قرآن مجید میں آپ کی نعت کے مضامین ملتے ہیں، لیکن ہم یہاں نعت کے اصطلاحی مفہوم سے بحث کر رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ شرف سب سے پہلے عمّ رسولﷺ ابوطالب کے حصے میں آیا۔ ذیل کے اشعار تذکروں میں ان کی جانب منسوب ہیں:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ شمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل
فاصبح فینا احمد فی ارومۃ تقصر عنہ سورۃ المتطاول
فایدہٗ رب العباد بنصرہٖ واظھر دینہ حقہٗ غیر باطل

یعنی آپ ایسے نورانی شکل والے ہیں جن کے چہرے کے وسیلے سے لوگ طلب باراں

کرتے ہیں۔ یتیموں کے فریاد رس، بیواؤں کے محافظ احمدﷺ ہمارے اندر ایسے درخت کی جڑ سے تعلق رکھتے ہیں جس تک دراز دستوں کی دراز دستی پہنچنے سے قاصر ہے۔ پروردگار نے اپنی نصرت سے آپ کی تائید فرمائی اور اس دین کو غالب کیا جس کی صداقت یقینی ہے۔
اگرچہ اکثر اہل علم ان اشعار کی نسبت پر شبہ کرتے ہیں، مگر کم از کم پہلے شعر کے استناد میں کوئی کلام نہیں۔ صحیح بخاری کے باب الاستسقاء میں اس کو ابوطالب ہی سے منسوب کیا گیا ہے۔
اصحابِ رسولﷺ میں جن بزرگوں نے نعت نگاری میں نام پایا ان کی تعداد خاصی ہے، مثلاً حضرت ابوبکر، عمر، علی، ابوہریرہ، حسان بن ثابت، ضرار بن الخطاب، عبداللہ بن رواحہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عدی بن حاتم الطائی، عمرو بن معدی کرب، کعب بن زبیر، کعب بن مالک، لبید بن ربعیہ، خنساء، عاتکہ رضی اللہ عنہم☆۵۔ جگہ کی تنگی اجازت نہیں دیتی کہ ان سب کی نعتوں کے اقتباس پیش کیے جائیں۔ تاہم ان میں سے بعض کا کلام بطورِ نمونہ نقل کیا جاتا ہے۔

حسان بن ثابت☆۱

الا ابلغ ابا سفیان عنی فانت مجوّف، نخب بواء،
بان سیوفنا ترکتک عبداء و عبدالدار سادتها الاماء،
هجوت محمدا فاجبت عنه و عنداللّٰه فی ناک الجزاء،
اتهجوه واست لهٔ بکفوء فشر کما لخیر کما الفداء،

کرتے ہیں۔ یتیموں کے فریاد رس، بیواؤں کے محافظ احمد ﷺ ہمارے اندر ایسے درخت کی جڑ سے تعلق رکھتے ہیں جس تک دراز دستوں کی دراز دستی پہنچنے سے قاصر ہے۔ پروردگار نے اپنی نصرت سے آپ کی تائید فرمائی اور اس دین کو غالب کیا جس کی صداقت یقینی ہے۔

اگرچہ اکثر اہل علم ان اشعار کی نسبت پر شبہ کرتے ہیں، مگر کم از کم پہلے شعر کے استناد میں کوئی کلام نہیں۔ صحیح بخاری کے باب الاستسقاء میں اس کو ابوطالب ہی سے منسوب کیا گیا ہے۔

اصحابِ رسول ﷺ میں جن بزرگوں نے نعت نگاری میں نام پایا ان کی تعداد خاصی ہے، مثلاً حضرت ابوبکر، عمر، علی، ابوہریرہ، حسان بن ثابت، ضرار بن الخطاب، عبداللہ بن رواحہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عدی بن حاتم الطائی، عمرو بن معدی کرب، کعب بن زہیر، کعب بن مالک، لبید بن ربعیہ، خنساء، عاتکہ رضی اللہ عنہمؓ۔ جگہ کی تنگی اجازت نہیں دیتی کہ ان سب کی نعتوں کے اقتباس پیش کیے جائیں۔ تاہم ان میں سے بعض کا کلام بطورِ نمونہ نقل کیا جاتا ہے۔

حسان بن ثابتؓ

الا ابلغ ابا سفیان عنی — فانت مجوّف، نخب بواء،

بان سیوفنا ترکتک عبداء — و عبدالدار سادتها الاماء،

هجوت محمدا فاجبت عنه — و عندالله فی ناک الجزاء،

اتهجوه واست لهٗ بکفوء — فشر کما لخیر کما الفداء،

هجوت مبارکا براء حنیفا — امین الله شیمة الحیاء،

فمن یهجو رسول الله منکم — ویمحه و ینصره سواء،

فان ابی و والدتی و عرضی — لعرض محمد منکم وقاء،

ہاں ابوسفیانؓ کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو کہ تو محض بے عقل، بزدل اور ناکارہ ہے۔ ہماری تلواروں نے تجھے اور قبیلہ عبدالدار کو (جن پر لونڈیاں حکومت کرتی ہیں) غلام بنا چھوڑا۔ تو نے محمد ﷺ رسول اللہ کی ہجو کی، جس کا میں ان کی طرف سے جواب دے رہا ہوں اور خدا کے یہاں میری جزا مقرر ہو چکی ہے تو آں حضرت ﷺ کی کیا ہجو کرتا ہے، جب کہ تو ان کی برابر کا نہیں۔ تو بد ہے اور وہ نیک۔ تجھ کو ان پر سے قربان کر دیا جائے تو روا ہے۔ تو نے ایسی ذات کی برائی کی جو بابرکت۔ نیکوکار راست باز اور خدا کی امین ہے اور جس کا شیوہ شرم و حیا ہے۔ تم میں سے کوئی رسول ﷺ مقبول کی ہجو و منقصت کرے یا مدح و نصرت، کوئی پروا نہیں۔ کیوں کہ میرے ماں باپ اور خود میری عزت رسول اللہ ﷺ کی عزت کی حفاظت کی خاطر تمھارے مقابلے میں سپر ہیں۔

ضرار بن الخطاب

یا نبی الهنیٰ الیک لجاحیّه — یا قریش ولات حین لجاء

حین ضاقت علیهم سعته الارض — و عاداهم اله السماءِ

اے ہدایت کرنے والے نبی! قریش کا قبیلہ آپ سے پناہ کا طالب ہوا (حالاں کہ پناہ کا وقت گزر چکا) جب کہ اس پر زمین کی وسعت تنگ ہوگئی اور آسمان کا مالک اس سے انتقال لینے پر آمادہ ہوا۔

کعب بن زہیرؓ

انبئت ان رسول اللّٰہ اوعدنی والعفو عند رسول اللّٰہ ماموول
فقداتیت رسول اللّٰہ معتزرا والعزر عند رسول اللّٰہ مقبول
مھلابداک الذی القرآن فیھا عطاک نافلۃ مواعیظ و تفصیل
لاتا خذنی باقوال الوشاء ولم انذب وان کثرت فی الاقاویل
ان الرسول لنور یستضاء بہ مھندھن سیوف اللّٰہ مسلول

مجھے خبر دی گئی کہ رسولِ خدا ﷺ نے مجھے تعزیز کی دھمکی دی ہے مگر مجھ کو آپ کی ذات سے عفو کی امید ہے۔ میں آپ کے یہاں عذر لے کر آیا ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ کے حضور میں عذر قبول کیا جاتا ہے۔ ٹھہریے خدا جس نے آپ کو نصیحت و ہدایت والا قرآن عطا کیا ہے آپ کا بھلا کرے۔ آپ سخن چینوں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمایئے۔ اگرچہ کہنے والوں نے میرے خلاف بہت کچھ کہا ہے مگر میں بے قصور ہوں۔ رسول خدا ایسا نور ہیں جس سے سب روشنی حاصل کرتے ہیں اور آپ خدا کی تیغوں میں سے برہنہ تیغ ہندی ہیں۔

کعب بن مالک

وردناہ بنوراللّٰہ یجلو دجی الظلماء عناد الغطاء
رسول اللّٰہ یقدمنا بامر من امر اللّٰہ احکم بالقضاء

ہم بدر کے مقام پر خدا کے اس نور کے ساتھ اترے جو سیاہ رات کی تاریکی کو منور کرتا ہے۔

کعب بن زہیرؓ☆

انبئت ان رسول اللّٰہ　　والعفو عند رسول
اوعدنی　　اللّٰہ　　مامول

فقداتیت　　رسول　　والعزر عند رسول
اللّٰہ　　معتزرا　　اللّٰہ　　مقبول

مھلابداک　　الذی　　القرآن　　فیھا
عطاک　　نافلة　　مواعیظ و تفصیل

لاتا خذنی باقوال　　انذب وان کثرت فی
الوشاء　　ولم　　الاقاویل

ان　الرسول　لنور　　مھندھن سیوف اللّٰہ
یستضاء　　بہ　　مسلول

مجھے خبر دی گئی کہ رسولِ خدا ﷺ نے مجھے تعزیز کی دھمکی دی ہے مگر مجھ کو آپ کی ذات سے عفو کی امید ہے۔ میں آپ کے یہاں عذر لے کر آیا ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ کے حضور میں عذر قبول کیا جاتا ہے۔ ٹھہریے خدا جس نے آپ کو نصیحت و ہدایت والا قرآن عطا کیا ہے آپ کا بھلا کرے۔ آپ سخن چینوں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمائیے۔ اگرچہ کہنے والوں نے میرے خلاف بہت کچھ کہا ہے مگر میں بے قصور ہوں۔ رسول خدا ایسا نور ہیں جس سے سب روشنی حاصل کرتے ہیں اور آپ خدا کی تیغوں میں سے برہنہ تیغ ہندی ہیں۔

کعب بن مالک

وردناہ بنوراللّٰہ　　دجی　　الظلماء
یجلو　　عناد　　الغطاء

رسول　　اللّٰہ　　من امر اللّٰہ احکم
یقدمنا　　بامر　　بالقضاء

ہم بدر کے مقام پر خدا کے اس نور کے ساتھ اترے جو سیاہ رات کی تاریکی کو منور کرتا ہے۔

یعنی رسول اللہ جو خدا کے حکم سے (جس کی استواری تقدیر ہوچکی ہے) ہمارے پیش رو ہیں۔

عہد صحابہ کے بعد ہر زمانے میں عربی شعرا نعت لکھتے اور سرکار نبوی ﷺ میں خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ مگر ہم یہاں بخوف طوالت ان کے ذکر اور کلام سے قطع نظر کرتے ہیں۔

عربی کے بعد فارسی اور اردو میں نعت رسول ﷺ کا معتدبہ ذخیرہ محفوظ ہے۔ ایران و ہند میں اکثر اہل ذوق نے ذکر حبیب کا محبوب مشغلہ اختیار کیا اور ملک و ملت سے قبول عام کا صداقت نامہ لیا۔ متقدمین، متوسطین اور متاخرین میں کم ایسے افراد ہوں گے، جن کا کلام نعت سے خالی ہو۔ البتہ اس امر کا افسوس ہے کہ قدما میں بعض مشہور شعرا مثلاً رودکی، فرخی، منوچہری، انوری، ظہیر وغیرہ جن کے قصیدے فارسی ادب کا مایہ ناز سرمایہ ہیں، ان میں سے کسی کے ہاں نعت نبوی میں دو شعر بھی نہیں ملتے۔

یوں تو دواوین یا مثنویات میں تبرکاً یا رسماً چند شعر اکثر شعرا کے یہاں مل جاتے ہیں، مگر صرف اتنی کوشش کی کسی شخص کو نامور نعت نگاروں کی صف میں جگہ پانے کا مستحق قرار نہیں دے سکتی۔ ایسے فارسی مشاہیر جنھوں نے نعت گوئی کو حاصل حیات جانا اور جنھیں زمانے نے کامل فن مانا، ان کی تعداد بھی خاصی ہے اور ان کی تخلیقات بھی کمیت اور کیفیت، دونوں لحاظ سے قابلِ قدر ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ابوالمجد مجدد بن آدم سنائی غزنوی (ف ۵۴۵ھ) کا نام آتا ہے۔ فارسی شعرا میں تین صوفی شاعر سب سے زیادہ بلند رتبہ گزرے ہیں سنائی، عطّار اور رومی۔ خود رومی فرماتے ہیں:

عطار روح بود و سنائی دو چشم او
ما از پے سنائی و عطّار آمدیم

سنائی سے ایک ضخیم دیوان (جو قصائد، غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے) اور سات مثنویاں، جن میں حدیقۃ الحقیقہ زیادہ مشہور ہیں، یادگار ہیں۔ انھوں نے توحید و زہدیات سے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ نعت بھی خوب ہے، فرماتے ہیں:

اے سنائی! گرہمی جوئی زلطف حق سنا
عقل را قربان کن، اندر بارگاہ مصطفاً

آگے چل کر کہتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ کے ہوتے ہوئے ظاہری عقل کی پیروی ایسی ہی ہے جیسے سورج کی موجودگی میں کوئی سہا کا نام لے۔ نبوت کے شفاخانے میں جاؤ تو نہار منھ جاؤ (یعنی فلسفہ کی غذا کھائے بغیر) کیوں کہ نبض کی صحیح تشخیص نہار منھ ہی کی جاتی ہے۔

اسی عہد کے ایک دوسرے نامور شاعر سیّد حسن غزنوی ہیں (ف ۵۵۶ھ تقریباً) موصوف کا ترجیع بند جو انھوں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہوکر مواجہ شریف میں پڑھا، اپنے اندر ذوق و شوق کی ایک دنیا رکھتا ہے۔ اس کا مطلع ہے:

یارب! ایں مائیم و ایں صدر رفیع مصطفاستؐ
یارب! ایں مائیم و ایں فرق عزیز مجتباست

اس کی بیت عقیدت کی دلیل اور مقبولیت کی سند ہے۔

سلّموا یا قوم بل صلّو | مصطفیٰ ماجاء الّا
علی الصدرالامین | رحمة للّعالمین

خاقانی شروانی (ف۵۹۵ھ) کو نعت نگاروں میں جو بلند مقام حاصل ہے، اس سے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ناقدین کا فیصلہ ہے کہ عرب میں حسان بن ثابت، ایران میں خاقانی شروانی اور ہندوستان میں محسن کاکوری کے پایے کا نعت گو پیدا نہیں ہوا۔ اسی لیے خاقانی کو حسان العجم اور محسن کو حسان الہند کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ خاقانی نے نعت میں متعدد طویل الذیل قصائد اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ اس کے ہاں خیالات کی تلاش، عقیدت کا جوش، تراکیب کی ندرت اور بیان کا زور لاجواب ہے۔ اس کے وہ نعتیہ قصائد جو جسیات میں شامل ہیں یا وہ جو اس نے روضۂ مقدسہ پر حاضر ہوکر پیش کیے تھے، تعریف سے مستثنیٰ ہیں۔ خوف طوالت سے ہم یہاں اس کا کوئی پورا قصیدہ نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ تاہم اس موقع کے چند اشعار جب کہ وہ مدینہ طیبہ سے بالین مزار اقدس کی خاک بطور ارمغان لے کر آیا ہے۔ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ خیال کی لطافت اور تشبیہات اور استعارات کی بداعت کے ساتھ جوش عقیدت کی فراوانی، غرض کون کون سی چیز کی تعریف کی

اے سنائیؔ! گرہمی جوئی زلطف حق سنا

عقل را قربان کن، اندر بارگاہ مصطفاً

آگے چل کر کہتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ کے ہوتے ہوئے ظاہری عقل کی پیروی ایسی ہی ہے جیسے سورج کی موجودگی میں کوئی سہا کا نام لے۔ نبوت کے شفاخانے میں جاؤ تو نہار منھ جاؤ (یعنی فلسفہ کی غذا کھائے بغیر) کیوں کہ نبض کی صحیح تشخیص نہار منھ ہی کی جاتی ہے۔

اسی عہد کے ایک دوسرے نامور شاعر سیّد حسن غزنوی ہیں (ف ۵۵۶ھ تقریباً) موصوف کا ترجیع بند جو انھوں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہوکر مواجہ شریف میں پڑھا، اپنے اندر ذوق و شوق کی ایک دنیا رکھتا ہے۔ اس کا مطلع ہے:

یارب! ایں مائیم و ایں صدر رفیع مصطفاستؐ

یارب! ایں مائیم و ایں فرق عزیز مجتباست

اس کی بیت عقیدت کی دلیل اور مقبولیت کی سند ہے۔

سلّموا یا قوم بل صلّو   مصطفیٰ   ماجاء   الّا

علی   الصدرالامین   رحمۃ   للّعالمین

خاقانی شروانی (ف ۵۹۵ھ) کو نعت نگاروں میں جو بلند مقام حاصل ہے، اس سے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ناقدین کا فیصلہ ہے کہ عرب میں حسان بن ثابت، ایران میں خاقانی شروانی اور ہندوستان میں محسن کاکوری کے پایے کا نعت گو پیدا نہیں ہوا۔ اسی لیے خاقانی کو حسان العجم اور محسن کو حسان الہند کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ خاقانی نے نعت میں متعدد طویل الذیل قصائد اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ اس کے ہاں خیالات کی تلاش، عقیدت کا جوش، تراکیب کی ندرت اور بیان کا زور لاجواب ہے۔ اس کے وہ نعتیہ قصائد جو جسیات میں شامل ہیں یا وہ جو اس نے روضۂ مقدسہ پر حاضر ہوکر پیش کیے تھے، تعریف سے مستثنیٰ ہیں۔ خوف طوالت سے ہم یہاں اس کا کوئی پورا قصیدہ نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ تاہم اس موقع کے چند اشعار جب کہ وہ مدینہ طیبہ سے بالین مزار اقدس کی خاک بطور ارمغان لے کر آیا ہے۔ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ خیال کی لطافت اور تشبیہات اور استعارات کی بداعت کے ساتھ جوش عقیدت کی فراوانی، غرض کون کون سی چیز کی تعریف کی

جائے۔ ایک ایک خوبی پر روح وجد کرنے لگتی ہے۔

صبح وارم کآفتابے درنہان آوردہ ام   آفتابم کز دم عیسیٰ نشان آوردہ ام

عیسیم کز بیت معمور آمدہ وزخوان خلد   خوردہ قوت و زلّۂ اخواں زخوان آوردہ ام

ہیں، صلاے خشک بے پیران تردامن کہ من   ہر دو قرص گرم و سرد آسمان آوردہ ام

طفل ذی مکتب بردناں، من زمکتب آمدہ   بہر پیراں زآفتاب و مہ دونان آوردہ ام

گرچہ عیسیٰ وار زینجا بار سوزن بردہ ام   گنج قاروں بین کز آنجا سوزیان آوردہ ام

آگے چل کر کہتا ہے کہ میں حرم نبوی میں حاضر ہوا۔ میزبان (رسولِ خدا) حجرۂ خاص میں آرام فرما ہیں اور باہر فیض عام کا دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ اب پاسباں[☆۹] کی اور اپنی روداد سناتا ہے:

دوست خفتہ در شبستان است و دولت پاسباں   من بچشم دسر سجود پاسباں آوردہ ام

پاسباں گفتا "چہ داری نورہاں؟" گفتم: "شما   کان زر دارید، ومن جاں نور ہاں آوردہ ام"

پاسبان نے پوچھا تھا کہ اس دربار میں آئے ہو تو کوئی تحفہ بھی لائے ہو۔ خاقانی کہتا ہے کہ کان زر (ذات نبوی) تو یہاں ہے۔ میرے پاس کیا تھا جو تحفہ میں پیش کرتا۔ البتہ جان حاضر ہے۔

نئی نئی تراکیب اور نادر نادر استعاروں کے بعد صاف صاف بتاتا ہے

یعنی امسال سر بالین پاک مصطفیٰؐ

خاک مشک آلودہ بہر حرز جاں آوردہ ام

اس خاک پاک کی قیمت بھی سن لیجیے:

کیسیت خاقانی کہ گویم خوں بہاے جان اوست

خون بہائے جان صد خاقاں و خاں آوردہ ام

پھر کھل کر کہتا ہے کہ میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا میں تو کسی قیمت پر بھی اسے دینے کو تیار نہیں ہوں:

وقف بازوے من است ایں حرز نفروشم بکس

گرچہ اول نام دادن برزباں آوردہ ام

نظامی گنجوی (ف۵۹۹ھ) کی نعتیں بھی جو ان کے خمسہ میں پائی جاتی ہیں، فارسی زبان کے شاہ کاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ مولانا ایک واجب الاحترام صوفی اور ایک نامور معلم اخلاق ہیں۔ ان کی اخلاقی، عشقیہ، تمثیلیہ اور رزمیہ مثنویاں ادبیاتِ عالیہ میں محسوب ہیں اور اکابر شعرا نے ان کی تقلید کی کوشش کی ہے۔ ان مثنویات میں جہاں نعت کا موقع آیا ہے مولانا نے خوب خوب دادِ سخن دی ہے۔ مخزن الاسرار میں کہتے ہیں

اے مدنی برقع و مکی نقاب　　سایہ نشیں چند بود آفتاب
گر مہی، از مہر تو موئے بیار　　در گلی، از باغ تو بوئے بیار
منتظراں رابلب آمد نفس　　اے زتو فریاد، بفریاد رس
پانصد و ہفتاد نہ بس بود خواب　　روز بلند است، بمجلس شتاب

کہتے ہیں سرکار بہت آرام فرما چکے۔ ۵۷۰ سال تھوڑے نہیں ہوتے۔ دن چڑھ گیا ہے۔ اب مجلس میں تشریف لایئے اور امت کے حال پر نظر فرمایئے۔

دشمنان اسلام کی جفا کاری اور ملت کی ناچاری کا نقشہ ایسے مؤثر انداز میں کھینچا ہے کہ ممکن نہیں کوئی پڑھے اور اس پر اثر نہ ہو۔

عطّار، رومی، سعدی اور خسرو نے بھی نعت لکھی ہے اور خوب لکھی ہے مگر وہ بات نہیں، جو خاقانی یا نظامی کے یہاں ہے۔ یہاں تک کہ مولانا جامی کا عہد (۸۱۷۔۸۹۸ھ) آجاتا ہے۔ وہ ایک متبحر عالم، ممتاز صوفی اور نامور شاعر تھے۔ بعض متشرقین کا تو یہ خیال ہے کہ ان کے بعد خاک ایران سے کوئی بڑا شاعر اُٹھا ہی نہیں۔ ان کے کلام اور خاص کر مثنویات میں نعت رسول کی بہت پاکیزہ اور نفیس مثالیں ملتی ہیں۔ خصوصاً یوسف زلیخا ذات اقدس سے ان کا خطاب جوش و اثر میں جواب نہیں رکھتا۔

زمہجوری برآمد جان عالم　　ترحّم یا نبی اللہ! ترحّم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی　　زمحروماں چرا غافل نشینی؟

اسی طرح ''تحفۃ الاحرار'' میں ان کا استغاثہ بے حد مؤثر اور درد انگیز ہے:

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

نظامی گنجوی (ف ۵۹۹ھ) کی نعتیں بھی جو ان کے خمسہ میں پائی جاتی ہیں، فارسی زبان کے شاہ کاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ مولانا ایک واجب الاحترام صوفی اور ایک نامور معلم اخلاق ہیں۔ ان کی اخلاقی، عشقیہ، تمثیلیہ اور رزمیہ مثنویاں ادبیاتِ عالیہ میں محسوب ہیں اور اکابر شعرا نے ان کی تقلید کی کوشش کی ہے۔ ان مثنویات میں جہاں نعت کا موقع آیا ہے مولانا نے خوب خوب دادِ سخن دی ہے۔ مخزن الاسرار میں کہتے ہیں

اے مدنی برقع و مکی نقاب سایہ نشیں چند بود آفتاب
گر مہی، از مہر تو موئے بیار درگلی، از باغ تو بوئے بیار
منتظراں رابلب آمد نفس اے زتو فریاد، بفریاد رس
پانصد و ہفتاد نہ بس بود خواب روز بلند است، بمجلس شتاب

کہتے ہیں سرکار بہت آرام فرما چکے۔ ۵۷۰ سال تھوڑے نہیں ہوتے۔ دن چڑھ گیا ہے۔ اب مجلس میں تشریف لائیے اور امت کے حال پر نظر فرمائیے۔

دشمنانِ اسلام کی جفا کاری اور ملت کی ناچاری کا نقشہ ایسے مؤثر انداز میں کھینچا ہے کہ ممکن نہیں کوئی پڑھے اور اس پر اثر نہ ہو۔

عطّار، رومی، سعدی اور خسرو نے بھی نعت لکھی ہے اور خوب لکھی ہے مگر وہ بات نہیں، جو خاقانی یا نظامی کے یہاں ہے۔ یہاں تک کہ مولانا جامی کا عہد (۸۱۷۔۸۹۸ھ) آجاتا ہے۔ وہ ایک متبحر عالم، ممتاز صوفی اور نامور شاعر تھے۔ بعض مستشرقین کا تو یہ خیال ہے کہ ان کے بعد خاک ایران سے کوئی بڑا شاعر اُٹھا ہی نہیں۔ ان کے کلام اور خاص کر مثنویات میں نعت رسول کی بہت پاکیزہ اور نفیس مثالیں ملتی ہیں۔ خصوصاً یوسف زلیخا ذات اقدس سے ان کا خطاب جوش و اثر میں جواب نہیں رکھتا۔

زمہجوری برآمد جان عالم ترحّم یا نبی اللہ! ترحّم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی زمحروماں چرا غافل نشینی؟

اسی طرح ''تحفۃ الاحرار'' میں ان کا استغاثہ بے حد مؤثر اور دردانگیز ہے:

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

متاخرین شعرائے فارسی میں بھی بڑے بڑے اہلِ کمال گزرے، جن میں سے بعض کو نعت گوئی میں یدطولیٰ حاصل تھا ان میں فیضی اور عرفی کو جو مرتبہ حاصل ہے، وہ دوسرے معاصرین کو نہیں۔

فارسی شاعری کے آخری دور میں دو عالی رتبہ شاعر پیدا ہوئے، جنھوں نے نعت میں بھی بیش بہا سرمایہ چھوڑا ہے یعنی قاآنی اور غالب۔ قاآنی (۱۲۰۰۔۱۲۷۰ھ) قصیدے کا استاد اور زبان کا بادشاہ ہے۔ اس کی نعت کا زور دیکھنا ہو تو اشعار ذیل ملاحظہ ہو:

شاہے کہ برسراست زلولاک افسرش تشریف کبریاست زدا دار دربرش
اقبال دبخت شاطر میدان رفرفش خورشید و ماہ خادم شبیرؑ و شبرشؑ
شام ابد حبیبۂ موے مجعدش صبح ازل طلیعۂ روے منورش
شب چہرہ سیاہ بلال مؤذنش مہ غرۂ جبین براق تکاورش
تابر سر خطایم و خط عطا کنند سوگندمی دہم بخداوند قنبرش

مرزا غالب قاآنی کے معاصر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب قاآنی کا کلام ہندوستان پہنچا اور غالب کی نظر سے گزرا تو انھوں نے ارادہ کرلیا کہ میں آیندہ یہی رنگ اختیار کروں گا مگر عمر نے مہلت نہ دی۔ سچ پوچھیے تو خدا کو کچھ اچھا کرنا تھا ورنہ غالب کی انفرادیت مجروح ہوگئی ہوتی اور ان کی شاعری نری لفاظی کی نذر ہوجاتی۔ اُردو میں غالب کا نعتیہ کلام نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ فارسی میں جو نعتیں انھوں نے لکھی ہیں، وہ ایک طرف ان کی استادی کی برہان اور دوسری طرف عقیدتمندی کی جان ہیں۔ فارسی زبان پر ان کی غیر معمولی قدرت اور شاعری میں ان کی فوق العادہ صلاحیت کا ناقدان سخن اور اربابِ فن نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے۔ ان کے ہم عہد اور زمانہ مابعد کے تذکروں اور نیز آج تک[☆10] کے انتقادی سرمایے پر نظر ڈال جائیے جس پر ہمارے دعوے کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ قدرت کی طرف سے شعروادب کا ایک غیر معمولی ملکہ لے کر آئے تھے جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد، خدائے بخشندہ

خود انھوں نے اپنے اس ملکہ کا کئی موقعوں پر فخریہ ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:
سخن آفرینی خداے گیتی آراے راستایم کہ تانہاں خانۂ ضمیرم را از فراوانی رنگارنگ معنی بہ لعل و گہر انباشت، بازویم راترازوے مرجاں سنجی و خامہ ام ہنگامۂ گہرپاشی ارزانی داشت
ان کی نظم ونثر فارسی و اردو میں اس کے قسم کے فخریہ مضامین بکثرت ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فخر بیجا تھا۔ دوسرے انھیں خوبی قسمت سے اوائل عمر ہی میں ہر مزد (عبدالصمد) جیسا باکمال استاد مل گیا۔ مولانا حالی کا بیان[☆۱۱] ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم وبیش فارسی زبان سیکھی تھی چناں چہ مرزا نے جابجا اس کے تلمذ پر اپنی تحریروں پر فخر کیا ہے۔" خود عبدالصمد کو بھی اپنے نادر عصر شاگرد پر ناز تھا۔ جیسا کہ اس نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا[☆۱۲] "اے عزیز، چہ کسی کہ باایں ہمہ آزاد یہا گاہ گاہ بخاطرمی گزری۔"
اس کے علاوہ اساتذہ فارسی کی نظم ونثر کو ہمیشہ مطالعے میں رکھتے تھے اور انھیں اساتذہ مذکورہ کی تخلیقات سے کامل ممارست اور ان کے اسالیب سے پوری مناسبت ہوگئی تھی۔ ان کے زمانے میں فارسی زبان عموماً معیارِ لیاقت اور نشان شرافت سمجھی جاتی تھی۔ تاہم اس عہد میں بھی کم لوگ تھے جو ان کی برابر زبان کے نکات پر نظر رکھتے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زبان کے معاملے میں خود کو بھی مجتہد نہیں، بلکہ مقلد مانتے اور اہلِ ہند کی فارسی پر چیں بجبیں ہوتے تھے۔ ملاّ غیاث الدین رامپوری، محمد حسین دکنی، قتیل فرید آبادی، واقف بٹالوی و امثالہم پر مرزا غالب کے ایرادات کی یہی بنیاد ہے۔
ایک خاص چیز جس نے ان کی فنکارانہ خصوصیات کو آگے بڑھایا اور ان کے جوہر کمال کو چمکایا۔ وہ اس زمانے کی دلّی کا علمی و ادبی ماحول تھا[☆۱۳] جس کا مرزا نے بڑی فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے۔

اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایان عجم — چہ بمامنت بسیار نہی از کم شاں
ہندرا خوش نفسانند سخنور کہ بود — باد در خلوت شاں مشک فشاں از دم شاں
مومن و نیّر و صہبائی و علوی وانگاہ — حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں
غالب سوختہ جاں گرچہ نیرزد شمار — ہست در بزم سخن ہم نفس و ہمدم شاں

خود انھوں نے اپنے اس ملکہ کا کئی موقعوں پر فخریہ ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:
سخن آفرینی خدائے گیتی آرائے راستایم کہ تانہاں خانۂ ضمیرم را از فراوانی رنگارنگ معنی بہ لعل و گہر انباشت، بازویم راترازوے مرجاں سنجی و خامہ ام ہنگامۂ گہرپاشی ارزانی داشت

ان کی نظم ونثر فارسی و اردو میں اس کے قسم کے فخریہ مضامین بکثرت ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فخر بیجا تھا۔ دوسرے انھیں خوبیٔ قسمت سے اوائل عمر ہی میں ہرمزد (عبدالصمد) جیسا باکمال استاد مل گیا۔ مولانا حالی کا بیان[☆11] ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم وبیش فارسی زبان سیکھی تھی چناں چہ مرزا نے جابجا اس کے تلمذ پر اپنی تحریروں پر فخر کیا ہے۔" خود عبدالصمد کو بھی اپنے نادر عصر شاگرد پر ناز تھا۔ جیسا کہ اس نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا[☆12] "اے عزیز، چہ کسی کہ باایں ہمہ آزاد یہا گاہ گاہ بخاطرمی گزری۔"

اس کے علاوہ اساتذہ فارسی کی نظم ونثر کو ہمیشہ مطالعے میں رکھتے تھے اور انھیں اساتذہ مذکورہ کی تخلیقات سے کامل ممارست اور ان کے اسالیب سے پوری مناسبت ہوگئی تھی۔ ان کے زمانے میں فارسی زبان عموماً معیارِ لیاقت اور نشان شرافت سمجھی جاتی تھی۔ تاہم اس عہد میں بھی کم لوگ تھے جو ان کی برابر زبان کے نکات پر نظر رکھتے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زبان کے معاملے میں خود کو بھی مجتہد نہیں، بلکہ مقلد مانتے اور اہلِ ہند کی فارسی پر چیں بجبیں ہوتے تھے۔ ملاّ غیاث الدین رامپوری، محمد حسین دکنی، قتیل فرید آبادی، واقف بٹالوی و امثالہم پر مرزا غالب کے ایرادات کی یہی بنیاد ہے۔

ایک خاص چیز جس نے ان کی فنکارانہ خصوصیات کو آگے بڑھایا اور ان کے جوہر کمال کو چمکایا۔ وہ اس زمانے کی دلّی کا علمی و ادبی ماحول تھا۔[☆13] جس کا مرزا نے بڑی فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے۔

اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایان عجم — چہ بمامنت بسیار نہی از کم شاں
ہندرا خوش نفسانند سخنور کہ بود — باد در خلوت شاں مشک فشاں از دم شاں
مومن و نیّر و صہبائی و علوی وانگاہ — حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں
غالب سوختہ جاں گرچہ نیرزد شمار — ہست در بزم سخن ہم نفس و ہمدم شاں

یہ سپہر سخن کے ستارے جب کسی بزم میں مل بیٹھتے ہوں گے تو بقول شخصے آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔" ان میں (ایک آدھ کو چھوڑ کر) سب کے سب مرزا کے ادبی مرتبے کے معترف تھے۔ تاہم ان ناقدین فن کی وجہ سے انھیں اپنے فن کو بار بار جانچنے اور سنوارنے کا کافی موقع ملا۔ غالب نے جو کہا تھا:

غالب بفن گفتگو، نازو بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

تو یہ محض شاعری ہی نہ تھی۔

یہ سب حقائق اپنی جگہ مسلم، لیکن جن اوصاف نے غالب کو علیٰ کلّی غالب بنادیا وہ ان کی تقلید سے نفرت، مجتہدانہ رنگ طبیعت، غیرمعمولی قوت متخیّلہ اور حیرت انگیز قوت آخذہ تھی۔ چوں کہ اس موضوع پر کافی لکھا جاچکا ہے اس لیے ہم تفصیل سے قطع نظر کرتے ہیں۔

جیسا کہ غالب نے خود کہا ہے[☆14] انھوں نے اوّل اردو زبان میں شعر کہنا شروع کیا تھا، فارسی کی طرف وہ بعد کو مائل ہوئے۔ تاہم اردو کا سلسلہ بھی آخر تک چلتا رہا۔ ان کی ابتدائی اور فارسی غزلوں میں رنگ بیدل نمایاں ہے۔ دس گیارہ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ نہ مزاج میں غیرمعمولی پرواز، نہ بازوؤں میں طاقت پرواز، نہ کوئی حوصلہ بڑھانے والا، نہ صلاح دینے والا، تاہم ان کی نظر کی داد دیجیے کہ انھوں نے اپنے لیے جو نمونہ منتخب کیا، وہ بیدلؔ کا تھا۔

متاخرین شعراے فارسی کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی نے چند امور پر خاص زور دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان آکر فارسی شاعری نے ایک خاص جدّت اختیار کی۔ یہ جدّت "تازہ گوئی" ہے۔ جس کے بارے میں عبدالباقی رقمطراز ہے
مستعدادن و شعرسنجان ایں زماں را اعتقاد آن ست کہ تازہ گوئی کہ دریں زماں درمیانۂ شعرا مستحسن است و شیخ فیضی و مولانا عرفی شیرازی وغیرہ بہ آں روش حرف زدہ اند، بہ اشارہ و تعلیم ایشاں (حکیم ابوالفتح) بوذ"

عرفی سے متعلق اس کا بیان ہے کہ "مخترع طرز تازہ ایست کہ الحال مستعدان و اہل زبان و سخن سنجان تتبع اومی نمایند۔"

یہ طرز جس کی خصوصیات جدّت ادا، نازک خیالی، مضمون آفرینی، لطافت استعارات اور زور کلام ہیں ہندوستان میں خوب پھلا پھولا اور واقع یہ ہے کہ یہاں کے سلاطین و امرا نے جو شعر کے نکتہ سنج اور شعرا کے قدردان تھے، ان کی ترقی میں خاصی مدد دی۔ آگے چل کر مولانا کہتے ہیں کہ مضمون آفرینی میں طرز خاص جلال اسیر، شوکت بخاری، قاسم دیوانہ کا کارنامہ ہے اور ''بیدل اور ناصر علی وغیرہ اسی گرداب کے تیراک ہیں۔'' (شعرالعجم)

اوپر کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانائے موصوف بیدل کی شاعری کے قائل نہ تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیدل کے یہاں اس قدر اشکال و اغلاق ہے کہ کلام کا بڑا حصہ معما بن کر رہ گیا ہے۔ ان کی غزل میں (اور غزل ہی اس عہد کی سب سے مقبول صنف ہے) اور دوسرے اصناف میں تصوف اور فلسفے کے مسائل بڑی نزاکت اور بداعت کے ساتھ نظر آتے ہیں، وہ حقائق کائنات، خصوصاً خودی، زمان و مکان، تجدد امثال، دنیا، عقبٰی حشر، تجرید و تفرید پر ایسے نئے نئے پیرایوں میں بحث کرتے ہیں کہ قاری دنگ رہ جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ بیان کی ندرت، استعارات کی رنگارنگی، جدید تراکیب کی لطافت، بحور کا ترنم ان کے یہاں بدرجۂ کمال ملتا ہے، جس کی مثال دوسروں کے کلام میں کمیاب ہے۔

غالب کی مشکل پسند اور نادرہ کار طبیعت نے اسی رنگ کو شروع شروع میں پسند کیا۔ چناں چہ ان کے ابتدائی کلام میں بیدل کا تتبع نمایاں ہے۔ انھوں نے متعدد جگہ بیدل کو خراج عقیدت پیش کیا ہے مثلاً:

اسد! ہر جا سخن میں طرح باغ تازہ ڈالی ہے مجھے رنگ بہار ایجادی بیدل پسند آیا

گر ملے حضرت بیدل کا خط لوح مزار اسد آئینۂ پرواز معانی مانگے

مطرب دل نے مرے تار نفس سے غالب! ساز پر رشتہ پے نغمہ بیدل باندھا

دل کار گاہ فکر و اسد بینوائے دل یاں سنگ آستانہ بیدل ہے آینہ

لیکن چند سال بعد ہی وہ اس رنگ سے دست بردار ہوگئے۔ تاہم شروع کی فارسی اور اردو غزلیات میں ایسے اشعار کی خاصی تعداد ملتی ہے، جیسے:

بہ شغل انتظار مہوشاں در خلوت شبہا سر تار نظر شد رشتہ تسبیح کوکبہا

کندگر فکر تعمیر خرابی ہاے ما گردوں نیابد خشت مثل استخواں بیروں زقا لبہا

یہ طرز جس کی خصوصیات جدّت ادا، نازک خیالی، مضمون آفرینی، لطافت استعارات اور زور کلام ہیں ہندوستان میں خوب پھلا پھولا اور واقع یہ ہے کہ یہاں کے سلاطین و امرا نے جو شعر کے نکتہ سنج اور شعرا کے قدردان تھے، ان کی ترقی میں خاصی مدد دی۔ آگے چل کر مولانا کہتے ہیں کہ مضمون آفرینی میں طرز خاص جلال اسیر، شوکت بخاری، قاسم دیوانہ کا کارنامہ ہے اور "بیدل اور ناصر علی وغیرہ اسی گرداب کے تیراک ہیں۔" (شعرالعجم)

اوپر کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانائے موصوف بیدل کی شاعری کے قائل نہ تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیدل کے یہاں اس قدر اشکال و اغلاق ہے کہ کلام کا بڑا حصہ معما بن کر رہ گیا ہے۔ ان کی غزل میں (اور غزل ہی اس عہد کی سب سے مقبول صنف ہے) اور دوسرے اصناف میں تصوف اور فلسفے کے مسائل بڑی نزاکت اور بداعت کے ساتھ نظر آتے ہیں، وہ حقائق کائنات، خصوصاً خودی، زمان و مکان، تجدد امثال، دنیا، عقبیٰ حشر، تجرید و تفرید پر ایسے نئے نئے پیرایوں میں بحث کرتے ہیں کہ قاری دنگ رہ جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ بیان کی ندرت، استعارات کی رنگارنگی، جدید تراکیب کی لطافت، بحور کا ترنم ان کے یہاں بدرجۂ کمال ملتا ہے، جس کی مثال دوسروں کے کلام میں کمیاب ہے۔

غالب کی مشکل پسند اور نادرہ کار طبیعت نے اسی رنگ کو شروع شروع میں پسند کیا۔ چناں چہ ان کے ابتدائی کلام میں بیدل کا تتبع نمایاں ہے۔ انھوں نے متعدد جگہ بیدل کو خراج عقیدت پیش کیا ہے مثلاً:

اسد! ہر جا سخن میں طرح باغ تازہ ڈالی ہے — مجھے رنگ بہار ایجادی بیدل پسند آیا
گر ملے حضرت بیدل کا خط لوح مزار — اسد آئینۂ پرواز معانی مانگے
مطرب دل نے مرے تار نفس سے غالب! — ساز پر رشتہ پے نغمہ بیدل باندھا
دل کارگاہ فکر و اسد بینوائے دل — یاں سنگ آستانہ بیدل ہے آئینہ

لیکن چند سال بعد ہی وہ اس رنگ سے دست بردار ہوگئے۔ تاہم شروع کی فارسی اور اردو غزلیات میں ایسے اشعار کی خاصی تعداد ملتی ہے، جیسے:

بہ شغل انتظار مہوشاں در خلوت شبہا — سر تار نظر شد رشتہ تسبیح کوکبہا
کند گر فکر تعمیر خرابی ہائے ما گردوں — نیابد خشت مثل استخواں بیروں ز قالبہا
چناں گرم است بزم از جلوۂ ساقی کہ پنداری — گداز جوہر نظارہ در جام است مستاں را
زلکنت می تپد نبض رگ لعل گہر بارش — شہید انتظار جلوہ خویش است گفتارش
بساطے نیست بزم عشرت قربانی مارا — مگر بافند از تار دم ساطور قصابش
زتار شمع نیز آہنگ ذوق نازمی بالد — بشرط آنکہ سازی از پر پروانہ مضرابش
رفتم از کار و ہماں در فکر صحرا گردیم — جوہر آئینہ زانوست خار پائے من

اس ضمن میں اردو کے یہ چند شعر ملاحظہ ہوں:

جنوں گرم انتظار و نالہ بے تابی کمند آیا — سویدا تا بلب زنجیر سے دود سپند آیا
فضائے خندہ گل تنگ و ذوق عیش بے پروا — فراغت گاہ آغوش وداع دل پسند آیا
مگر ہو مانع دامن کشی ذوق خود آرائی — ہوا ہے نقش بند آئینہ سنگ مزار اپنا
رنگ نے گل سے دم عرض پریشانی بزم — برگ گل ریزۂ مینا کی نشانی مانگے
وحشت شور تماشا ہے کہ جوں نکہت گل — نمک زخم جگر بال فشانی مانگے
شبنم آسا کو، مجال سبحہ گردانی مجھے — ہے شعاع مہر زنار سلیمانی مجھے
بلبل تصویر ہوں بیتاب اظہار تپش — جنبش فال قلم جوش پریشانی مجھے

لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا آخر ان کے ذوق سلیم نے اس طرز سے ابا کیا۔[15] وہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

قبلہ ابتدائے فکر سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔[16]

چناں چہ ایک غزل کا مقطع تھا:

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا گیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہوگیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق یک قلم چاک کیے۔

دس پندرہ شعر واسطے نمونہ دیوان حال میں رہنے دیے

دوسرے خط میں تحریر کرتے ہیں[17]

ناصر علی اور بیدل اور غنیمت، ان کی فارسی کیا۔ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔

کلیات فارسی کے خاتمے پر صاف صاف فرماتے ہیں[☆۱۸]

ہر چند منش کہ یزدانی سروش است، در سر آغاز نیز پسندیدہ گوے وگزیدہ جوے بود۔ اما بیشتر از فراخ روی پے جادہ ناشناساں برداشتے وکثری رفتار آناں رالغزش مستانہ انگاشتے۔ تاہمدراں تگاپوپیش خراماں رانجستگی ارزش ہمقدمی کہ درمن یافتہ مہر بجنبید، و دل از آزرم بدرد آمد۔ اندوہ آوار گیہاے من خوردند آموزگارانہ درمن نگرستند۔ شیخ علی حزیں بہ خندۂ زیرلبی بیرا بہرد یہاے مرادنظرم جلوہ گر ساخت وزہرنگاہ طالب آملی و برق چشم عرفی مادّہ آں ہرزہ جنبش ہاے نارداد پاے رہ پیاے من بسوخت۔ ظہوری بہ سرگرمی گیرائی نفس حرزے بہ بازو وتوشہ برکمرم بست۔ ونظیری لاابالی خرام بہنجار خاصۂ خودم بہ چالش آورد۔[☆۱۹]

یوں تو مرزا غالب نے جو کچھ بھی لکھا ہے اس پر ان کی پرواز تخیل اور ندرتِ بیان کی چھاپ ہے۔ لیکن بقول حالی ان کو چند موضوعات سے خاص مناسبت تھی۔ یعنی تصوف، حب اہل بیت، فخر، شوخی وظرافت، رندی و بیبا کی، بیان رنج ومصیبت، شکایت وزارنالی، اظہار محبت و ہمدردی، حسن طلب۔ ہم ان پر نعت وحبِ رسول ﷺ کا اضافہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں[☆۲۰] کیوں کہ انھوں نے مثنوی وقصیدہ وغزل کی شکل میں اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ یقیناً ان کے سچے جوش طبیعت کا آینہ ہے۔ مرزا نے سلاطین و امرا کی مدح میں بڑی بڑی نکتہ سنجیاں کی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ ان میں نعت کا سچا جذبہ اور خلوص کہاں! ان کا نعتیہ کلام حسن عقیدت اور جدّت تخیل کے امتزاج کا نہایت پاکیزہ اور لطیف نمونہ کہے جانے کا مستحق ہے۔

سب سے پہلے مثنویات کو لیجیے ان میں مثنوی ششم کا عنوان ہے ’’بیان نموداری شان نبوت و ولایت کہ درحقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوہیت است‘‘ ہوا یہ کہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویت الایمان میں لکھ دیا

اس شہنشاہ کی تو شان یہ ہے کہ ایک آن میں حکم کُن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتے، جبریل اور محمد ﷺ کے برابر پید کرڈالے اور ایک دم میں سارا عالم عرش سے

ناصر علی اور بیدل اور غنیمت، ان کی فارسی کیا۔ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔

کلیات فارسی کے خاتمے پر صاف صاف فرماتے ہیں☆[18]

ہر چند منش کہ یزدانی سروش است، در سر آغاز نیز پسندیدہ گوے وگزیدہ جوے بود۔ اما بیشتر از فراخ روی پے جادہ ناشناساں برداشتے وکثری رفتار آناں رالغزش مستانہ انگاشتے۔ تاہمدراں تگاپوپیش خراماں رانجستگی ارزش ہمقدمی کہ درمن یافتہ مہر بجنبید، و دل از آزرم بدرد آمد۔ اندوہ آوار گیہاے من خوردند آموزگارانہ درمن نگرستند۔ شیخ علی حزیں بہ خندۂ زیر لبی بیراہہ رویہاے مرادنظرم جلوہ گر ساخت وزہر نگاہ طالب آملی و برق چشم عرفی مادّہ آں ہرزہ جنبش ہاے نارداد پاے رہ پیماے من بسوخت۔ ظہوری بہ سرگرمی گیرائی نفس حرزے بہ بازو وتوشہ بر کمرم بست۔ ونظیری لاابالی خرام بہنجار خاصۂ خودم بہ چالش آورد۔☆[19]

یوں تو مرزا غالب نے جو کچھ بھی لکھا ہے اس پر ان کی پرواز تخیل اور ندرتِ بیان کی چھاپ ہے۔ لیکن بقول حالی ان کو چند موضوعات سے خاص مناسبت تھی۔ یعنی تصوف، حب اہل بیت، فخر، شوخی وظرافت، رندی و بیباکی، بیان رنج ومصیبت، شکایت وزارنالی، اظہار محبت و ہمدردی، حسن طلب۔ ہم ان پر نعت وحبِ رسول ﷺ کا اضافہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں☆[20]

کیوں کہ انھوں نے مثنوی وقصیدہ وغزل کی شکل میں اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ یقیناً ان کے سچے جوش طبیعت کا آینہ ہے۔ مرزا نے سلاطین وامرا کی مدح میں بڑی بڑی نکتہ سنجیاں کی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ ان میں نعت کا سچا جذبہ اور خلوص کہاں! ان کا نعتیہ کلام حسن عقیدت اور جدّت تخیل کے امتزاج کا نہایت پاکیزہ اور لطیف نمونہ کہے جانے کا مستحق ہے۔

سب سے پہلے مثنویات کو لیجیے ان میں مثنوی ششم کا عنوان ہے ''بیان نموداری شان نبوت و ولایت کہ درحقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوہیت است'' ہوا یہ کہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویت الایمان میں لکھ دیا

اس شہنشاہ کی تو شان یہ ہے کہ ایک آن میں حکم کُن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتے، جبریل اور محمد ﷺ کے برابر پید کر ڈالے اور ایک دم میں سارا عالم عرش سے فرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کردے کہ اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہوجاتی ہے۔

اس پر دوسرے خیال کے علما خصوصاً مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا فضل رسول بدایونی نہایت برافروختہ ہوئے اور بحث ومناظرہ کا دروازہ کھل گیا۔ آخرالذکر حضرات کی دلیل یہ تھی کہ آں حضرت ﷺ کا مثل پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ آپ خاتم النّبیین اور عقلاً خاتم صرف ایک ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے یعنی یہ قدرت الٰہی میں آتا ہی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں جس طرح حق تعالیٰ کا اپنا مثل پیدا کرنا، یا اپنے آپ کو فنا کردینا ذاتی طور پر ممتنع ہے، یہ بھی ممتنع ہے۔ ظاہر ہے کہ عقل دو خاتموں کے وجود کا تصور ہی نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ اس سے معاذاللہ امکان کذب الٰہی لازم آتا ہے جو خود محال ہے۔

ان کے برخلاف مولوی محمد اسماعیل کہتے تھے کہ خاتم النبیین کا مثل ممتنع بالغیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ تحت قدرت تو ہے، مگر چوں کہ آپ کی خاتمیت کے منافی ہے، اس لیے آپ کا مثل پیدا نہیں ہوگا، یا نہیں ہوسکتا۔

چوں کہ مولانا فضل حق سے غالب کے دوستانہ تعلقات تھے۔ انھوں نے فرمایش کی کہ ایک مثنوی لکھو جس میں ندا، استمداد، تبرک بہ آثار صالحین، عرس، فاتحہ وغیرہ کے جواز کے ساتھ عقیدہ امتناع نظیر☆[21] پر خاص زور دیا جائے۔ غالب ایک دوست کی فرمایش کیوں کر ٹال سکتے تھے۔ چناں چہ یہ مثنوی وجود میں آئی۔ چند شعر ملاحظہ ہوں

ندا۔

''یامحمد'' جاں فزاید گفتنش ''یاعلی'' مشکل کشاید گفتنش

استمداد۔

چوں اعانت خواہی ازیزدان پاک ''یامعین الدین'' اگر گوی چہ باک

محفل میلاد۔

در سخن در مولد پیغمبرؐ است بزمگاہ دلکش و جاں پروراست

آثار شریف۔

نکہت موے مبارک جانفزاست بارگ جانش ہمی پیوند ہاست

ہر کرا دل ہست و ایمان نیزہم   چوں نہ ورزد عشق بانقش قدم
کے شنید دردل آں بدگہر   کش دلے ازسنگ باشد سخت تر

عرس وغیرہ۔

عرس وایں شمع و چراغ افروختن   عود در مجمر بہ آتش سوختن
کزپے ترویح روح اولیاست   در حقیقت آں ہم ازبہر خداست

غرض ان مسائل کے بعد اصل مسئلے پر آتے ہیں۔

دیں کہ می گوئی توانا کردگار   چوں محمد دیگرے آرد بکار
باخداوند دو گیتی آفریں   ممتنع نبود ظہورے ایں چنیں
نغزگفتی، نغز ترباید شگفت   آنکہ پنداری کہ ہست اندر نہفت
گرچہ فخر دودہ آدم بود   ہم بقدر خاتمیت کم بود
قدرت حق بیش ازیں ہم بودہ است   ہرچہ اندیشی کم از کم بودہ است
لیک دریک عالم ازروے یقیں   خود نمی گنجد دو ختم المرسلیں
یک جہاں تا ہست، یک خاتم بس است   قدرت حق را نہ یک عالم بست است

خاتم النّبیین کی یکتائی کا اقرار کرتے ہوئے انھوں نے ایک دوسرا پہلو اختیار کیا، اور بتایا کہ اگرچہ خاتمیت دوئی کی متحمل نہیں، تاہم خدا چاہے تو اس پر قادر ہے کہ بہت سے عالم پیدا کردے اور ہر عالم کا ایک جدا خاتم ہو۔ اس طرح انھوں نے اپنے نزدیک دونوں فریقوں میں مفاہمت کی کوشش کی۔

خواہد از ہر ذرّہ آرد عالمے   ہم بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود   رحمتہ للّعالمینے ہم بود

لیکن مولانا فضل حق اس مفاہمت پر راضی نہ ہوئے، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اس سے بھی خاتم کی یکتائی کے عقیدے پر زد پڑتی ہے۔ آخر غالب نے نہایت خوب صورتی سے یہ دکھایا کہ خاتم النّبیین یا ختم المرسلین میں الف لام استغراق کا فائدہ دیتا ہے اور تمام انبیا و مرسلینؑ پر (وہ جس عالم میں بھی ہوں) اس کا اطلاق ہونا ہے۔ نیز آں حضرت ﷺ کی اولیت جو دونوں فریق کو مسلّم ہے عقلاً انقسام پزیر نہیں ہوسکتی۔ اسی کے ساتھ یہ جو کچھ

هر کرا دل هست و ایمان نیز هم چوں نه دزد عشق بانقش قدم
که شنید دردل آں بدگہر کش دلے ازسنگ باشد سخت تر

عرس وغیرہ۔

عرس وایں شمع و چراغ افروختن عود در مجمربہ آتش سوختن
کزپے ترویح روح اولیاست در حقیقت آں ہم ازبہر خداست

غرض ان مسائل کے بعد اصل مسئلے پر آتے ہیں۔

دیں کہ می گویی توانا کردگار چوں محمد دیگرے آرد بکار
باخداوند دو گیتی آفریں ممتنع نبود ظہورے ایں چنیں
نغز گفتی، نغز ترباید شگفت آنکہ پنداری کہ ہست اندر نہفت
گرچہ فخر دودہ آدم بود ہم بقدر خاتمیت کم بود
قدرت حق بیش ازیں ہم بودہ است ہرچہ اندیشی کم از کم بودہ است
لیک دریک عالم ازروے یقیں خود نمی گنجد دو ختم المرسلیں
یک جہاں تاہست، یک خاتم بس است قدرت حق را نہ یک عالم بست است

خاتم النّبیین کی یکتائی کا اقرار کرتے ہوئے انھوں نے ایک دوسرا پہلو اختیار کیا، اور بتایا کہ اگرچہ خاتمیت دوئی کی متحمل نہیں، تاہم خدا چاہے تو اس پر قادر ہے کہ بہت سے عالم پیدا کردے اور ہر عالم کا ایک جدا خاتم ہو۔ اس طرح انھوں نے اپنے نزدیک دونوں فریقوں میں مفاہمت کی کوشش کی۔

خواہد از ہر ذرّہ آرد عالمے ہم بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود رحمتہ للعالمینے ہم بود

لیکن مولانا فضل حق اس مفاہمت پر راضی نہ ہوئے، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اس سے بھی خاتم کی یکتائی کے عقیدے پر زد پڑتی ہے۔ آخر غالب نے نہایت خوب صورتی سے یہ دکھایا کہ خاتم النّبیین یاختم المرسلین میں الف لام استغراق کا فائدہ دیتا ہے اور تمام انبیا و مرسلینؑ پر (وہ جس عالم میں بھی ہوں) اس کا اطلاق ہونا ہے۔ نیز آں حضرت ﷺ کی اولیت جو دونوں فریق کو مسلّم ہے عقلاً انقسام پزیر نہیں ہوسکتی۔ اسی کے ساتھ یہ جو کچھ

حق تعالیٰ نے کیا، اپنے اختیار سے کیا۔ اس میں معاذ اللہ مجبوری کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اس لیے ذات نبوی:

منفرد اندر کمال ذاتی است
لاجرم مثلش محال ذاتی است

چوں کہ اس مثنوی میں فقہی اور کلامی مباحث آگئے ہیں، جن کا آنا ناگزیر تھا۔ اس لیے میں اس شعریت کی کمی ہے اور نعت کا اسلوب ہلکا۔

اس کے برخلاف مثنوی یازدہم جس کا نام ابر گہربار ہے، ان کی تمام مثنویوں میں امتیازی درجہ رکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اوّل ان کا ارادہ اس مثنوی میں غزوات نبوی بیان کرنے کا تھا، مگر زمانے نے فرصت نہ دی اور مثنوی ناتمام رہی۔ اب یہ توحید، مناجات، نعت، بیانِ معراج، منقبت کے عنوانات پر مشتمل ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، اس میں تخیل کی بداعت اور بیان کی لطافت ذروہ کمال تک پہنچ گئی ہے۔

توحید میں وحدت کی ترانہ سنجی اور مناجات میں حق سبحانہ سے رندانہ شوخی کے بعد وہ نعت اور بیان معراج کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور بڑے نفیس و نادر پیرایے اختیار کیے ہیں۔ ہم ان میں سے دو عنوانات سے یہاں بحث کریں گے۔ اوّل تمہیداً قلم سے خطاب ہے، جس کا پیرایہ شاعرانہ تخیل کا بڑا دلکش نمونہ ہے۔ پھر نعت شروع کرتے ہیں:

محمد کز آینہ روے دوست
جزنیش ندانست دانا کہ اوست

یعنی رسول مقبول کی یہ شان ہے کہ آپ کی ذات کے بارے میں جو حق تعالیٰ کا مظہر اتم و اکمل ہے، عارفوں نے زیادہ سے زیادہ بس اس قدر جانا کہ آپ ہیں، مگر آپ کی حقیقت کیا ہے، یہ کوئی نہ جان سکا۔

زراز نہاں پردہ برزدہ
ز ذات خدا معجزے سرزدہ

آپ ہی نے راز وحدت کا پردہ اُٹھایا۔ دراصل آپ کی ذات ایک معجزہ تھی جو خود خدا سے صادر ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ شق القمر، نطق حجر، مشی شجر اور بہت سے معجزے آپ سے سرزد

ہوئے، مگر آپ خود ایک معجزہ تھے، جو حضرت حق سے سرزد ہوا۔ اسی لیے مولانائے روم نے فرمایا:

دردل ہر کس کہ از ایماں مزہ ست
روے و آواز پیمبر معجزہ ست

مشہور ہے کہ کسی صحبت میں جہاں علامہ اقبال بھی تشریف رکھتے تھے صفات باری پر بحث ہو رہی تھی۔

معراج ۲۷/ رجب ۱۲/بعثت نبوی کو ہوئی تھی۔ **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا** ۔ اور تاریخ مذکور کو آسمان پر چاند نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمارے شعرا نے اس ''نورانی'' رات کے تاریک ہونے کی بڑی نادر توجیہیں کی ہیں۔ مرزا غالب کا شبدیز قلم بھی اس تگ و دو میں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ فرماتے ہیں:

ہمانا در اندیشۂ روزگار شبے بود سرجوش لیل و نہار
شبے دیدہ روشن کن دل فروز زاجزاے خود سرمۂ چشم روز

وہ رات دیدہ و دل کو روشن کرنے والی تھی۔ اس لیے اگر اس کو دن کی آنکھوں کا سرمہ کہا جائے تو بے جا نہیں۔ آگے چل کر کہتے ہیں کہ وہ رات عید کی برکات کی فہرست تھی، جس پر اس قدر مدیں کھینچی تھیں کہ سفیدی نظر سے چھپ گئی تھی۔ ایسی راتیں ہر روز نہیں آتیں۔ ایک ہی دن تھا جس کو قسمت سے یہ رات ملی تھی۔ جب دن ڈوب گیا تو لیلائے شب نے رسم عرب کے مطابق اپنا محمل سجایا۔ سیاہ ریشمی برقع سے اس کا چہرہ یوں جلوہ گر تھا، جیسے پتلی سے نور نظر۔ وہ ایک ماہوش دلبر تھی سج کے زیوروں میں آفتاب کی حیثیت محض ایک گوہر کی تھی۔ اگر زیور میں سے ایک گوہر کم ہوجائے تو اس سے اس دلبر کے حسن میں کیا فرق آئے۔ اس کی تابش کا یہ حال تھا کہ عجب نہ تھا کہ چشم کور اہل قبور کا حال دیکھ لے، یا مخلوق خط سرنوشت پڑھ لے، اس روز سے اگر رخسار کی تشبیہ شب سے دینے کا دستور پڑجاتا، تو بعید نہ تھا (غرض اسی طرح ۲۹/ اشعار میں نئی نئی تشبیات اور توجیہات پیش کرتے چلے گئے ہیں) یہی کیفیت تھی کہ پیش گاہ ایزدی سے حضرت جبریلؑ حاضر ہوئے اور معراج کی نوید لائے۔

ہوئے، مگر آپ خود ایک معجزہ تھے، جو حضرت حق سے سرزد ہوا۔ اسی لیے مولانائے روم نے فرمایا:

دردل ہر کس کہ از ایماں مزہ ست

روے و آواز پیمبر معجزہ ست

مشہور ہے کہ کسی صحبت میں جہاں علامہ اقبال بھی تشریف رکھتے تھے صفات باری پر بحث ہو رہی تھی۔

معراج ۲۷/ رجب ۱۲/بعثت نبوی کو ہوئی تھی۔ **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا** ۔ اور تاریخ مذکور کو آسمان پر چاند نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمارے شعرا نے اس ''نورانی'' رات کے تاریک ہونے کی بڑی نادر توجیہیں کی ہیں۔ مرزا غالب کا شبدیز قلم بھی اس تگ و دو میں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ فرماتے ہیں:

ہمانا در اندیشۂ روزگار — شبے بود سرجوش لیل و نہار

شبے دیدہ روشن کن دل فروز — زاجزاے خود سرمۂ چشم روز

وہ رات دیدہ و دل کو روشن کرنے والی تھی۔ اس لیے اگر اس کو دن کی آنکھوں کا سرمہ کہا جائے تو بے جا نہیں۔ آگے چل کر کہتے ہیں کہ وہ رات عید کی برکات کی فہرست تھی، جس پر اس قدر مدیں کھینچی تھیں کہ سفیدی نظر سے چھپ گئی تھی۔ ایسی راتیں ہر روز نہیں آتیں۔ ایک ہی دن تھا جس کو قسمت سے یہ رات ملی تھی۔ جب دن ڈوب گیا تو لیلائے شب نے رسم عرب کے مطابق اپنا محمل سجایا۔ سیاہ ریشمی برقع سے اس کا چہرہ یوں جلوہ گر تھا، جیسے پتلی سے نور نظر۔ وہ ایک ماہوش دلبر تھی سج کے زیوروں میں آفتاب کی حیثیت محض ایک گوہر کی تھی۔ اگر زیور میں سے ایک گوہر کم ہو جائے تو اس سے اس دلبر کے حسن میں کیا فرق آئے۔ اس کی تابش کا یہ حال تھا کہ عجب نہ تھا کہ چشم کور اہل قبور کا حال دیکھ لے، یا مخلوق خط سرنوشت پڑھ لے، اس روز سے اگر رخسار کی تشبیہ شب سے دینے کا دستور پڑ جاتا، تو بعید نہ تھا (غرض اسی طرح ۲۹/ اشعار میں نئی نئی تشبیہات اور توجیہات پیش کرتے چلے گئے ہیں) یہی کیفیت تھی کہ پیش گاہ ایزدی سے حضرت جبریلؑ حاضر ہوئے اور معراج کی نوید لائے۔

شعرا کا دستور ہے کہ جب شوخی پر آتے ہیں تو انبیا اور ملائکہ جیسی مقدس ہستیوں پر بھی طعن کر جاتے ہیں۔ غالب بھی مستثنیات میں نہیں، لیکن یہ ادب کا محل تھا۔ کہتے ہیں:

تمنائے دیرینہ کردگار

بوے ایزداز خویش امیدوار

خیال نازک بھی ہے اور مزلتہ الاقدام بھی۔ تشریح نگار کو ڈر ہے کہ مبادا قدم پھسلے اور وہ سوئے ادب کی دلدل میں جا گرے۔ بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ پاک ﷺ کی ذات خالق کی دیرینہ آرزو تھی۔ گویا اس کو اپنی ذات سے جو امیدیں وابستہ تھیں۔ ان کا تحقق آں حضرت ﷺ کے وجود سے عمل میں آیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جس طرح حسن آینہ جو، اور تماشا طلب ہوتا ہے، حسن مطلق بھی اپنی جلوہ گری کی دید کے واسطے ایک آئینے کا مقتضی تھا اور وہ ''روشن آئینہ ایزدی'' ذات محمدی ﷺ کے سوا اور نہیں۔ ہماری ناقص رائے میں یہ نادر تخیل اس انوکھے اسلوب کے ساتھ دوسرے شعرا کے یہاں ملنا مشکل ہے۔

تن از نور پالودہ سرچشمۂ

ولے ہمچو مہتاب درچشمۂ

تن اطہر نور کا مصفا سرچشمہ ہے، جس کی مثال چاند کے عکس کی ہے جو چشمے میں نظر آئے یعنی کثیف میں رہتے ہوئے بھی کثافتوں سے دور اور لطافتوں سے معمور، جیسے چاند پانی میں رہ کر پانی سے تر نہیں ہوتا۔

بود در دنیا واز دنیا نبود

اس کے بعد فرماتے ہیں:

بہ رفتار صحرا گلستاں کنے — بہ گفتار کافر مسلماں کنے

بدنیا زدیں روشنائی دہے — بعقبیٰ ز آتش رہائی دہے

بخوے خوش اندوہ کاہ ہمہ — بہ آمرزش اُمید گاہ ہمہ

لب نازنینش گزارش پزیر — جہاں آفرینش سپارش پذیر

خمے قبلۂ آدمی زادگاں — نظر گاہ پیشین فرستاد گاں

کسائی دہ نسل آدم بخویش — روائی دہ نقد عالم بخویش

بلندی دہ کعبہ بالائے او | گرامی کن سجدہ سیمائے او
یمن روشن از پر توروے او | ختن بستۂ چین گیسوے او
زخونے کہ در کر بلاشد سبیل | ادا کرد وام زمان خلیلؑ

یعنی کربلا میں آپ کے پیاروں کا جو خون بہایا گیا، وہ دراصل اس قرض کی ادائی تھی، جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے واجب الادا تھا۔ آگے چل کر کہتے ہیں:

بہ معراج رایت بگردوں برے
بدیں شبروان برشبخون برے

معراج میں جو شرف آپ کو عطا ہوا، اس سے آپ کی رفعت کا علم آسمان تک پہنچ گیا اور مدعیان باطل کو کامل ہزیمت نصیب ہوئی۔

معراج کا نام آنا تھا کہ شاعر کی فکر بلند جوش نشاط میں آسمان کے تارے توڑ لائی۔ ہوا یہ کہ:

سخن تادم از ذکر معراج زد
بہ من چشمک خواہش تاج زد

سخن نے (یہاں ''تجسیم'' کے طور پر سخن کو انسان فرض کیا ہے) معراج نبوی کا بیان کرتے وقت مجھ سے اشارۂ خواہش کی کہ آج تو اس مبارک تقریب کی خوشی میں میرے لیے ایک تاج ضرور ہے، شاید اس نے مجھے نادار سمجھ کر رسوا کرنا چاہا ہو، مگر میں نے اس کی فرمائش کو ٹالنا مناسب نہ سمجھا۔ چناں چہ میں نے طے کرلیا کہ منزل قمر سے خانہ مشتری تک چھان ڈالوں، آفتاب کی کرنیں اور ستاروں کے ریزے چنوں، شب معراج (جس کی آج تعریف لکھنا ہے) کی نچھاور بٹور کر آسمان سے زمین پر لاؤں اور ان موتیوں اور جواہرات کا تاج بناؤں اور سخن کے حوالے کروں، تاکہ اس کا سر بلندی میں آسمان سے باتیں کرے۔ اب یہاں سے معراج کا بیان شروع ہوتا ہے:

مہین پردہ دار در کبریا | کشایندہ پردہ بر انبیا
ہمایوں ہمائے پیام آورے | بہ آوردن نامہ نام آورے
روان و خرد راروانی بدو | نبیؐ را دم رازدانی بدو
امینے نخستین خرد نام او | زسر جوش نور حق آشام او

بلندی دہ کعبہ بالائے او   گرامی کن سجدہ سیمائے او
یمن روشن از پر توروے او   ختن بستۂ چین گیسوے او
زخونے کہ در کر بلاشد سبیل   ادا کرد وام زمان خلیلؑ

یعنی کربلا میں آپ کے پیاروں کا جو خون بہایا گیا، وہ دراصل اس قرض کی ادائی تھی، جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے واجب الادا تھا۔ آگے چل کر کہتے ہیں:

بہ معراج رایت بگردوں برے
بدیں شبروان برشبخون برے

معراج میں جو شرف آپ کو عطا ہوا، اس سے آپ کی رفعت کا علم آسمان تک پہنچ گیا اور مدعیان باطل کو کامل ہزیمت نصیب ہوئی۔

معراج کا نام آنا تھا کہ شاعر کی فکر بلند جوش نشاط میں آسمان کے تارے توڑ لائی۔ ہوا یہ کہ:

سخن تادم از ذکر معراج زد
بہ من چشمک خواہش تاج زد

سخن نے (یہاں "تجسیم" کے طور پر سخن کو انسان فرض کیا ہے) معراج نبوی کا بیان کرتے وقت مجھ سے اشارۂ خواہش کی کہ آج تو اس مبارک تقریب کی خوشی میں میرے لیے ایک تاج ضرور ہے، شاید اس نے مجھے نادار سمجھ کر رسوا کرنا چاہا ہو، مگر میں نے اس کی فرمائش کو ٹالنا مناسب نہ سمجھا۔ چناں چہ میں نے طے کرلیا کہ منزل قمر سے خانہ مشتری تک چھان ڈالوں، آفتاب کی کرنیں اور ستاروں کے ریزے چنوں، شب معراج (جس کی آج تعریف لکھنا ہے) کی نچھاور بٹور کر آسمان سے زمین پر لاؤں اور ان موتیوں اور جواہرات کا تاج بناؤں اور سخن کے حوالے کروں، تاکہ اس کا سربلندی میں آسمان سے باتیں کرے۔ اب یہاں سے معراج کا بیان شروع ہوتا ہے:

مہین پردہ دار در کبریا   کشایندہ پردہ بر انبیا
ہمایوں ہمائے پیام آورے   بہ آوردن نامہ نام آورے
روان و خرد راروانی بدو   نبیؐ را دم رازدانی بدو
امینے نخستین خرد نام او   زسر جوش نور حق آشام او

فروزاں بہ فرّ فروغ یقین   چناں کز محمد دل ازوے جبین

نوید کا مضمون سننے کے قابل ہے۔ حضرت جبریلؑ اس طرح عرض کرتے ہیں:

خداوند گیتی خریدار تست
شب است ایں، ولے روز بازار تست

روز بازار پینٹھ کے دن کو کہتے ہیں جب کہ گاؤں میں بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ مجازاً گرم بازاری، رونق۔ یعنی چلیے، خدائے پاک آپ کا خریدار (طالب) ہے۔ اگرچہ اس وقت ہر طرف رات کی ظلمت ہے، مگر یہی آپ کے کمال عروج کی ساعت ہے۔ شعر کے زور اور آمد کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ مصرع ثانی میں تو ضرب المثل بننے کی صلاحیت ہے۔

چنیں لنگر ناز سنگیں چرا   نہ طور، اظہار تمکیں چرا
کساں جلوہ برطورگر دیدہ اند   زراہ تو آں سنگ برچیدہ اند

یہ درست کہ دوسروں (مراد حضرت موسیٰؑ) نے طور پر تجلی الٰہی دیکھی تھی، مگر آپ کی راہ سے ایسے روڑے (مراد طور) دور کردیے گئے ہیں۔

بدور تو شد لن ترانی کہن   فصاحت مکرر نہ سنجد سخن
ترا خواستاراست یزدان پاک   ہر آینہ از لن ترانی چہ باک

آپ کے دور میں لن ترانی کی رسم پرانی ہوگئی۔ کیوں کہ فصاحت تکرار کلام کو پسند نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ جب خود خدا نے آپ کو بلانا ہے، تو لن ترانی کا کیا اندیشہ ہے۔

آگے دو شعروں میں شاعر نے عجیب بات عجیب پیرایے میں کہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انتقال ذہن حیرت انگیز ہے:

نگویم کہ یزداں ترا عاشق است   ولے زاں طرف جذبۂ صادق است
جہان آفریں را خور و خواب نیست   تو فارغ بہ بستر چہ خسپی، بایست

شعرا اکثر اس قسم کے مضامین باندھے آتے ہیں کہ (عاشق ہے خدا بھی رسول مدنی پر) مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ عشق جس کو اطبا نوع من الجنون کہتے ہیں، اس کی نسبت اس ذات اقدس کی طرف اگر کفر نہیں، تو جہالت ضرور ہے۔ غالب کی سلامت طبع کی داد دیجیے کہ وہ عشق کے ذکر سے تحاشی کرتے ہوئے صرف اتنا کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی جانب سے طلب

جذبہ صادق پر مبنی ہے (اس میں شک کیا ہے)۔ پھر کہتے ہیں کہ (خداے پاک نہ سوتا ہے، نہ کھاتا ہے) آپ اطمینان سے کیا سو رہے ہیں۔ اُٹھیے آپ کو بلاتا ہے۔ آخری جملہ یعنی وہ نہ سوتا ہے، نہ کھاتا ہے، بظاہر سوءِ ادب پر دال ہے، لیکن حضرت حق تعالیٰ شانہ کے بارے میں حقیقت نفس الامری سے متجاوز نہیں۔ جب کہ **هو يطعم ولا يطعم**[☆۲۲]
نیز **لاتاخذه سنة ولا نوم** خود اُس[☆۲۳] کا ارشاد ہے۔ اس مژدۂ جانفزا کے بعد فرستادۂ ایزدی نے آپ کی سواری کے لیے براق کی پیش کش کی۔ چند شعر براق کے وصف میں بھی ملاحظہ فرمایئے اور شاعر کی لطافت و بداعت کو سراہیے:

به ہمچشمی ہور ساغر سے ... به ہمدوشی حور گیسو دُمے
سبک خیزیش خندہ زن برنسیم ... کہ درجنبش انگیزد از گل شمیم
ہم از باد صبح سبک خیز تر ... ہم از نکہت گل دل آویز تر
براق از قدم خار در راہ سوخت ... پیمبر بہ دم ماسوی اللہ سوخت

براق کی گرم خرامی کا یہ حال تھا کہ راہ کے کانٹے جل گئے اور آں حضرت ﷺ کے انفاس کی حرارت کی یہ کیفیت تھی کہ ماسوااللہ کی ہستی تحلیل ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد مختلف آسمانوں کی سیر، ہر آسمان کے سیاروں کا نظارہ، سیاروں کی انفرادی خصوصیات کا فلک ثوابت پر بروج کا منظر اور آخر میں فلک الافلاک (عرش) کا بیان، طلسمات کا سا محیرّ العقول سماں پیش کرتا ہے۔ تفصیل میں طوالت کا خوف ہے جستہ جستہ چند اشعار سن لیجیے۔
جب حضور کی سواری فلک دوم پر پہنچی جو عطارد (منشی فلک) کا مسکن ہے تو وہ (عطارد) غالب کی شکل میں جلوہ گر ہو کر مدح سرا ہوا۔ گویا جو نعت عطارد کی زبان سے ہے، وہ دراصل خود غالب کی طرف سے نذر عقیدت ہے کیوں کہ غالب اور منشی فلک ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں:

کہ اے ذرۂ گرد راہ تو من ... زخود رفتہ جلوہ گاہ تو من
نظر محو حسن خدا داد تو ... ستم کشتۂ غمزۂ واد تو
خراج تو بر گنج گلشائیاں ... نثار تو پارنج مشائیاں
جہان آفرین را گرایش بتو ... گنہ بخشی اش رانمایش بتو

جذبہ صادق پر مبنی ہے (اس میں شک کیا ہے)۔ پھر کہتے ہیں کہ (خداے پاک نہ سوتا ہے، نہ کھاتا ہے) آپ اطمینان سے کیا سو رہے ہیں۔ اُٹھیے آپ کو بلاتا ہے۔ آخری جملہ یعنی وہ نہ سوتا ہے، نہ کھاتا ہے، بظاہر سوءِ ادب پر دال ہے، لیکن حضرت حق تعالیٰ شانہ کے بارے میں حقیقت نفس الامری سے متجاوز نہیں۔ جب کہ **هو يعطم ولا يطعم** ۔☆[22] نیز **لا تاخذه سنة ولا نوم** خود اس☆[23] کا ارشاد ہے۔ اس مژدۂ جانفزا کے بعد فرستادۂ ایزدی نے آپ کی سواری کے لیے براق کی پیش کش کی۔ چند شعر براق کے وصف میں بھی ملاحظہ فرمائیے اور شاعر کی لطافت و بداعت کو سراہیے:

به همچشمی هور ساغر سمے — به همدوشی حور گیسو دُمے
سبک خیزیش خنده زن بر نسیم — که در جنبش انگیز د از گل شمیم
هم از باد صبح سبک خیز تر — هم از نکهت گل دل آویز تر
براق از قدم خار در راه سوخت — پیمبر به دم ماسوی الله سوخت

براق کی گرم خرامی کا یہ حال تھا کہ راہ کے کانٹے جل گئے اور آں حضرت ﷺ کے انفاس کی حرارت کی یہ کیفیت تھی کہ ماسواللہ کی ہستی تحلیل ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد مختلف آسمانوں کی سیر، ہر آسمان کے سیاروں کا نظارہ، سیاروں کی انفرادی خصوصیات کا فلک ثوابت پر بروج کا منظر اور آخر میں فلک الافلاک (عرش) کا بیان، طلسمات کا سا محیرّ العقول سماں پیش کرتا ہے۔ تفصیل میں طوالت کا خوف ہے جستہ جستہ چند اشعار سن لیجیے۔

جب حضور کی سواری فلک دوم پر پہنچی جو عطارد (منشی فلک) کا مسکن ہے تو وہ (عطارد) غالب کی شکل میں جلوہ گر ہو کر مدح سرا ہوا۔ گویا جو نعت عطارد کی زبان سے ہے، وہ دراصل خود غالب کی طرف سے نذر عقیدت ہے کیوں کہ غالب اور منشی فلک ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں:

که اے ذرۂ گرد راه تو من — زخود رفته جلوه گاه تو من
نظر محو حسن خدا داد تو — ستم کشتۂ غمزۂ واد تو
خراج تو بر گنج گلشائیاں — نثار تو پارنج مشائیاں
جهان آفرین را گرایش بتو — گنه بخشی اش رانمایش بتو

سر من که برخط فرمان تست — نجاتش ز دوراں بدوران تست
دریں ره ستایش نگار توام — به بخشایش امیدوار تو ام

آخری مرحلہ عرش معلّٰی کا تھا جس کے وصف میں شاعر بلند پرواز یوں زمزمہ سنج ہے:

زہے نامور پایۂ سرفراز — سرا پردۂ خلوتستان راز
سرشتۂ نازش چون و چند — به پیوند هستی بداں پایه بند

یہ وہ مقام ہے جس کی عظمت کے روبرو کیفیت دونوں سپر انداختہ نظر آتی ہیں:

بود گرچه برتر ز افلاکیاں — دلے لرزد از نالۂ خاکیاں
دل بینوالے گر آید بدرد — شیند بداں پایۂ پاک گرد
صداے شکست کمر گاه مور — در بینجاست ہیچ و دراں پرده شور

اگرچہ عرش الٰہی رتبے میں ملائکہ مقربین سے بھی بلند ہے مگر ادھر کسی خاکی (انسان) نے فریاد کی، ادھر وہ کانپ اُٹھا۔ یہاں کسی غریب کا دل دکھا، وہاں اس کی فضا گرد آلود ہو گئی۔ چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کیا اور اس کی پامالی کیا، زمین پر کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی لیکن عرش اعظم پر اس سے ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔

عرش سے بھی آگے وہ سالک منازل قرب بڑھتا ہے اور وہاں پہنچتا ہے، جہاں سے جہت و مقام، زمان و مکان پیچھے رہ جاتے ہیں:

به الّا رسید و زلا درگزشت
رسیدن ز پیوند جادرگزشت

یہی وہ منزل ہے جہاں ایک طرف شاعر کا ناطقہ بند اور دوسری طرف شارح اپنی نارسائی کا گلہ مند۔ خود زبان سرمدی نے اس موقع پر اپنے موجز و معجز انداز میں کہا تو اس قدر کہا: **فاوحیٰ الیٰ عبده ما اوحیٰ** ۔ یعنی مالک نے اپنے بندے کو وہ راز بتائے جو بتانا تھے۔

مثنویات کے بعد نعتیہ قصائد کا جائزہ لیجیے۔ نعت شریف میں غالب کے یہاں صرف ڈھائی قصیدے ملتے ہیں۔ دو خالصتاً نعت میں اور ایک نعت و منقبت میں مشترک۔ ان کے قصائد کو پڑھ کر ہر شخص اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ان میں قصیدے کے تمام لوازم بدرجہ احسن موجود

ہیں۔تشبیب کا زور، گریز کا لطف، مدح کا جوش اورحسن طلب کا ہوش اور اس لحاظ سے یہ قصائد دربار اکبری کے شعرا کے قصائد سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کا حسن عقیدت اور زور طبیعت قدم قدم پر نمایاں ہیں۔ پہلے قصیدے کی تمہید میں اپنے مصائب کا ذکر کرنے کے بعد حاسد پر طعن کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آندھی جو غبار راہ کو اُٹھائے پھرتی ہے، اپنے ہی ہنگاموں میں گرفتار ہوتی ہے نادان سمجھتے ہیں کہ اسے غبار سے کدورت ہے۔ اسی طرح میں اپنے ہی حال میں مبتلا ہوں۔ حاسد ناحق میرا شکوہ گزار ہے۔ وہ لاکھ میرا ہم فن سہی مگر میں نے اپنی شاعری کی بدولت ننگ ہم فنی کا داغ دھو دیا ہے۔ البتہ اس کو میری شہرت کمال سے جو دُکھ پہنچا، اس کا قدرت کی طرف سے مجھے یہ بدلا ملا کہ دنیا کے سامنے عرض ہنر کرتا ہوں جو میرے لیے سزا سے کم نہیں ہے۔

چو بادتند کہ مہنگامہ سخ خویشتن است — ستیزہ بودش باغبار پنداری
ملال خاطر حاسد زمن بداں ماند — کہ گرد رہ بہ ہوا پیچد باز سبکساری
چہ ننگ اگر سخن ہمفن است چون سخن — زدودہ ام زورق داغ ننگ ہمکاری
مرا کہ عرض ہنر دوزخ پیشمانی ست — ہمیں بس است مکافات حاسد آزاری

اس کے بعد نہ صرف معاصرین بلکہ اسلاف پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

شد آنکہ ہمقدماں راز من غبارے بود — زرفتگاں بگزشتم بہ تیز رفتاری
مسخ شوکت عرفی کہ بود شیرازی — مشواسیر زلالی کہ بود خو انساری
بہ سومنات خیالم در آئے، تابینی — رواں فروز برد دوشہاے زناری
بساط روے زمیں کار گاہ ارژنگی — بتان دیرنشیں شاہدان فرخاری

یعنی میری متخیّلہ سومنات کے مندر سے مشابہ ہے، جس میں برہمنوں کے بردوش پر بتوں کی حسین مورتیاں (مرادخوب صورت خیالات) سجی ہوئی ہیں، جن کے جلوے سے روح منور ہوجاتی ہے۔

یہاں سے گریز شروع ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میری سانس سے دوزخ بھڑکتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ دشمنان نبی ﷺ کو جلاؤ اور میرے پیرہن سے جنت کی مہک آتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے حضور ﷺ کی مداحی کا شرف میسر ہے۔

ہیں۔تشبیب کا زور، گریز کا لطف، مدح کا جوش اور حسن طلب کا ہوش اور اس لحاظ سے یہ قصائد دربار اکبری کے شعرا کے قصائد سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کا حسن عقیدت اور زور طبیعت قدم قدم پر نمایاں ہیں۔ پہلے قصیدے کی تمہید میں اپنے مصائب کا ذکر کرنے کے بعد حاسد پر طعن کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آندھی جو غبار راہ کو اُٹھائے پھرتی ہے، اپنے ہی ہنگاموں میں گرفتار ہوتی ہے نادان سمجھتے ہیں کہ اسے غبار سے کدورت ہے۔ اسی طرح میں اپنے ہی حال میں مبتلا ہوں۔ حاسد ناحق میرا شکوہ گزار ہے۔ وہ لاکھ میرا ہم فن سہی مگر میں نے اپنی شاعری کی بدولت ننگ ہم فنی کا داغ دھو دیا ہے۔ البتہ اس کو میری شہرت کمال سے جو دُکھ پہنچا، اس کا قدرت کی طرف سے مجھے یہ بدلا ملا کہ دنیا کے سامنے عرض ہنر کرتا ہوں جو میرے لیے سزا سے کم نہیں ہے۔

چو بادتند کہ مہنگامہ سخ خویشتن است ستیزہ بودش باغبار پنداری
ملال خاطر حاسد زمن بداں ماند کہ گرد رہ بہ ہوا پیچد باز سبکساری
چہ ننگ اگر سخن ہمفن است چون سخن زدودہ ام زورق داغ ننگ ہمکاری
مرا کہ عرض ہنر دوزخ پیشمانی ست ہمیں بس است مکافات حاسد آزاری

اس کے بعد نہ صرف معاصرین بلکہ اسلاف پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

شد آنکہ ہمقدماں راز من غبارے بود زرفتگاں بگزشتم بہ تیز رفتاری
مسنج شوکت عرفی کہ بود شیرازی مشواسیر زلالی کہ بود خو انساری
بہ سومنات خیالم در آئے، تابینی رواں فروز برد دوشہاے زنّاری
بساط روے زمیں کار گاہ ارژنگی بتان دیرنشیں شاہدان فرخاری

یعنی میری متخیّلہ سومنات کے مندر سے مشابہ ہے، جس میں برہمنوں کے برودوش پر بتوں کی حسین مورتیاں (مراد خوب صورت خیالات) سجی ہوئی ہیں، جن کے جلوے سے روح منور ہوجاتی ہے۔

یہاں سے گریز شروع ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میری سانس سے دوزخ بھڑکتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ دشمنان نبی ﷺ کو جلاؤ اور میرے پیرہن سے جنت کی مہک آتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے حضور ﷺ کی مداحی کا شرف میسر ہے۔

شہنشہے کہ دبیران دفتر جاہش بہ جبرئیلؑ نویسند عزت آثاری
عدوکشے کہ زچاک کنار توقیعش دویدہ تا دل خسرو جراحت کاری

آپ کے دفتر جاہ کے منشی حضرت جبریلؑ کو خط لکھتے ہیں تو القاب میں ''عزت آثار'' تحریر کرتے ہیں۔ (قاعدہ تھا کہ سلاطین کی طرف سے امرا کو فرامین میں ''عزت آثار'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے)۔ آپ سے عداوت رکھنا مخالف کی ہلاکت کا سبب ہے۔ دیکھو ادھر خسرو پرویز نے آپ کا نامہ مبارک چاک کیا، ادھر اس کے فرزند شیرویہ نے اس کا شکم چاک کر کے قصہ پاک کیا۔ پھر وہ وحدت الوجود کی سرمستی چھا جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو حق تعالیٰ سے جدا نہ سمجھنا چاہیے۔

چناں بود کہ بہ بیند بخواب کس خودرا
از و مشاہدۂ حق بعین بیداری

یکایک خیال آتا ہے کہ یہ بے راہ روی کب تک! اب شروع کا سہرا لیتا اور قاعدے سے داد مدح کرتا ہوں۔ کعبہ آپ کی بساط عزت بننے والا تھا۔ جب ہی تو خالق عالم نے اس کا نگران اور جناب خلیلؑ نے اس کا معمار بننا قبول کیا۔

سخن یکے ست ولے درنظرز سرعت سیر
کند چو شعلۂ جوّالہ نقطہ پرکاری

آپ کی نعت کی بات ایک ہے مگر سب نے اپنی بساط کے مطابق نئے نئے پیرایے اختیار کیے ہیں جیسے شعلۂ جوّالہ ایک نقطہ ہوتا ہے مگر گھمانے سے دائرہ بن جاتا ہے۔ آخر میں پھر مخالفوں کے جور وستم کی شکایت ہے۔ یہ شکایت رسمی و روایتی نہیں معلوم ہوتی۔ انداز صاف بتا رہا ہے کہ واقعی اور حقیقی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان ظالموں نے ڈول اور رسّی کو تو کنویں میں چھوڑ دیا اور کنویں کی من پر میرا سبو توڑ دیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ میری تدبیر کے تیر سے وہ محفوظ ہیں اور میں الٹا مجروح۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر نے تیر کے پیکان کو سوفا کی خاصیت بخش دی ہے۔ دوسرا قصیدہ جو شکوہ و زور میں پہلے سے بڑھا ہوا ہے سنّت الشعرا کے مطابق فخر و تعلّی سے شروع کیا ہے۔ تعلّی کے بعد بڑی خوبی سے اپنے ایام عیش رفتہ کو یاد کرتے ہیں۔ روانیٔ کلام، شوکت بیان، الفاظ کا تقابل، مصرعوں کا توازن دیدنی ہے:

پیمانہ را بہ نرخ چمن دادمے بہار آینہ را بموج شفق بستمے نگار
شوقم جریدۂ رقم آرزوے بوس ذوقم قلمرد ہوس مژدۂ کنار
از چشم و دل نہاد مرا بود تاج و تخت از رنگ و بو بساط مرا بود پود وتار
وقت مرا روانی کوثر در آہستین بزم مرا طراوت فردوس درکنار
ہموارہ ذوق ومستی و لہو و سرور و سور پیوستہ شعر و شاہد و شمع و مے و قمار
اب دوسرا رخ بھی دیکھیے۔ یعنی عسرت بعد عشرت اور حور بعد الکور۔
اکنوں منم کہ رنگ برویم نمی رسد تارخ بخون دیدہ نشویم ہزار بار
نقشم بنامہ نیست بجز سرنوشت داغ تام بجامہ نیست بغیر از تن نزار
پایم بگل زحسرت کشت کنار جوے خارم بہ دل زیاد ہما آہنگی ہزار
خوکردنم بہ وحشت شبہاے بیکسی برداز ضمیر دہشت تاریکی مزار
ہم تن زضعف وقف شکن ہائے بیحساب ہم دل زرنج داغ الم ہاے بیشار
آگے والے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ یہ قصیدہ دہلی کی جدائی اور سفر کلکتہ کی یادگار ہے۔
پیمودہ ام دریں سفر از پیچ وتاب عجز درہر قدم ہزار بیابان و کوہسار
داغے بدل زفرقت دہلی نہادہ ام کش غوطہ دادہ ام بہ جہنم ہزار بار
بخت از سواد کشور بنگالہ طرح کرد برخویش رخت ماتم ہجران آن دیار
یعنی دہلی کے فراز میں میری قسمت نے سواد[۲۴] بنگالہ کی بدولت ماتمی لباس پہن رکھا ہے۔
گریز۔ آیا بود کہ از اثر اتفاق بخت دیوانہ را بوادی یثرب فتد گزار
مدح۔ ہم مزد سعی بخشم و ہم مژدہ سکوں از بوسہ پاے خویش کنم بردرش فگار
میرے پاؤں جو راہ مدینہ میں چلے ہیں، ان کو سعی کا انعام اور سکون کا مژدہ دیتے ہوئے میں اس قدر چوموں کہ زخمی ہوجائیں۔ یہاں غالب نے نام پاک (احمد) سے ایک نکتہ نکالا ہے۔ کہتے ہیں کہ احمد سے اگر میم جو معبود اور عبد میں حجاب ہے، نکال دیں تو احد رہ جائے۔ اسم اقدس احد میں الف اللہ کا ہے اور ح+د جن کے اعداد ۸+۴=۱۲ ہوتے ہیں ائمہ اہل بیت کی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضرات ائمہ کا ظہور احمد سے ہے اور ان سب پر اللہ کا سایہ ہے:

پیمانہ رابہ نرخ چمن دادمے بہار — آینہ را بموج شفق بستمے نگار
شوقم جریدۂ رقم آرزوے بوس — ذوقم قلمرد ہوس مژدۂ کنار
از چشم و دل نہاد مرا بود تاج و تخت — ازرنگ و بو بساط مرا بود پود وتار
وقت مرا روانی کوثر در آہستین — بزم مرا طراوت فردوس درکنار
ہمواره ذوق و مستی و لہو و سرور و سور — پیوستہ شعر و شاہد و شمع و مے و قمار

اب دوسرا رخ بھی دیکھیے۔ یعنی عسرت بعد عشرت اور حور بعد الکور۔

اکنوں منم کہ رنگ برویم نمی رسد — تارخ بخون دیده نشویم ہزار بار
نقشم بنامہ نیست بجز سرنوشت داغ — تام بجامہ نیست بغیر از تن نزار
پایم بگل زحسرت کشت کنار جوے — خارم بہ دل زیاد ہما آہنگی ہزار
خوکردنم بہ وحشت شبہاے بیکسی — برداز ضمیر دہشت تاریکی مزار
ہم تن زضعف وقف شکن ہائے بیحساب — ہم دل زرنج داغ الم ہاے بیشمار

آگے والے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ یہ قصیدہ دہلی کی جدائی اور سفر کلکتہ کی یادگار ہے۔

پیموده ام دریں سفراز پیچ وتاب عجز — درہر قدم ہزار بیابان و کوہسار
داغے بدل زفرقت دہلی نہاده ام — کش غوطہ داده ام بہ جہنم ہزار بار
بخت از سواد کشور بنگالہ طرح کرد — برخویش رخت ماتم ہجران آن دیار

یعنی دہلی کے فراز میں میری قسمت نے سواد[☆۲۴] بنگالہ کی بدولت ماتمی لباس پہن رکھا ہے۔

گریز۔ آیا بود کہ از اثر اتفاق بخت — دیوانہ را بوادی یثرب فتد گزار
مدح۔ ہم مزد سعی بخشم و ہم مژده سکوں — از بوسہ پاے خویش کنم بردرش فگار

میرے پاؤں جو راہ مدینہ میں چلے ہیں، ان کو سعی کا انعام اور سکون کا مژده دیتے ہوئے میں اس قدر چوموں کہ زخمی ہوجائیں۔ یہاں غالب نے نام پاک (احمد) سے ایک نکتہ نکالا ہے۔ کہتے ہیں کہ احمد سے اگر میم جو معبود اور عبد میں حجاب ہے، نکال دیں تو احد رہ جائے۔ اسم اقدس احد میں الف اللہ کا ہے اور ح+د جن کے اعداد ۸ + ۴ = ۱۲ ہوتے ہیں ائمہ اہل بیت کی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضرات ائمہ کا ظہور احمد سے ہے اور ان سب پر اللہ کا سایہ ہے:

ہم گوہر تراز فروغ خود آبرو — ہم صانع ترا بہ وجود تو افتخار
جنت بکار گاه دلائے تو حلّہ باف — رضواں ببارگاه رضاے تو پیش کار
بے رخصت دلاے تو طاعات مدعی — بیمر ذ ہمچو کوشش دہقاں بہ شوره زار
بے عشرت رضاے تو اوقات زندگی — تنگ دتبہ چودیدۂ موروددہان مار

آخر میں لکھتے ہیں کہ میرا جی چاہتا تھا کہ حضورﷺ کی مدح کے شاہد کے جیب و دامن کو موتیوں سے بھردوں اور سو کی بجائے سو ہزار ابیات معرض تحریر میں لاؤں، مگر ادب مانع آتا اور دعا کی جانب توجہ دلاتا ہے۔

اگلے قصیدے میں تعلّی شاعرانہ سے آغاز کیا ہے اور بتایا ہے کہ میرے کلام میں اور گوہر ولعل میں فرق کیا ہے۔

ہاں وایہ پرستاں زجواہر مشمارید — تلخاب رگ قلزم و خونابہ کاں را
گوہر کدۂ راز بود عالم معنی — و ز لفظ گہر ریزه بود وادی آں را

کیوں نہ ہو۔ آخر میں مدّاح کس کا ہوں!

دیں پایہ درآنست سخن راکہ ستایم
ممدوح خداوند زمیں راوزماں را

عام روایت ہے کہ جسم اطہر کا سایہ نہ تھا۔ غالب کہتے ہیں:

از فرط محبت کہ بداں جان جہاں داشت — نگذاشت قضا سایہ آں سروراں را
نازم بہ کسانے کہ بہ تشبیہ خم تیغ — دیدند برابر دے تو ماه رمضاں را

قائدہ ہے کہ مسلمان رمضان کا چاند دیکھ کر تلوار دیکھتے ہیں۔

حکما خرق افلاک کے منکر تھے، مگر حضورﷺ کے سفر معراج نے ان کے زعم کو باطل کردیا:

رفتار تو آں کرد بافلاک زشوخی
کزچاک بود خنده بر افلاک کتاں را

اقتباسات خاصے طویل ہوگئے۔ لیکن جی چاہتا ہے کہ آخر کے چند اشعار، جن میں شاعر نے اپنی عمر گزشتہ کی کوتاہیوں کا ماتم کیا اور سچ مچ اپنا دل نکار کر دکھ دیا ہے، مزید نقل کردیے جائیں۔ یہ حصہ نہایت مؤثر اور دل گداز ہے:

فریادر سا داد زبے برگی ایماں　　کایں نخل بتاراج فنارفت خزاں را
درخویشتن ایماں شمرم لیک ازاں دست　　کاندر تن محبوب شمارند میاں را
میرے اندر ایمان تو ہے لیکن برائے نام، جیسے حسینوں کے جسم میں کمر۔

از عمر چہل سال بہ ہنگامہ سرآمد
سرمایہ ببازیچہ تلف گشت دکاں را

(اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ ۱۲۵۲ھ میں سپردِ قلم کیا ہے جب غالب کی عمر ۴۰ سال کی تھی)

روز آخرومن ست پے و قافلہ بس دور　　درباختہ ام ازغم رہ تاب وتواں را
زیں روے کہ طاعت نکنم، لیک خداوند　　ازمن نہ بردمایۂ آرایش خواں را
ہرگہ کہ خورم ناں، تنم از شرم گدازد　　چندانکہ زخویش آب کشم دست و دہاں را
میری یہ کوتاہی کہ نفس، عبادت سے جی چراتا ہے اور خدا کی یہ کریمی کہ اس پر بھی برابر رزق دیے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب روٹی کھاتا ہوں تو شرم گناہ سے پانی پانی ہوجاتا ہوں۔
درجلوہ پرستم رخ و گیسوے صنم را　　درشیوہ پسندم روش و کیش مغاں را
درقاعدۂ سجدہ سراز پانہ شناسم　　در روزہ زشوال ندانم رمضاں را
گیرم کہ نہادم بود از سجدہ لبالب　　اے واے گراز ناصیہ جویند نشاں را
شرع آں ہمہ خودبین ومن ایں مایہ سکبر　　کزساقی کوثر طلبم رطل گراں را
مانا کہ میرا تمام وجود سجدے سے معمور ہے، لیکن اگر حشر میں پیشانی سے سجدے کا نشان مانگا گیا تو کیوں کر بنے گی۔ شریعت تو اس قدر خود بین، اور میں ایسا نادان کہ ساقی کوثر سے جام شراب کی درخواست کررہا ہوں۔ ساقی کوثر کا نام آتے ہی شاعر حضرت علیؑ کی منقبت پر، اور قصیدہ چند شعر کے بعد اختتام پر آ گیا۔

غالب کی فارسی غزلیات میں نعت کا سرمایہ بہت کم ہے۔ صرف ایک غزل کے تین شعر اور ایک پوری غزل نعت میں ہے۔

اے خاک درت قبلۂ جان و دل غالب　　کز فیض تو پیرایہ ہستی ست جہاں را
تانام تو شیرینی جاں دادہ بہ گفتن　　درخویش فرد بردہ دل از مہر زباں را

فریادرس ساداد ز بے برگی ایماں   کایں نخل بتاراج فنارفت خزاں را

درخویشتن ایماں شمرم لیک ازاں دست   کاندر تن محبوب شمارند میاں را

میرے اندر ایمان تو ہے لیکن برائے نام، جیسے حسینوں کے جسم میں کمر۔

از عمر چہل سال بہ ہنگامہ سرآمد
سرمایہ بہ بازیچہ تلف گشت دکاں را

(اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ ۱۲۵۲ھ میں سپردِ قلم کیا ہے جب غالب کی عمر ۴۰ سال کی تھی)

روز آخر و من ست پے و قافلہ بس دور   درباختہ ام از غم رہ تاب و تواں را

زیں روے کہ طاعت نکنم، لیک خداوند   از من نہ بردمایۂ آرایش خواں را

ہرگہ کہ خورم ناں، تنم از شرم گدازد   چندانکہ زخویش آب کشم دست و دہاں را

میری یہ کوتاہی کہ نفس، عبادت سے جی چراتا ہے اور خدا کی یہ کریمی کہ اس پر بھی برابر رزق دیے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب روٹی کھاتا ہوں تو شرم گناہ سے پانی پانی ہوجاتا ہوں۔

درجلوہ پرستم رخ و گیسوے صنم را   درشیوہ پسندم روش و کیش مغاں را

درقاعدۂ سجدہ سراز پانہ شناسم   در روزہ زشوال ندانم رمضاں را

گیرم کہ نہادم بود از سجدہ لبالب   اے واے گراز ناصیہ جویند نشاں را

شرع آں ہمہ خودبین و من ایں مایہ سکبر   کزساقی کوثر طلبم رطل گراں را

مانا کہ میرا تمام وجود سجدے سے معمور ہے، لیکن اگر حشر میں پیشانی سے سجدے کا نشان مانگا گیا تو کیوں کر بنے گی۔ شریعت تو اس قدر خودبین، اور میں ایسا نادان کہ ساقی کوثر سے جام شراب کی درخواست کررہا ہوں۔ ساقی کوثر کا نام آتے ہی شاعر حضرت علیؓ کی منقبت پر، اور قصیدہ چند شعر کے بعد اختتام پر آگیا۔

غالب کی فارسی غزلیات میں نعت کا سرمایہ بہت کم ہے۔ صرف ایک غزل کے تین شعر اور ایک پوری غزل نعت میں ہے۔

اے خاک درت قبلۂ جان و دل غالب   کز فیض تو پیرایہ ہستی ست جہاں را

تانام تو شیرینی جاں دادہ بہ گفتن   درخویش فرد بردہ دل از مہر زباں را

برامت تو دوزخ جاوید حرام است   حاشا کہ شفاعت نکنی سوختگاں را

آپ کے نام مبارک نے میری گفتار میں روح کی سی شیرینی بھر دی ہے یہی وجہ ہے کہ دل نے زبان کو پیار سے اپنے اندر سمولیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی امت پر خلود فی النار حرام ہے، اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ آپ کی شفاعت آڑے آئے۔ خدا نہ کرے کہ آپ ہم تباہ حالوں کی شفاعت نہ فرمائیں۔

ذیل کی پوری غزل نعت میں ہے اور جوش عقیدت، تاثیر اور سلامت میں نہایت بلند پایہ ہے۔ تقریباً ہر شعر میں کسی آیت یا حدیث کی ترجمانی کی گئی ہے، اور خوبی یہ کہ شعریت میں ذرّہ بھر کمی نہیں ہے:

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است   آرے کلام حق بہ زبان محمد است [☆۲۵]

آینہ دار پر تو مہر است ماہتاب   شان حق آشکار زشان محمد است [☆۲۶]

تیر قضا ہر آینہ درترکش حق است   امّا کشاد آن زکمان محمد است [☆۲۷]

دانی اگر بمعنی لولاک وارسی   خود ہرچہ از حق است ازآن محمد است [☆۲۸]

ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد   سوگند کردگار بجان محمد است [☆۲۹]

واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فروگزار   کاینجا سخن زسرور روان محمد است [☆۳۰]

بنگرد دو نیمہ گشتن ماہ تمام را   کاں نیمہ جنبشے زبنان محمد است [☆۳۱]

درخود ز نقش مہر نبوت سخن رود   آں نیز نامور ز نشان محمد است [☆۳۲]

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم   کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر غالب کی تضمین جو انھوں نے قدسی کی مشہور ومقبول نعتیہ غزل پر کی تھی بغیر تشریح درج کردی جائے۔ یہ تضمین صفائی اور روانی کے ساتھ مرزا کے اسادانہ انداز کا عمدہ نمونہ ہے اور جیسا کہ تضمین کا اقتضا ہے۔ اصل اور مرزا کے مصرعے باہم پورے دست وگریباں نظر آتے ہیں۔ یہ خمسہ ان کے متداول دیوان میں موجود نہیں ہے۔[☆۳۳]

کیستم تابخروش آوردم بے ادبی   قدسیاں پیش تو در موقف حاجت طلبی

رفتہ از خویش بہ ایں زمزمہ زیرلبی   ''مرحبا سیّد مکی، مدنی العربی''

''دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی''

اے کہ روے تو دہد روشنی ایمانم　　کافرم کافر، اگر مہر منیرش خوانم
صورت خویش کشید است مصور دانم　　''من بیدل، بجمال تو عجب حیرانم
''اللہ اللہ! چہ جمال است بدیں بوالعجبی''

اے گل تازہ کہ زیب چمنی آدم را　　باعث رابطۂ جان و تنی آدم را
کردہ در یوزۂ فیض تو غنی آدم را　　''نجستے نیست بذات تو بنی آدم را''
''برتر از آدم عالم، توچہ عالی نسبی''

اے لبت رابسوے خلق زخالق پیغام　　روح رالطف کلام تو کند شیریں کام
ابر فیضی کہ بود از اثر رحمت عام　　''نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام''
''زاں شدہ شہرہ آفاق بہ شیریں رطبی''

خواست چوں ایزد دانا کہ بساطے از نور　　گسترد درہمہ آفاق چہ نزدیک، چہ دور
حکم اصدار تو در ارض عرب یافت صدور　　''ذات پاک تو چودر ملک عرب کردظہور''
''زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی''

وصف رخش تو اگر دردل ادراک گزشت　　نہ ہمیں است کہ از دائرہ خاک گزشت
ہمچو آں شعلہ کہ گرم ازتہ خاشاک گزشت　　''شب معراج عروج تو زافلاک گزشت''
''بہ مقامے کہ رسیدی، نہ رسد ہیچ نبی''

چہ کنم چارہ کہ پیوند خجالت گسلم　　من کہ چوں مہر درخشاں نبود نور دلم
من کہ از چشمۂ حیواں نبود آب و گلم　　''نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم''
''زانکہ نسبت بہ سگ کوے توشد بے ادبی''

دل زغم مردہ وغم بردہ زماصبر و ثبات　　غمگساری کن و بنماے بما راہ نجات
داد سوز جگر ماچہ دہل نیل و فرات　　''ماہمہ تشنہ لبانیم، توئی آب حیات''
''رحم فرما کہ زحدمی گزرد تشنہ لبی''

غالب غم زدہ رانیست دریں غمزدگی　　جزبہ امید ولاے تو تمناے بہی
ازتب و تاب دل سوختہ غافل نشوی　　''سیّدی انت حبیبی و طبیب قلبی''
''آمدہ سوے تو قدسی پے درماں طلبی''

اے کہ روے تو دہد روشنی ایمانم   کافرم کافر، اگر مہر منیرش خوانم
صورت خویش کشید است مصور دانم   ''من بیدل، بجمال تو عجب حیرانم
''اللہ اللہ! چہ جمال است بدیں بوالعجبی''

اے گل تازہ کہ زیب چمنی آدم را   باعث رابطۂ جان و تنی آدم را
کردہ در یوزۂ فیض تو غنی آدم را   ''نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را''
''برتر از آدم عالم، توچہ عالی نسبی''

اے لبت رابسوے خلق زخالق پیغام   روح رالطف کلام تو کند شیریں کام
ابر فیضی کہ بود از اثر رحمت عام   ''نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام''
''زاں شدہ شہرہ آفاق بہ شیریں رطبی''

خواست چوں ایزد دانا کہ بساطے از نور   گسترد درہمہ آفاق چہ نزدیک، چہ دور
حکم اصدار تو در ارض عرب یافت صدور   ''ذات پاک تو چودر ملک عرب کردظہور''
''زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی''

وصف رخش تو اگر دردل ادراک گزشت   نہ ہمین است کہ از دائرہ خاک گزشت
ہمچو آں شعلہ کہ گرم ازتہ خاشاک گزشت   ''شب معراج عروج تو زافلاک گزشت''
''بہ مقامے کہ رسیدی، نہ رسد ہیچ نبی''

چہ کنم چارہ کہ پیوند خجالت گسلم   من کہ چوں مہر درخشاں نبود نور دلم
من کہ از چشمۂ حیواں نبود آب و گلم   ''نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم''
''زانکہ نسبت بہ سگ کوے توشد بے ادبی''

دل زغم مردہ وغم بردہ زماصبر و ثبات   غمگساری کن و بنماے بما راہ نجات
داد سوز جگر ماچہ دہل نیل و فرات   ''ماہمہ تشنہ لبانیم، توئی آب حیات''
''رحم فرما کہ زحدمی گزرد تشنہ لبی''

غالب غم زدہ رانیست دریں غمزدگی   جزبہ امید ولاے تو تمناے بہی
ازتب و تاب دل سوختہ غافل نشوی   ''سیّدی انت حبیبی و طبیب قلبی''
''آمدہ سوے تو قدسی پے درماں طلبی''

حواشی

☆۱۔ تُو نے محمدؐ کی ہجو کی جس کا میں ان کی طرف سے جواب دے رہا ہوں اور خدا کے یہاں میری جزا مقرر ہو چکی ہے۔

☆۲۔ میرے ماں باپ اور خود میری عزّت آں حضرت ﷺ کی عزت کی حفاظت کی خاطر تم لوگوں کے مقابلے میں سپر ہیں۔

☆۳۔ آپ تمام برائیوں سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا آپ کی تخلیق آپ کی مرضی کے مطابق ہوئی ہے۔

☆۴۔ آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت فرزند کسی عورت کے بطن سے پیدا نہیں ہوا۔

☆۵۔ ملاحظہ ہو حسن الصّحابہ فی شرح اشعار الصّحابہ۔ الجزء الاوّل۔

☆۶۔ شاعر رسول جو کفار قریش کے مخالف پروپیگنڈے کا حضور کی طرف سے جواب دیتے تھے اس زمانے میں پریس کا وجود نہ تھا۔ اس لیے شعرا کی زبانیں ہی پبلسٹی کا کام دیتی تھیں۔

☆۷۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔

☆۸۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمہ مشہور شاعر اور اسلام کے سخت مخالف، غلبۂ اسلام کے بعد گرفتاری کے خوف سے بھاگ گئے تھے۔ پھر اپنے بھائی بکیر کی تحریک پر حاضر دربار رسالت ہوئے اور یہ قصیدہ پڑھا۔ آخر قصور معاف ہوا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ قصیدہ بانت سعاد کہلاتا ہے۔ کیوں کہ انھیں الفاظ سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔

☆۹۔ دولت اقبال کے معنی میں ہیں۔ شاعر نے ''اقبال'' کا در و دولت کا پاسبان قرار دیا ہے۔

☆۱۰۔ ایران حال کے ایک نامور اور فاضل اہل قلم آقائے علی اصغر حکمت کا اعتراف ملاحظہ ہو: انھوں نے دہلی میں یوم غالب پر یہ رباعی پڑھی تھی:

غالب کہ شہاب شعر او ثاقب بود   استاد ہزار طالب وصائب بود
درملک سخن چوں اسد اللّٰہی بافت   برجملہ سخنوران ازان غالب بود

☆۱۱۔ یادگار غالب: ۱۳   ۱۲۔ یادگار غالب: ۱۵

☆۱۳۔ حالی کہتے ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کا مرزا کے عصر میں موجود ہونا ان کی شاعری کے حق میں بعینہ ایسا تھا جیسا عرفی و نظیری کے حق میں خانخاناں، ابوالفتح، فیضی اور ابوالفضل کا ان کے زمانے میں ہونا۔ (یادگار غالب: ۱۷۹)

☆۱۴۔ یادگارِ غالب: ۹۸

☆۱۵۔ یہ کہنا کہ غالب نے طرز بیدل کو اپنے لیے کار مشکل جان کر چھوڑا یا سعیٔ لاطائل سمجھ کر، نادرست معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں رائیں حقیقت سے دُور ہیں۔ دراصل عمر پختہ ہونے پر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ رنگ نہ ہند میں مقبول ہوسکتا ہے، نہ ایران میں۔

☆۱۶۔ عود ہندی: ۱۵۰ (بنام شاکر)   ☆۱۷۔ عود ہندی: ۳۵

☆۱۸۔ کلیات فارسی: ۵۵۲

☆۱۹۔ اس سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ وہ عرفیؔ وغیرہ کے مقلّد محض تھے۔ وہ خود کہتے اور بجا کہتے ہیں کہ قدرت نے میرے نہاںخانہ ضمیر کو فراوانی رنگارنگ معنی سے مالامال کیا ہے۔ سبک متاخرین کی رعایت کرنا یا محاورہ اہل

زبان کا پابند ہونا دوسری بات ہے۔

☆۲۰۔ انھوں نے تمام عبادات اور فرائض و واجبات میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں، ایک توحید وجودی، دوسرے نبی اور اہل بیت نبی کی محبت، اور اسی کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔ (یادگار غالب: ٦٧)

☆۲۱۔ مولانا خیر آبادی کی مشہور تصنیف ''امتناع النظیر'' اسی بحث سے متعلق ہے۔

☆۲۲۔ خدا سب کو کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا۔

☆۲۳۔ اس کو اونگھ اور نیند نہیں ستاتی۔ (قرآن مجید)

☆۲۴۔ سواد آبادی اور سیاہی کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہل بنگالہ کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔

☆۲۵۔ **ماینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یوحیٰ** اپنی خواہش سے نہیں بولتے آپ کا کلام وحی الٰہی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔

☆۲٦۔ (اذرء واذکراللہ) اللہ والوں کی یہ شان ہے کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔

☆۲۷۔ **(مارمیت اذ رمیت والکن اللّٰہ رمیٰ**) آپ نے دشمنوں پر (خاک یا تیر) نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا۔

☆۲۸۔ **(لولاک لما خلقت لافلاک**) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

☆۲۹۔ **(العمر کانھم لفی سکرتھم یعمھون علیہ**) آپ کی جان کی قسم، منکر اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

☆۳۰۔ **(مارأیت احسن من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم**) میں نے آں حضرت ﷺ سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔

☆۳۱۔ **(اقتربت الساعتہ وانشق القمر**) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا۔

☆۳۲۔ **(کان الخاتم مثل زر الحجلتہ**) آپ کی مہر نبوت تخم کبک سے مشابہ تھی۔

☆۳۳۔ ماخوذ از ''حدیث قدسی'' مجموعۂ مخمسات بر غزل قدسی۔

زبان کا پابند ہونا دوسری بات ہے۔

☆۲۰۔ انھوں نے تمام عبادات اور فرائض و واجبات میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں، ایک توحید وجودی، دوسرے نبی اور اہل بیت نبی کی محبت، اور اسی کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔ (یادگار غالب: ۶۷)

☆۲۱۔ مولانا خیر آبادی کی مشہور تصنیف ''امتناع النظیر'' اسی بحث سے متعلق ہے۔

☆۲۲۔ خدا سب کو کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا۔

☆۲۳۔ اس کو اونگھ اور نیند نہیں ستاتی۔ (قرآن مجید)

☆۲۴۔ سواد آبادی اور سیاہی کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہل بنگالہ کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔

☆۲۵۔ ماینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یوحیٰ اپنی خواہش سے نہیں بولتے آپ کا کلام وحی الٰہی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔

☆۲۶۔ (اذرء واذکراللہ) اللہ والوں کی یہ شان ہے کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔

☆۲۷۔ (مارمیت اذ رمیت والکن اللّٰہ رمیٰ) آپ نے دشمنوں پر (خاک یا تیر) نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا۔

☆۲۸۔ (لولاک لما خلقت لافلاک) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

☆۲۹۔ (العمر کانھم لفی سکرتھم یعمھون علیه) آپ کی جان کی قسم، منکر اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

☆۳۰۔ (مارأیت احسن من النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم) میں نے آں حضرت ﷺ سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔

☆۳۱۔ (اقتربت الساعته وانشق القمر) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا۔

☆۳۲۔ (کان الخاتم مثل زر الحجلته) آپ کی مہر نبوت تخم کبک سے مشابہ تھی۔

☆۳۳۔ ماخوذ از ''حدیث قدسی'' مجموعۂ مخمسات بر غزل قدسی۔

❁

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی

غزلیاتِ غالب میں نعت کی جلوہ گری

نعت پر اپنے مضامین میں، میں نے اکثر یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ جب بھی شاعر محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد اور نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اکثر تو شاعر کو خود بھی اپنے اس سفر کی خبر نہیں ہوتی۔

''گنجینۂ معنی کا طلسم'' میں حضرت احسان دانش کے ایک شعر کے حوالے سے یہ بات کہی گئی ہے اور غالب کے اس شعر کے حوالے سے بھی کہ:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا

ماضی کی طرح آج بھی زیادہ تر نعتیں غزل کی صنف اور ہیئت میں کہی جا رہی ہیں۔ اس کے اسباب پر بھی راقم الحروف گفتگو کر چکا ہے۔ میری معروضات ''نعت رنگ'' کے شماروں اور مختلف نعتیہ مجموعوں پر میرے مقدمات اور پیش لفظ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو غزل کی ایمائیت اور اشاریت بھی ہے جو حرفِ دل کی ادائیگی کے لیے اسالیب تراشی ہے۔ غزل کو اردو شاعری کی ''آبرو'' کہا گیا ہے۔ غزل کو ''حیات و کائنات کا ہمہ گیر اور کل شناس آئینہ'' قرار دیا گیا ہے۔ ذرا سا تامل کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ غزل کی تفہیم کے لیے نہایت تربیت یافتہ اور مہذب ذہن درکار ہے اور دوسری طرف غزل اپنی اوّلین سطح پر ہر پڑھنے والے کے لیے کچھ نہ کچھ معانی اور مفہوم رکھتی ہے۔ یہ وہ در ہے جہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ بعض حضرات شاید اس مضمون میں میری تفہیم کو تسلیم نہ کریں اور میری تاویلات کو میرے عقیدے کا نتیجہ قرار دیں مگر وہ اس نکتے کو بھی سامنے رکھیں کہ میں نے جو

کچھ عرض کیا ہے، شاعروں کی پوری شخصیت، ذہنی پس منظر اور زندگی کی روشنی میں عرض کیا ہے اور ساتھ ہی غزل کی ایمائیت اور رموز کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا ہے۔
اچھی غزل ایک اکائی اور وحدت ہوتی ہے۔ آپ غالب کی کسی غزل کو لے لیجیے اور بات صرف غالب تک محدود نہیں ہے، کسی بھی بڑے یا اچھے شاعر کی غزل کو لے لیجیے اور اس کے اشعار کی ترتیب بدل دیجیے یقیناً غزل کی وحدت متاثر ہوگی اور یہ اکائی ٹوٹ جائے گی یا مجروح ہوگی۔ پھر غزل کی اس گیرائی اور گرفت کو کیا نام دیا جائے کہ اس کا ہر شعر ایک اکائی اور وحدت ہوتا ہے۔ غزل کے ایک شعر میں بڑے تجربے یوں سمٹ آتے ہیں جس طرح آسمان آنکھ کی پتلی میں سما جاتا ہے۔ آنکھ اور آسمان کے استعارے کو بدلنا چاہیں تو یوں کہہ لیں:

سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

غزل کے اشعار ایک وحدت ہونے کی وجہ سے ذات کی پہنائیوں میں بھی اپنے آپ کو دہراتے ہیں اور خلوت وجلوت میں ہونٹوں پر آجاتے ہیں۔ کبھی آدمی اپنے آپ کو شعر سناتا ہے اور کبھی محفلِ یاراں میں اپنے تجربے اور اپنی کیفیت میں دوسروں کو شریک بناتا ہے۔
نبی اکرم ﷺ سے مسلمان کا رشتہ بہت سادہ، بہت پیچیدہ، بہت ہمہ جہت ہے۔ وہ ہمہ جہت رشتہ بھی زندگی کی واحد جہت بن جاتا ہے۔ روح کی وادیوں میں آپ کا نام گونجتا رہتا ہے۔ کبھی صلوٰۃ وسلام میں، درود کے تسلسل میں، کبھی اسم گرامی خود ہی درود بن جاتا ہے۔

رکھتے ہوئے قدم مری آنکھوں پہ کیوں دریغ
رُتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں
(غالب)

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے
(غالب)

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

کچھ عرض کیا ہے، شاعروں کی پوری شخصیت، ذہنی پس منظر اور زندگی کی روشنی میں عرض کیا ہے اور ساتھ ہی غزل کی ایمائیت اور رموز کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا ہے۔

اچھی غزل ایک اکائی اور وحدت ہوتی ہے۔ آپ غالب کی کسی غزل کو لے لیجیے اور بات صرف غالب تک محدود نہیں ہے، کسی بھی بڑے یا اچھے شاعر کی غزل کو لے لیجیے اور اس کے اشعار کی ترتیب بدل دیجیے یقیناً غزل کی وحدت متاثر ہوگی اور یہ اکائی ٹوٹ جائے گی یا مجروح ہوگی۔ پھر غزل کی اس گیرائی اور گرفت کو کیا نام دیا جائے کہ اس کا ہر شعر ایک اکائی اور وحدت ہوتا ہے۔ غزل کے ایک شعر میں بڑے تجربے یوں سمٹ آتے ہیں جس طرح آسمان آنکھ کی پتلی میں سما جاتا ہے۔ آنکھ اور آسمان کے استعارے کو بدلنا چاہیں تو یوں کہہ لیں:

سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

غزل کے اشعار ایک وحدت ہونے کی وجہ سے ذات کی پہنائیوں میں بھی اپنے آپ کو دہراتے ہیں اور خلوت و جلوت میں ہونٹوں پر آجاتے ہیں۔ کبھی آدمی اپنے آپ کو شعر سناتا ہے اور کبھی محفلِ یاراں میں اپنے تجربے اور اپنی کیفیت میں دوسروں کو شریک بناتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے مسلمان کا رشتہ بہت سادہ، بہت پیچیدہ، بہت ہمہ جہت ہے۔ وہ ہمہ جہت رشتہ بھی زندگی کی واحد جہت بن جاتا ہے۔ روح کی وادیوں میں آپ کا نام گونجتا رہتا ہے۔ کبھی صلوٰۃ و سلام میں، درود کے تسلسل میں، کبھی اسم گرامی خود ہی درود بن جاتا ہے۔

رکھتے ہوئے قدم مری آنکھوں پہ کیوں دریغ
رُتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں
(غالب)

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے
(غالب)

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی
(اقبال)

دلوں کو فکر دوعالم سے کردیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
(حسرت موہانی)

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک
ہر حرف تمنا ترے قدموں کی صدا ہے
(فیض)

اس دل میں رہ چکی ہے تمنا گناہ کی
یہ دل ترے خیال کے قابل نہیں رہا
(جمیل نقوی)

اوپر جو شعر درج کیے گئے ہیں ان میں حضرت ختم المرسلین ﷺ کا کوئی نام استعمال نہیں کیا گیا ہے لیکن معنوی قرائن، لامحدود کی طرف سفر، شعر کا خیال اور شاعر سے ہماری واقفیت ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ یہ نعت کے شعر ہیں۔ ''ورق تمام ہوا''... غالب نے یہ شعر تجمل حسین خاں کے لیے اپنی مدحیہ غزل میں کہا تھا مگر یہ ملبوس شعری، خاں صاحب کے قد سے کہیں بڑا تھا اور یوں زبانِ خلق نے اس شعر کو نعت کا شعر بنایا۔ اسی غزل کا ایک اور شعر تو آپ نے ذکرِ رسولِ اعظم ﷺ کی محفلوں میں اکثر مقررین کی زبان سنا ہوگا:

زباں پہ بارِ خدا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

بے چارے تجمل حسین خاں اس شعر کا مصداق کب ہوسکتے تھے، اسی لیے ہمارے اجتماعی ذوقِ شعری نے اس شعر کو خراجِ تحسین کا وسیلہ اور ذریعہ بنا کر سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں پہنچا دیا اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھیے گا کہ شاعر جو کچھ کہتا ہے خود اس پر اس کے مکمل معانی منکشف نہیں ہوتے۔

غالب نے اردو غزل کے حدود کی توسیع کی اور اردو غزل کو زندگی کا قدِ آدم آئینہ بنا دیا۔ اس آئینے کا جوہر ذکرِ فخرِ نبیٔ آدمؑ ہے۔ غالب کی ذہنی اور فکری دنیا کی تعمیر اسی ذات سے ہوئی

ہے۔ غالب نے مرتبۂ نبوت کو جس طرح سمجھا اور اپنے ایک فارسی شعر میں بیان کیا ہے اس کی کوئی مثال میری نظر سے نہیں گزری۔ صنفِ نعت کا وسیع مطالعہ رکھنے والوں سے بھی میں نے سوال کیا مگر وہ بھی کسی ایسے شعر کی نشان دہی نہ کر سکے جو غالب کے اس شعر کے مقابل پیش کیا جا سکے:

تیر قضا ہر آئینہ از ترکشِ حق است
لیکن کشودِ آں ز کمانِ محمدؐ ست

قضا کا، تقدیر کا، امر کا ہر تیر اللہ کے ترکش سے چلتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی کمان سے... یہاں حضور ﷺ ادارۂ نبوت کے نمائندہ بن جاتے ہیں۔ یہ دنیا دارالاسباب ہے اور اس میں ہر واقعے کے ساتھ سبب اور علت وابستہ ہوتا ہے، ہاں مگر جب اللہ چاہے تو یہ سبب بھی درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ دنیا میں انسان کی تقدیر کی اصلاح اور تعمیر کا کام رسولوں کے ذریعے ہوتا ہے اور حضور ﷺ تو قیامت تک کے لیے زندہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔
غالب کے اس شعر سے سورۃ النجم کی آیت ذہن میں آجاتی ہے:

فکان قاب قوسین او ادنیٰ

اگرچہ یہ جبریل امین علیہ السلام اور رسولِ امیں ﷺ کی قربت کا ذکر ہے۔ مگر یہ بات ذہن میں رہے کہ جبریلؑ وحیٔ الٰہی کی ترسیل کا سب سے اہم وسیلہ تھے۔ جبریلؑ اپنی صورتِ اصلیہ میں سرورِ دنیا و دیں کے اتنے قریب آ گئے کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ اس اظہار کے ساتھ عربوں کی ایک عادت، روایت اور رسم وابستہ ہے۔ جب دو شخص انتہا درجے کی قربت اور اتحاد آپس میں قائم کرنا چاہتے تھے تو اس کے اظہار کے لیے اپنی کمانوں کے چلوں کو ملا لیتے تھے۔ یوں سمجھئے کہ دو کمانوں سے ایک تیر چلائے جانے کا امکان حقیقت بن جاتا۔ جبریلؑ امیں کی یہ قربت حق تعالیٰ اور نبیٔ محترم کے قرب کا استعارہ ہے۔
''کارِ جہاں'' کے سلسلے میں اللہ اور رسول ﷺ کی قربت اور ہم کاری دوسرے استعاروں کی مدد سے بھی قرآن حکیم میں پیش کی گئی ہے، مثلاً:

وما رمیت اذ رمیت والکن اللّٰہ رمی (سورۃ الانفال: آیت ۱۷)

ہے۔ غالب نے مرتبۂ نبوت کو جس طرح سمجھا اور اپنے ایک فارسی شعر میں بیان کیا ہے اس کی کوئی مثال میری نظر سے نہیں گزری۔ صنفِ نعت کا وسیع مطالعہ رکھنے والوں سے بھی میں نے سوال کیا مگر وہ بھی کسی ایسے شعر کی نشان دہی نہ کر سکے جو غالب کے اس شعر کے مقابل پیش کیا جا سکے:

تیر قضا ہر آئینہ از ترکشِ حق است
لیکن کشودِ آں ز کمانِ محمدؐ ست

قضا کا، تقدیر کا، امر کا ہر تیر اللہ کے ترکش سے چلتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی کمان سے... یہاں حضور ﷺ ادارۂ نبوت کے نمائندہ بن جاتے ہیں۔ یہ دنیا دارالاسباب ہے اور اس میں ہر واقعے کے ساتھ سبب اور علت وابستہ ہوتا ہے، ہاں مگر جب اللہ چاہے تو یہ سبب بھی درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ دنیا میں انسان کی تقدیر کی اصلاح اور تعمیر کا کام رسولوں کے ذریعے ہوتا ہے اور حضور ﷺ تو قیامت تک کے لیے زندہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

غالب کے اس شعر سے سورۃ النجم کی آیت ذہن میں آ جاتی ہے:

فکان قاب قوسین او ادنیٰ

اگرچہ یہ جبریل امین علیہ السلام اور رسولِ امیں ﷺ کی قربت کا ذکر ہے۔ مگر یہ بات ذہن میں رہے کہ جبریلؑ وحیٔ الٰہی کی ترسیل کا سب سے اہم وسیلہ تھے۔ جبریلؑ اپنی صورتِ اصلیہ میں سرورِ دنیا و دیں کے اتنے قریب آ گئے کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ اس اظہار کے ساتھ عربوں کی ایک عادت، روایت اور رسم وابستہ ہے۔ جب دو شخص انتہا درجے کی قربت اور اتحاد آپس میں قائم کرنا چاہتے تھے تو اس کے اظہار کے لیے اپنی کمانوں کے چلوں کو ملا لیتے تھے۔ یوں سمجھیے کہ دو کمانوں سے ایک تیر چلائے جانے کا امکان حقیقت بن جاتا۔ جبریلؑ امیں کی یہ قربت حق تعالیٰ اور نبیٔ محترم کے قرب کا استعارہ ہے۔

''کارِ جہاں'' کے سلسلے میں اللہ اور رسول ﷺ کی قربت اور ہم کاری دوسرے استعاروں کی مدد سے بھی قرآن حکیم میں پیش کی گئی ہے، مثلاً:

وما رمیت اذ رمیت والکن اللہ رمی (سورۃ الانفال: آیت ۱۷)

جب معرکۂ بدر گرم تھا تو جبریلؑ امیں کے کہنے سے حضور ﷺ نے مٹی اور کنکروں کی تین مٹھیاں کفار کے لشکر کی طرف پھینکیں اور ان مٹھیوں کی مٹی اور کنکر اس طرح پھیلے کہ دشمنوں میں سے کوئی ایک فرد ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں اور چہروں پر یہ کنکر اور یہ مٹی نہ پڑی ہو۔ اس معجزے سے دشمن کی صفیں منتشر ہو گئیں، ان کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

غالب کا یہ شعر اللہ اور رسول ﷺ کے اسی اتحاد، اسی رشتے، رفیقِ اعلیٰ اور اس کے رفیق کے اسی تعلق کی دستاویز ہے۔ فارسی میں غالب کی باضابطہ نعتیں موجود ہیں جن میں سے اُس نعت کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی ہے جس کے ایک شعر پر گفتگو آپ نے ملاحظہ کی۔ آج ہمارے معاشرے میں فارسی کا ذوق ختم ہوتا جا رہا ہے اور فارسی کی تعلیم کی طرف کم توجہ دی جا رہی ہے مگر غالب کی یہ فارسی غزل ہمارے عام آدمی کے لیے بھی اجنبی نہیں اور ہمارے نزدیک یہ بات دربارِ رسالت ﷺ میں اس کی مقبولیت کا اشارہ ہے:

واعظِ حدیث سایۂ طوبیٰ فرو گزار
کایں سخن ز سروِ روانِ محمدؐ ست
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ ست

اردو میں غالب نے کوئی باضابطہ نعت نہیں کہی، لیکن ان کی غزلیں سیّد الابرار شہِ دوسرا ﷺ کا ذکر اپنے دامن میں رکھتی ہیں۔ غالب کے خطوط اور فارسی کلام ان کی شخصیت پر دین کے اثرات کا آئینہ دار ہیں۔ مسائلِ تصوف کو اپنے فن سے اعلیٰ درجے کی شاعری میں ڈھالنے پر غالب کو ناز تھا۔ تصوف کے زیرِ اثر غالب تجلّیٔ رب اور ظہورِ کائنات کے مسائل پر غور کرتے ہوئے وجودِ مصطفوی ﷺ کو ظہور کا سبب قرار دیتے ہیں:

منظور تھی یہ شکل، تجلّی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رُخ سے ظہور کی

جنت کے موضوع پر غالب کے شعر ضرب المثل کے درجے پر پہنچ چکے ہیں۔ شوخیٔ اندیشہ، فردوس اور دوزخ کے درمیان ہر ''حد'' اور ''خط'' کو مٹانے کے درپے نظر

آتی ہے:

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

لیکن غالب جنت کے منکر نہیں، اس دنیا کے رند کو اُس دنیا میں بھی رحمتِ حق کی بنا پر شراب ملنے کی اُمید تھی۔ مگر غالب کے نزدیک جنت کی معنویت اسی صورت میں اُبھر کر سامنے آسکتی تھی کہ وہ کسی کی جلوہ گاہ ہو۔ غالب نے دعائیہ انداز میں یہ مضمون باندھا ہے۔ یہ ندرتِ اُسلوب کی مثال ہے ورنہ اسے یقین تھا کہ جنت جلوہ گاہِ مصطفوی ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی اہلِ ایمان کے لیے جنت ہے:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

عہدِ غالب میں بھی میلادالنبی ﷺ مسلمانوں کا اہم جشن اور تہوار تھا۔ حضور ﷺ کی ولادت اور تشریف آوری اُس عہد کے بہت سے شاعروں کا موضوع تھی۔ میلادناموں کے علاوہ شعری مجموعوں میں بھی ایسا کلام نظر آتا ہے۔ مرزا کا ایک شعر ہمیں ۱۲ربیع الاوّل کی صبح کا بیان معلوم ہوتا ہے:

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل، رہ گزر میں گرد نہیں

غالب کے نفسِ گرم کی حدت سے لفظ پگھل کر اپنے معانی روشن اور ظاہر کردیتے ہیں۔ غالب کا دعویٰ ہے کہ جو لفظ ان کے اشعار میں آتا ہے وہ گنجینۂ معنی کا طلسم بن جاتا ہے۔ غالب نے خونِ جگر کے ایک ایک قطرے ہی کا حساب نہیں دیا، انھوں نے جو لفظ بھی شعر میں استعمال کیا اس کا حساب بھی اپنی معنویت اور فنی کمال کی صورت میں دیا ہے۔ اگر یہ کسی اور ''محبوب'' کی آمد کا ذکر ہوتا تو غالب ''بہشتِ شمائل'' کے الفاظ استعمال نہ کرتے، ''بہارِ شمائل'' یا ایسا ہی کوئی دوسرا اظہار ہمیں اس شعر میں ملتا ہے اور یہ رہ گزر تاریخ اور زندگی کی رہ گزر ہے۔ ''جلوۂ گل'' میں اس صبح سعادت آثار کی تمام کیفیت سمٹ آئی ہے ورنہ تاریخ کی رہ گزر جلوۂ گل اور خاک دونوں کا بہ یک وقت نظارہ پیش کرتی رہی ہے۔

آتی ہے:

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

لیکن غالب جنت کے منکر نہیں، اس دنیا کے رند کو اُس دنیا میں بھی رحمتِ حق کی بنا پر شراب ملنے کی اُمید تھی۔ مگر غالب کے نزدیک جنت کی معنویت اسی صورت میں اُبھر کر سامنے آسکتی تھی کہ وہ کسی کی جلوہ گاہ ہو۔ غالب نے دعائیہ انداز میں یہ مضمون باندھا ہے۔ یہ ندرتِ اُسلوب کی مثال ہے ورنہ اسے یقین تھا کہ جنت جلوہ گاہِ مصطفوی ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی اہلِ ایمان کے لیے جنت ہے:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

عہدِ غالب میں بھی میلادالنبی ﷺ مسلمانوں کا اہم جشن اور تہوار تھا۔ حضور ﷺ کی ولادت اور تشریف آوری اُس عہد کے بہت سے شاعروں کا موضوع تھی۔ میلادناموں کے علاوہ شعری مجموعوں میں بھی ایسا کلام نظر آتا ہے۔ مرزا کا ایک شعر ہمیں ۱۲/ربیع الاوّل کی صبح کا بیان معلوم ہوتا ہے:

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل، رہ گزر میں گرد نہیں

غالب کے نفسِ گرم کی حدت سے لفظ پگھل کر اپنے معانی روشن اور ظاہر کر دیتے ہیں۔ غالب کا دعویٰ ہے کہ جو لفظ ان کے اشعار میں آتا ہے وہ گنجینۂ معنی کا طلسم بن جاتا ہے۔ غالب نے خونِ جگر کے ایک ایک قطرے ہی کا حساب نہیں دیا، انھوں نے جو لفظ بھی شعر میں استعمال کیا اس کا حساب بھی اپنی معنویت اور فنی کمال کی صورت میں دیا ہے۔ اگر یہ کسی اور ''محبوب'' کی آمد کا ذکر ہوتا تو غالب ''بہشتِ شمائل'' کے الفاظ استعمال نہ کرتے، ''بہارِ شمائل'' یا ایسا ہی کوئی دوسرا اظہار ہمیں اس شعر میں ملتا ہے اور یہ رہ گزر تاریخ اور زندگی کی رہ گزر ہے۔ ''جلوۂ گل'' میں اس صبح سعادت آثار کی تمام کیفیت سمٹ آئی ہے ورنہ تاریخ کی رہ گزر جلوۂ گل اور خاک دونوں کا بہ یک وقت نظارہ پیش کرتی رہی ہے۔

غالب کی نہایت مشہور اور نمائندہ غزل ہے ''نہیں ہوں میں'' جس کے کئی شعر دہرائے جاتے ہیں... گفتگو میں، تنقیدوں میں، مطالعۂ غالب میں اور ہماری تنہائیوں میں:

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

اس غزل میں تین شعروں میں سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ سے تخاطب ہے۔ اس نکتے کو غالب نے ہمارے لیے حل کیا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ تخاطب کس سے ہے اور غالب نے جواب میں سوال کرنے والے سے سوال کیا کہ آخر وہ کون ہے جس کی نظروں میں لعل و زمرد و زر و گوہر کی کوئی وقعت نہیں تھی، جس نے فقر کو اپنا فخر قرار دیا۔ وہ کون تھا جس نے مہر و ماہ پر قدم رکھا اور اس کا یہ شرف معراج کہلایا۔ وہ کون تھا کہ آسمان کو جس کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ شعر ملاحظہ ہوں۔ نعتیہ ادب میں ایسی کوئی چیز تلاش کرنا، فعل رائگاں ہوگا۔ غالب کی عظمت اور انفرادیت غزل کے ان نعتیہ اشعار میں نمایاں ہے:

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہوئے قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رُتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کے لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

یہ لہجہ، شاہِ دوراں اور سلطانِ مدینہ ﷺ سے یہ قربت، وقار و تمکنت کے ساتھ دل گرفتگی کا یہ اظہار... کہیں اور کیوں ملنے لگا؟ اتنا ظرف کس میں ہوگا۔ غالب اپنے اُمتی رسول ﷺ ہونے پر ہمیشہ نازاں رہے اور اس سے زیادہ سچا ناز اور کون سا ہوگا۔ اسمِ پاک محمد ﷺ سے وہ ہر بند دروازے کے کھل جانے پر یقین رکھتے تھے:

اس کی اُمت میں ہوں میں، میرے بھی رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھلا

پروفیسر شفقت رضوی

غالب! حضور رسالت مآب ﷺ میں

شاعری کا دار و مدار دیگر لوازمات کے علاوہ علم اور تخیّل پر ہوتا ہے۔ یہی سب سے اہم اور باہم پیوست ہیں۔علم میں جتنی گہرائی ہوگی تخیّل میں اتنی ہی بلندی ہوگی۔ اس اعتبار سے ہمارے مقبول شاعروں کا جائزہ لیا جائے تو غالب ایک ممتاز اور منفرد مقام پر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے بعض اشعار کو ناقابلِ فہم قرار دیا جاتا ہے اس میں قصور غالب کا نہیں ہماری نارسائی کا ہے۔ وہ اپنی فکر اور اپنے خیال کی سطح سے اتر کر شاعری کرنا گوارا نہیں کرتے۔ ہم اپنی ذہنی سطح کو بلند کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

غالب نے غزل کے مزاج کو پوری طرح سمجھا ہے اس کے صنفی لوازمات کا احساس کیا ہے ان کی کامل پاس داری کے ساتھ شاعری کی ہے۔غزل واضح اظہار کا ذریعہ نہیں ہے اس میں رمزیت اور ایمائیت کے پردوں میں بات کی جاتی ہے۔ شاعر کے ہاں کبھی یہ پردے مہین ہوتے ہیں کبھی دبیز! غالب نے دونوں انداز روا رکھے ہیں جہاں پردے مہین ہیں وہاں گویا انھوں نے دوسروں کے لیے شعر کہے ہیں جہاں پردے دبیز ہیں وہاں وہ اپنے ذوق کی تسکین اور ذہنی افتاد کو ملحوظ رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ یہ بات غالب کی محدود نہیں لیکن ان کی شاعری کا غالب عنصر علم کی پیاس بجھانے، ذوق کی تسکین کرنے اور اسے اپنی ذہنی افتاد سے کام لینے کی صلاحیتوں پر منحصر ہے۔غزل کا اچھا اور بڑا شاعر وہ ہے جو خود کلامی کے انداز میں شعر کہتا ہے۔

ایسے شاعر فن کی پابندیوں سے بغاوت کرتے ہیں لفظ کو لغات کی قید سے آزاد کرتے ہیں۔ لفظ کے معنی سے پرواہ نہیں کرتے، انھیں نئی نئی معنویت دیتے ہیں گویا ان میں تازہ روح

غالب! حضور رسالت مآب ﷺ میں

شاعری کا دار و مدار دیگر لوازمات کے علاوہ علم اور تخئیل پر ہوتا ہے۔ یہی سب سے اہم اور باہم پیوست ہیں۔ علم میں جتنی گہرائی ہوگی تخئیل میں اتنی ہی بلندی ہوگی۔ اس اعتبار سے ہمارے مقبول شاعروں کا جائزہ لیا جائے تو غالب ایک ممتاز اور منفرد مقام پر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے بعض اشعار کو ناقابلِ فہم قرار دیا جاتا ہے اس میں قصور غالب کا نہیں ہماری نارسائی کا ہے۔ وہ اپنی فکر اور اپنے خیال کی سطح سے اتر کر شاعری کرنا گوارا نہیں کرتے۔ ہم اپنی ذہنی سطح کو بلند کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

غالب نے غزل کے مزاج کو پوری طرح سمجھا ہے اس کے صنفی لوازمات کا احساس کیا ہے ان کی کامل پاس داری کے ساتھ شاعری کی ہے۔ غزل واضح اظہار کا ذریعہ نہیں ہے اس میں رمزیت اور ایمائیت کے پردوں میں بات کی جاتی ہے۔ شاعر کے ہاں کبھی یہ پردے مہین ہوتے ہیں کبھی دبیز! غالب نے دونوں انداز روا رکھے ہیں جہاں پردے مہین ہیں وہاں گویا انھوں نے دوسروں کے لیے شعر کہے ہیں جہاں پردے دبیز ہیں وہاں وہ اپنے ذوق کی تسکین اور ذہنی افتاد کو ملحوظ رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ یہ بات غالب کی محدود نہیں لیکن ان کی شاعری کا غالب عنصر علم کی پیاس بجھانے، ذوق کی تسکین کرنے اور اسے اپنی ذہنی افتاد سے کام لینے کی صلاحیتوں پر منحصر ہے۔ غزل کا اچھا اور بڑا شاعر وہ ہے جو خود کلامی کے انداز میں شعر کہتا ہے۔

ایسے شاعر فن کی پابندیوں سے بغاوت کرتے ہیں لفظ کو لغات کی قید سے آزاد کرتے ہیں۔ لفظ کے معنی سے پرواہ نہیں کرتے، انھیں نئی نئی معنویت دیتے ہیں گویا ان میں تازہ روح پھونکتے ہیں۔ خود کلامی میں لہجہ دھیما، الفاظ نرم لیکن مفہوم کبھی بھرپور اور کبھی تشنہ ہوتا ہے۔ انھیں عناصر سے غزل مزین ہوتی ہے تشنہ مفہوم کی رعایت سے فقرہ ایجاد ہوا کہ ''شعر کے معنی بطن شاعر میں ہوتے ہیں'' یوں تو یہ بات درست معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صاحب علم اور صاحب ذوق جو شاعر کے مزاج شاعری سے واقف ہوتا ہے وہ مفہوم تک تھوڑی سی توجہ کے بعد پہنچ جاتا ہے جس شاعری کی شناخت جن انفرادی خصوصیات سے متعین ہوجاتی ہے وہی تشنگی کو دور کرنے اور معنی و مفہوم کی گہرائی تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ برصغیر کے ان شاعروں میں جنھوں نے اردو اور فارسی میں درجۂ کمال کی شاعری کی ہے ان میں غالب ایسا شاعر ہے جس کے کلام کی شرح اساتذۂ فن نے کی ہے کسی دوسرے بڑے شاعر کے کلام کی شرحیں اتنی تعداد میں نہیں ہیں۔ حالی، نظم طباطبائی، بیان یزدانی، حسرت، نیاز اور فرمان جیسے سخن فہم اور شاعر کے مزاج شناس اہل علم نے توضیح وتشریح میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ ان کے درمیان اختلاف رائے ہے لیکن اس لیے نہیں کہ ایک نے درست سمجھا دوسرا قاصر رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے فہم کی رسائی جہاں تک ہوئی اسی کے مطابق اس نے شعر فہمی کا حق ادا کیا۔ شارح کی فہم کا دار و مدار بھی اس کے علم اور افتادِ طبع پر ہوتا ہے۔ غالب کے بعض اشعار پر شارحین نے ناقابل فہم اور مبہم کی مہریں ثبت کر دی ہیں ان کی وجوہ یہی ہیں ایک یہ کہ شاعر نے خود کلامی میں مفہوم کو غیر مکمل چھوڑ دیا ہو۔ مکمل مفہوم اس کے ذہن میں موجود لیکن الفاظ اس کو گرفت میں لینے کے نااہل ہوتے ہیں اس طرح بات ادھوری رہ جاتی ہے۔ ایسے میں ضرورت ہوتی ہے کہ شاعر کے مزاج کے مطابق محذوت کے لیے مفروضات کا سہارا لیا جائے دوسری وجہ شعر کو شاعر کے مزاج کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرنے کے بہ جائے شعر کو اپنے مزاج کے رنگ میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ بات عام ہے کہ مجاز کے شعر تو حقیقت کی طرف اور حقیقت کے اشعار کو مجاز کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ اسے چاہے غزل کا حسن سمجھا جائے یا خامی لیکن یہ کیفیت عام ہے اس کے لیے پہلے تو شاعر کے مزاج کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے اور دوسرے ایک ایک لفظ پر غور کرنا چاہیے کہ وہ اشارہ مجاز کی طرف کر رہے ہیں یا حقیقت کی طرف۔ ان دو باتوں کے علاوہ قاری کی افتادِ طبع اس کی حقیقی رہنمائی کرتی ہے جس کیفیت میں وہ شعر پڑھتا

ہے اس کے مطابق مفہوم اس کے ذہن میں ابھرتا ہے۔ ایک خاص کیفیت میں اگر ایک شعر مجاز کا معلوم ہوتا ہے دوسری خاص کیفیت میں حقیقت کا معلوم ہوتا ہے (بہ شرط یہ کہ الفاظ واضح رہ نمائی نہ کر رہے ہوں) ہر دو صورتوں میں قاری درست ہے اسی طرح حمد و نعت ہی ایسے مرحلے آتے ہیں جہاں حمد میں نعت کا قیاس ہوتا ہے اور نعت پر حمد ہونے کا گمان!

ان تمہیدی جملوں میں، میں نے اپنی فہم کے مطابق شعر گوئی اور سخن فہمی کے بنیادی اصولوں کی طرف اشارے کیے ہیں آئندہ مباحث میں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو شاید بات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

غالب چاہے مشروط دعویٰ کریں یا غیر مشروط انھیں ولی باور کرنا ممکن نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ملحد نہ تھے موحد تھے، وہ کافر نہ تھے، گنہ گار تھے۔ ان کو عام انسانوں کی طرح غلطیوں کا خوگر سمجھا جا سکتا ہے لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ ان کو گنہ گار ہونے کا اعتراف تھا اگر چہ گناہ کا جواز تھا اور نہ ان پر اصرار تھا۔ اگر اشعار میں کہیں بے اعتدالی اور بے راہ روی کا گمان بھی ہوتا ہے اس کی حیثیت شاعرانہ شوخی سے زیادہ نہیں۔ وہ مے نوشی کے عادی اور اس کا اعتراف اشعار میں بھی کرتے ہیں اس معاملے میں ایک گونہ بے خودی کا نا قابل قبول جواز بھی پیش کرتے ہیں۔ ان لغزشوں کے باوجود ان کا دل صاف تھا وہ روح کی گہرائیوں سے وجود خداوندی کے قائل اور اس کے وحدت پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ رسول پاک ﷺ کی تقدیس اور عظمت کے بھی قائل تھے۔ ان دونوں موضوعات پر اردو میں کم لیکن فارسی میں زیادہ اشعار ملتے ہیں۔ حمد ہو یا نعت ہر ایک میں ان کا مخصوص لہجہ اور دوسروں سے مختلف زاویۂ نگاہ ہے۔ جو اس سطح پر رہ کر فکر کی گتھیاں سلجھاتا ہو کہ:

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہر بات اسی سطح سے کرے گا۔ ہمارے شاعر عموماً احد اور احمد کے فرق کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں جو نہ تو ایمان کے نقطۂ نظر سے اور نہ شاعری کے اصول سے قابل قبول ہے غالب نے خدا اور رسول کی قربتوں کے ساتھ ان کے جدا ہونے کا حال جس خوب صورتی سے ادا کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ہے اس کے مطابق مفہوم اس کے ذہن میں ابھرتا ہے۔ ایک خاص کیفیت میں اگر ایک شعر مجاز کا معلوم ہوتا ہے دوسری خاص کیفیت میں حقیقت کا معلوم ہوتا ہے (بہ شرط یہ کہ الفاظ واضح رہ نمائی نہ کررہے ہوں) ہر دو صورتوں میں قاری درست ہے اسی طرح حمد و نعت ہی ایسے مرحلے آتے ہیں جہاں حمد میں نعت کا قیاس ہوتا ہے اور نعت پر حمد ہونے کا گمان!

ان تمہیدی جملوں میں، میں نے اپنی فہم کے مطابق شعر گوئی اور سخن فہمی کے بنیادی اصولوں کی طرف اشارے کیے ہیں آئندہ مباحث میں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو شاید بات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

غالب چاہے مشروط دعویٰ کریں یا غیر مشروط انھیں ولی باور کرنا ممکن نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ملحد نہ تھے موحد تھے، وہ کافر نہ تھے، گنہ گار تھے۔ ان کو عام انسانوں کی طرح غلطیوں کا خوگر سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ ان کو گنہ گار ہونے کا اعتراف تھا اگرچہ گناہ کا جواز تھا اور نہ ان پر اصرار تھا۔ اگر اشعار میں کہیں بے اعتدالی اور بے راہ روی کا گمان بھی ہوتا ہے اس کی حیثیت شاعرانہ شوخی سے زیادہ نہیں۔ وہ مے نوشی کے عادی اور اس کا اعتراف اشعار میں بھی کرتے ہیں اس معاملے میں ایک گونہ بے خودی کا ناقابل قبول جواز بھی پیش کرتے ہیں۔ ان لغزشوں کے باوجود ان کا دل صاف تھا وہ روح کی گہرائیوں سے وجود خداوندی کے قائل اور اس کے وحدت پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ رسول پاکﷺ کی تقدیس اور عظمت کے بھی قائل تھے۔ ان دونوں موضوعات پر اردو میں کم لیکن فارسی میں زیادہ اشعار ملتے ہیں۔ حمد ہو یا نعت ہر ایک میں ان کا مخصوص لہجہ اور دوسروں سے مختلف زاویۂ نگاہ ہے۔ جو اس سطح پر رہ کر فکر کی گتھیاں سلجھاتا ہو کہ:

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہر بات اسی سطح سے کرے گا۔ ہمارے شاعر عموماً احد اور احمد کے فرق کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں جو نہ تو ایمان کے نقطۂ نظر سے اور نہ شاعری کے اصول سے قابل قبول ہے غالب نے خدا اور رسول کی قربتوں کے ساتھ ان کے جدا ہونے کا حال جس خوب صورتی سے ادا کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

فارسی کی ایک نعت کے تمام اشعار خدا اور رسول کی مرتبہ شناسی کے موضوع پر ہیں جن میں ایمان کی حرارت بھی ہے اور فکر و بیان کی صلابت بھی۔ کہتے ہیں:

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
آرے کلام حق بہ زبان محمد است

(طرز بیان محمد میں حق کا جلوہ ہے۔ کلام حق زبان محمد سے ادا ہوا ہے) شعر میں ذومعنویت ہے حق کا اشارہ ذات خداوندی کی طرف بھی ہے اور ابدی و آفاقی ہر سچائی کی طرف بھی۔ قرآن، کلام اللہ ہے جو حضرت محمد کی زبان سے ادا ہوا اور رسول کے ہر قول میں خدا کا ہی جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے دنیا کو سچائی کے ان اقدار سے روشناس کروایا جو ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے جن کے حصار میں یہ پوری کائنات ہے۔ کم لفظوں میں بھرپور مفہوم ادا کرنا ہی بلاغت کی شان ہے جو اس شعر سے واضح ہے۔ اسی نعتیہ غزل میں کہتے ہیں:

آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب
شان حق آشکار، ز شان محمد است

سائنس سے ثابت ہے کہ چاند کی روشنی اس کی اپنی نہیں۔ وہ سورج کی روشنی کی آئینہ دار ہے یعنی چاند کی روشنی کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آئینہ کے درخشاں ہونے کا یہ حال ہے تو آئینہ میں جس کا عکس ہے اس کی درخشانی کا کیا حال ہوگا۔ اس مثال کو جس کا مشاہدہ روز کا معمول ہے، پیش کرتے ہوئے غالب نے ذات رسول کو مثل چاند اور ذات خداوندی کو آفتاب قرار دیا ہے اس مثال سے ہر دو کے رتبے کا بھی تعین ہوجاتا ہے اور باہم تعلق کا بھی! نور دونوں میں یکساں ہے ایک میں بہ صورت ذات و کمال ہے دوسرے میں اس سے اکتساب کی حالت عیاں ہے۔ نور کا اشتراک بھی ہے ذات میں دوئی بھی ہے۔ اسی بات کو دوسرے انداز میں پیش کیا ہے:

تیر قضا برآئینہ در ترکش حق است
اما کشاد آں ز کمان محمد است

(تیر قضا تو حق (خدا) کے ترکش میں ہے جبکہ یہ تیر کمان محمد سے چلتا ہے)

اس کا لفظی مفہوم تو یہ ہوگا کہ جو حکم خداوندی ہے اس کی تعمیل و تکمیل ذاتِ محمدﷺ سے ہوتی

ہے دوسرے لفظوں میں خدا اور رسول کی رضا میں فرق نہیں۔ رضائے الٰہی رضائے رسولﷺ ہے۔

ذاتِ حق تعالیٰ میں رتبۂ رسالت مآب کا کیا ہے اس کے لیے عام طور پر جس حدیث قدسی کا حوالہ دیا جاتا ہے اسی کو بلیغ انداز میں غالب نے بھی موزوں کیا ہے۔

احد اور احمد کے درمیان مرتبہ کے فرق کا لحاظ کرتے ہوئے ایک کے ترکش میں تیر قضا کے ہونے اور دوسرے کی کمان سے چلنے کے بیان سے قربت و دوری یکساں طور پر واضح ہوگئی ہے اور ایمان پر کوئی زد بھی نہیں پڑی۔ ایک اور موقع پر اسی حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا ہے:

احد جلوہ گر باشیون و صفات
نبی محو حق چوں صفت عین ذات

اس سے بڑھ کر نکتہ دانی اس شعر میں ہے:

زہے شکوہ تو کاندر طراز صورت تو
زخود برآمدن صورت آفریں پیدا ست

حضورﷺ کی شان و شوکت کے کیا کہنے۔ آپ کی صورت کو سنوارنے میں صورت گر اپنے آپ سے باہر آ گیا گویا۔ آپ کی صورت اور صفات سے صورت گر کی صفات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضورﷺ کی ذات میں اللہ تعالیٰ کے نور کے ظہور کے غالب بھی قائل ہیں اسی لیے کہا ہے:

منظور تھی یہ شکل، تجلّی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

اپنی نعتیہ فارسی غزل میں جس کا ذکر ہو رہا تھا غالب نے اظہار کے پیرائے بدل بدل کر نعت گوئی کا حق ادا کیا ہے۔ایک عام مضمون کو اپنے خاص رنگ میں یوں کہا ہے:

دانی اگر بہ معنی لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد است

''لولاک'' کا اشارہ **لولاک لما خلقت الافلاک** کی طرف ہے۔ ارشاد

ہے دوسرے لفظوں میں خدا اور رسول کی رضا میں فرق نہیں۔ رضائے الٰہی رضائے رسولﷺ ہے۔

ذاتِ حق تعالیٰ میں رتبۂ رسالت مآب کا کیا ہے اس کے لیے عام طور پر جس حدیث قدسی کا حوالہ دیا جاتا ہے اسی کو بلیغ انداز میں غالب نے بھی موزوں کیا ہے۔

احد اور احمد کے درمیان مرتبہ کے فرق کا لحاظ کرتے ہوئے ایک کے ترکش میں تیر قضا کے ہونے اور دوسرے کی کمان سے چلنے کے بیان سے قربت و دوری یکساں طور پر واضح ہوگئی ہے اور ایمان پر کوئی زد بھی نہیں پڑی۔ ایک اور موقع پر اسی حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا ہے:

احد جلوہ گر باشیون و صفات
نبی محو حق چوں صفت عین ذات

اس سے بڑھ کر نکتہ دانی اس شعر میں ہے:

زہے شکوہ تو کاندر طراز صورت تو
زخود برآمدن صورت آفریں پیدا ست

حضورﷺ کی شان و شوکت کے کیا کہنے۔ آپ کی صورت کو سنوارنے میں صورت گر اپنے آپ سے باہر آگیا گویا۔ آپ کی صورت اور صفات سے صورت گر کی صفات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضورﷺ کی ذات میں اللہ تعالیٰ کے نور کے ظہور کے غالب بھی قائل ہیں اسی لیے کہا ہے:

منظور تھی یہ شکل، تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

اپنی نعتیہ فارسی غزل میں جس کا ذکر ہو رہا تھا غالب نے اظہار کے پیرائے بدل بدل کر نعت گوئی کا حق ادا کیا ہے۔ ایک عام مضمون کو اپنے خاص رنگ میں یوں کہا ہے:

دانی اگر بہ معنی لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد است

''لولاک'' کا اشارہ **لولاک لما خلقت الافلاک** کی طرف ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ اگر محمدﷺ نہ ہوتے تو خالق نے افلاک کو ہی پیدا نہ کیا ہوتا۔ گویا ذات رسول پاک سبب تخلیق کائنات ہے۔ حق تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ حضرت محمدﷺ کے پاس ہے۔

انسان کا یہ وطیرہ ہے کہ جو چیز اس کو عزیز ہوتی ہے حسب موقع وہ اس کی قسم کھاتا ہے... یہی رویہ ذات پاک نے اختیار کیا ہے اور حضرت محمد کی قسم کھا کر ثابت کر دیا کہ آپؐ ہی خداوند تعالیٰ کے لیے عزیز ترین تھے۔

ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد
سوگند کردگار بجان محمد است

ہمارے شاعر اپنی محبوب ہستی کی بلند قامتی کا ذکر کرتے اور اسے سرو سے بلند تر قرار دیتے ہیں۔ غالب نے حضورﷺ کے قامت کی بلندی کا ذکر راست نہیں بلکہ اشارتی انداز میں کیا ہے جب وہ کہتے ہیں کہ:

واعظ حدیث سایہ طوبیٰ فرو گزار
کاینجا سخن ز سرو رواں محمد است

شاعر واعظ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ ''یہ کیا سایۂ طوبیٰ کا ذکر لے بیٹھو ہو طوبیٰ کی حیثیت کی کیا بات کرتے ہو یہاں تو حضرت محمد کے سرِ رواں کی بات ہو رہی ہے۔'' کس قدر بلیغ انداز بیان ہے کہ معلوم عظمت کی نفی کر کے مقابلہ میں ایسی ہستی کو پیش کیا جائے کہ جس کی عظمت اس سے بھی برتر ہو۔

حضور کی قدرت اس سے بھی عیاں ہے کہ جو کام تمام مخلوق کے لیے حد امکان سے باہر ہے وہ آپ کی انگلی کی معمولی جنبش سے وقوع پذیر ہوسکتی ہے۔ اس قدرت کو لوگ معجزہ کہتے ہیں۔

بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنان محمد است

حضورﷺ کے جسم اطہر پر ایک ایسا نشان تھا جسے مہر نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسا نشان آپؐ کے لیے خاص تھا اس کی انفرادیت ہی اس کی عظمت ہے لیکن عظمت بالذات

نہیں ہے بلکہ حضورﷺ کی نسبت سے اس کی عظمت بنی اور عزت و توقیر بنی ہے۔

شاعر حضورﷺ کی توصیف کے لائق اپنے آپ کو نہیں پاتا اور کارِعظیم کو خدائے تعالیٰ کے لیے چھوڑ دیتا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

کاں ذات پاک، مرتبہ دان محمد است

حقیقت یہ ہے کہ وہی توصیف کا حق ادا کرسکتا ہے جو کسی کا مرتبہ دان ہو حضورﷺ کا مرتبہ دان اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ انسان آپ کے مرتبہ کے بارے میں اپنے قیاس سے کام لیتے ہیں اور قیاس کی پہنچ حقیقت بلندی تک نہیں پہنچ سکتی۔

غالب کے ذہن میں معراج کا واقعہ اسی طرح چھایا رہا کہ جب بھی انھوں نے حضورﷺ کا خیال کیا آپ کے قدم زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر نظر آئے کبھی تو فارسی میں کہا:

چوں بپوئی بہ زمیں، چرخ زمیں تو شود

خوش بہشتے ست کہ کس راہ نشیں تو شود

جب آپؐ زمین پر چلتے ہیں تو آسمان اُتر کر آپ کے لیے زمین بن جاتا ہے اور آپؐ کی رہ گزر میں بیٹھنے والے خود کو بہشت میں باور کرتے ہیں۔ یہ اعزاز آسمان کو میسر ہوا کہ اس نے آپ کی قدم بوسی کی۔ وہ اس پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ غالب نے اپنی ذات اور فکر کو کبھی آسماں سے کمتر نہیں سمجھا لیکن افسوس کیا تو اس بات پر کہ آسمان کو تو اجازت قدم بوسی کی عطا ہوئی اور شاعر آسماں کے برابر ہونے کے باوجود اس سعادت سے محروم رہا۔

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے

کیا آسماں کے برابر نہیں ہوں میں

اسی طرح حسن تعلیٰ سے کام لیتے ہوئے مزید کہا ہے:

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے

لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

رکھتے ہو قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ

نہیں ہے بلکہ حضورﷺ کی نسبت سے اس کی عظمت بنی اور عزت و توقیر بنی ہے۔

شاعر حضورﷺ کی توصیف کے لائق اپنے آپ کو نہیں پاتا اور کارِ عظیم کو خدائے تعالیٰ کے لیے چھوڑ دیتا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک، مرتبہ دان محمد است

حقیقت یہ ہے کہ وہی توصیف کا حق ادا کرسکتا ہے جو کسی کا مرتبہ دان ہو حضورﷺ کا مرتبہ دان اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ انسان آپ کے مرتبہ کے بارے میں اپنے قیاس سے کام لیتے ہیں اور قیاس کی پہنچ حقیقت بلندی تک نہیں پہنچ سکتی۔

غالب کے ذہن میں معراج کا واقعہ اسی طرح چھایا رہا کہ جب بھی انھوں نے حضورﷺ کا خیال کیا آپ کے قدم زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر نظر آئے کبھی تو فارسی میں کہا:

چوں بپوئی بہ زمیں، چرخ زمیں تو شود
خوش بہشتے ست کہ کس راہ نشیں تو شود

جب آپؐ زمین پر چلتے ہیں تو آسمان اُتر کر آپ کے لیے زمین بن جاتا ہے اور آپؐ کی رہ گزر میں بیٹھنے والے خود کو بہشت میں باور کرتے ہیں۔ یہ اعزاز آسمان کو میسر ہوا کہ اس نے آپ کی قدم بوسی کی۔ وہ اس پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ غالب نے اپنی ذات اور فکر کو کبھی آسماں سے کمتر نہیں سمجھا لیکن افسوس کیا تو اس بات پر کہ آسمان کو تو اجازت قدم بوسی کی عطا ہوئی اور شاعر آسماں کے برابر ہونے کے باوجود اس سعادت سے محروم رہا۔

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
کیا آسماں کے برابر نہیں ہوں میں

اسی طرح حسن تعلّی سے کام لیتے ہوئے مزید کہا ہے:

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہو قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبہ ہی مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں

غالب کے ذہن پر معراج کا واقعہ اس قدر مسلط رہا کہ وہ اس مثال کو منظر رکھ کر کسی نہ کسی طور حصول بلندی کے خواہش مند رہتے ہیں۔ جب وہ کہتے ہیں:

منظر ایک بلندی پر اور بنایا چاہیے
سرحد ادراک سے پرے ہو آشیاں اپنا

یا:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

تو معراج کا واقعہ ہی اس کا محرک ہوتا ہے۔

حضورﷺ ذات کے اعتبار سے بشر اور صفات کے لحاظ سے فوق البشر تھے وہ انسانوں کے لیے نمونہ تھے۔ صالحین کا یہ فرض ہے کہ وہ حضور کے درجات تک تو نہیں پہنچ سکتا کہ وہ عطائے الٰہی تھے لیکن اس کو کیا کہیے کہ آرزوؤں اور تمناؤں پر قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ اگر غالب کی آرزو اور خواہش سرحد ادراک سے پرے آشیاں بنایا چاہتی ہے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں:

غالب کا ایک مشہور شعر ہے:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش کف پا پایا

شارحین، اقبال کے اس شعر کو اس کی وضاحت کے لیے پیش کرتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

لیکن میری رائے میں ''دشت امکاں'' کو ''ایک نقش پا'' بتلا کر غالب نے ''گردوں'' کی اہمیت کی نفی کردی، ''دشت امکاں'' کے حصار میں سارے ''گردوں'' آجاتے ہیں جو نگاہ بشر کے حد میں ہیں یا اس سے پرے ہیں۔ غالب کے خیال میں آدم کا جنت سے نکل کر دشت امکان میں پہلا قدم رکھنا ایک تجربہ تھا جس کا نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ یہ عالم رنگ و بو اپنی

تمام وسعتوں کے باوجود فانی اور حقیر ہے اس کی حیثیت اور اہمیت ''نقش کف پا'' سے زیادہ نہیں۔ اب ابن آدم کی تمنا دوسرے قدم کی خواہش مند ہے صرف تعین منزل کی ضرورت ہے یہ اشارہ یا تو حیات مابعد الموت کی طرف ہوسکتا ہے یا سرحد ادراک سے پرے یعنی معراج کی طرف! میرا ذہن معراج کی طرف رہنمائی کرتا ہے غالب حیات مابعدالموت کے قائل ہونے کے باوجود اس کی طرف کم ہی مائل ہوتے ہیں۔

غالب نے اس شعر میں ''دشت امکاں'' کو یک کف پا کا درجہ دے کر اس کی اہمیت سے انکار کر دیا ایک دوسرے شعر میں وہ جنت کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں، کہتے ہیں:

یا تمنائے من از خلد بریں نہ گزشتے
یا خود امید گہے درخور آں می بایست

(یا تو میری تمنا خلد بریں سے آگے نہ جاتی یا پھر اس بلند تمنا کے مناسب کوئی بلند اُمیدگاہ ہونی چاہیے تھی) اس بلند امیدگاہ کا اشارہ معراج سے ملتا جلتا کوئی رُتبہ حاصل کرنا ہے جو خدا کے روبہ رو پہنچادے۔

وہ اپنی قوت تخئیل کی پرواز کے لیے کوئی اور استعارہ استعمال نہیں کرتے سوائے معراج کے!

اینک زدہ ام بال تقاضاز دو مصرع
تا مژدۂ معراج و ہم سعی بیاں را

جس غزل کا یہ شعر ہے اس کے کئی اشعار کو نعتیہ ہی سمجھا جاتا ہے اگر چہ ان میں اس بات کا کوئی واضح اشارہ نہیں ہے، مثلاً:

جستیم سراغ چمن خلد بہ مستی
درگرد خرام تو، رہ افتاد گماں را

(ہم عالم مستی میں خواہ مخواہ چمن خلد کی تلاش میں تھے کہ اچانک خیال آیا
کہ ان کے عالم خرام میں اڑی ہوئی گرد ہوائے خلد سے کم نہیں ہے)

غالب کے ذہن میں جنت کا تصور کسی نہ کسی طور حضور کی ذات سے وابستہ ہے۔ وہ آپ کے سراپا کا ذکر کرتے ہیں تو عام انداز بیان سے ہٹ کر آپ کو بہشت شمائل کہتے ہیں جیسے:

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے

تمام وسعتوں کے باوجود فانی اور حقیر ہے اس کی حیثیت اور اہمیت ''نقش کف پا'' سے زیادہ نہیں۔ اب ابن آدم کی تمنا دوسرے قدم کی خواہش مند ہے صرف تعین منزل کی ضرورت ہے یہ اشارہ یا تو حیات مابعد الموت کی طرف ہوسکتا ہے یا سرحد ادراک سے پرے یعنی معراج کی طرف! میرا ذہن معراج کی طرف رہنمائی کرتا ہے غالب حیات مابعدالموت کے قائل ہونے کے باوجود اس کی طرف کم ہی مائل ہوتے ہیں۔

غالب نے اس شعر میں ''دشت امکاں'' کو یک کف پا کا درجہ دے کر اس کی اہمیت سے انکار کردیا ایک دوسرے شعر میں وہ جنت کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں، کہتے ہیں:

یا تمنائے من از خلد بریں نہ گزشتے
یا خود امید گہے درخور آں می بایست

(یا تو میری تمنا خلد بریں سے آگے نہ جاتی یا پھر اس بلند تمنا کے مناسب کوئی بلند اُمیدگاہ ہونی چاہیے تھی) اس بلند امیدگاہ کا اشارہ معراج سے ملتا جلتا کوئی رُتبہ حاصل کرنا ہے جو خدا کے روبہ رو پہنچادے۔

وہ اپنی قوت تخیّل کی پرواز کے لیے کوئی اور استعارہ استعمال نہیں کرتے سوائے معراج کے!

اینک زدہ ام بال تقاضاز دو مصرع
تا مژدۂ معراج و ہم سعی بیاں را

جس غزل کا یہ شعر ہے اس کے کئی اشعار کو نعتیہ ہی سمجھا جاتا ہے اگرچہ ان میں اس بات کا کوئی واضح اشارہ نہیں ہے، مثلاً:

جستیم سراغ چمن خلد بہ مستی
درگرد خرام تو، رہ افتاد گماں را

(ہم عالم مستی میں خواہ مخواہ چمن خلد کی تلاش میں تھے کہ اچانک خیال آیا
کہ ان کے عالم خرام میں اڑی ہوئی گرد ہوائے خلد سے کم نہیں ہے)

غالب کے ذہن میں جنت کا تصور کسی نہ کسی طور حضور کی ذات سے وابستہ ہے۔ وہ آپ کے سراپا کا ذکر کرتے ہیں تو عام انداز بیان سے ہٹ کر آپ کو بہشت شمائل کہتے ہیں جیسے:

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گزر میں گرد نہیں

اور اس کبھی اس مقام فضیلت کو جنت ماننے سے انکار کردیتے ہیں جس میں آپ کا جلوہ نہ ہو:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

اے خاک درت قبلہ جان و دل غالب
کز فیض تو پیرایہ ہستی است جہاں را

(آپؐ کے در کی مستی غالب کے لیے جان و دل کا قبلہ ہے۔
کیوں کہ آپؐ کے فیض سے ہی ہستی کائنات کی رونق ہے)

بر امت تو دوزخ جاوید حرام است
حاشا کہ شفاعت نہ کنی سوختگاں را

آپؐ کی امت پر دوزخ جاوید حرام ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ اپنی اُمت کے افراد کو شفاعت کے ذریعے جلنے سے نہ بچالیں۔

حضورﷺ کا شافع محشر ہونا مسلمانوں کا جزو ایمان ہے ایک قیاس یہ ہے روزِ قیامت حضورﷺ شفاعت کے لیے موجود ہوں گے اور جس جس کو اپنی امت میں شامل سمجھیں گے اس کے گناہ معاف کروا کر دوزخ کے دروازے اس پر بند کروادیں گے ایک قیاس یہ بھی ہے کہ ملحد ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل رہیں گے۔ گنہ گاروں کو ان کے گناہوں کی شدت کے لحاظ سے سزائیں ہوں گی اور جب دوزخ میں خاص مدت کے گزرنے کے بعد ان کی روح کی کثافت دُور ہوجائے گی تو وہ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے جبکہ غالب کا کہنا ہے کہ اگر حضور کی امت کا کوئی فرد دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو آپ اس کا آتش جہنم میں جلنا گوارہ نہیں کریں گے آپ کی شفاعت کام آئے گی اور اُمتی جلنے سے بچ جائے گا۔

حضورﷺ کی ذاتِ گرامی اس قدر قابلِ احترام ہے کہ خدا سے ہی آپؐ کی مرتبہ شناسی اور توصیف کا حق ادا ہوسکتا ہے جو آپ کو پہچاننے کی خواہش کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے ''مئے مشاہدۂ حق'' سے سرشار ہو۔ یعنی خداشناسی سے محمدﷺ شناسی اور محمدﷺ شناسی سے خدا شناسی کا حق ادا ہوسکتا ہے اسی بات کو غالب نے اپنے انداز میں یوں

بیان کیا ہے:

مذاق مشرب فقر محمدی داری
مے مشاہدۂ حق نیوش و دم درکش

آپؐ کی عظمت اور بلند منزلت ظاہر کرنے کے لیے غالب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اگر آپؐ احرام باندھے کعبے کا رخ کریں تو کعبہ بھی ''فرش سیاہ'' کا احرام باندھے آپؐ کی طرف قدم بڑھائے گا۔

تا تو بہ عزم حرم ناقہ فگندی بہ راہ
کعبہ ز فرش سیاہ مردمک احرام شد

مردمک احرام سے مراد آنکھ کی پتلی کو احرام بنا لینا ہے۔

جب حضورﷺ نے حرم کا ارادہ کرکے اپنی اونٹنی کو چلایا تو کعبہ نے اپنے فرش سیاہ سے آنکھ کی پتلی کا کام لیا اسے احرام بنا کر آپؐ کے استقبال کے لیے بڑھا۔

اس شعر میں ایسا واضح اشارہ نہیں ہے کہ اسے حضورﷺ سے متعلق سمجھا جائے۔ اس نوع کے اشعار کے سلسلہ میں کئی امور کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔

پہلا امر یہ کہ غزل کا مجموعی مزاج کیا ہے۔ اگر اکثر اشعار مجاز کے مضامین سے ہٹ کر ہیں تو ایسے شعر کو مجاز کا نہ سمجھا جائے۔

دوسرے الفاظ خود رہنمائی کرتے ہیں۔شعر کا مجموعی تأثر مستعمل الفاظ کا مرہونِ منّت ہوتا ہے جس سے اہل ذوق بآسانی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔محولہ بالا شعر خود کہہ رہا ہے کہ کعبہ کا احرام باندھ کر پیش قدمی کرنا کسی محبوب مجازی یا دنیاوی شخصیت کے لیے نہیں ہوسکتا۔ یہ کیفیت دنیا کی معزز ترین شخصیت کی طرف ذہن کی رہنمائی کرتی ہے اور ایک مسلمان شاعر کے قلم سے لکھے جانے کے بعد معزز ترین شخصیت کے تعین میں کوئی دُشواری باقی ہیں رہتی۔

تیسری بات پڑھنے والے کا ذوق اور اس لحہ کی کیفیت ہے جس میں اس نے شعر پڑھا یا سنا ہے پاکیزہ ذہن لوگ شریفانہ خیالات رکھتے ہیں اور شعر کے مفہوم کو اس کے مطابق سمجھتے ہیں لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ الفاظ ان کے خیال کی تائید کررہے ہوں۔ اگر شعر میں چوڑیوں اور پائل کی جھنکار، لطف ہم آغوشی اور اس قسم کی باتیں ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کو کسی

بیان کیا ہے:

مذاق مشرب فقر محمدی داری
مے مشاہدۂ حق نیوش و دم درکش

آپؐ کی عظمت اور بلند منزلت ظاہر کرنے کے لیے غالب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اگر آپؐ احرام باندھے کعبے کا رخ کریں تو کعبہ بھی ''فرش سیاہ'' کا احرام باندھے آپؐ کی طرف قدم بڑھائے گا۔

تا تو بہ عزم حرم ناقہ فگندی بہ راہ
کعبہ ز فرش سیاہ مردمک احرام شد

مردمک احرام سے مراد آنکھ کی پتلی کو احرام بنا لینا ہے۔

جب حضورﷺ نے حرم کا ارادہ کرکے اپنی اونٹنی کو چلایا تو کعبہ نے اپنے فرش سیاہ سے آنکھ کی پتلی کا کام لیا اسے احرام بنا کر آپؐ کے استقبال کے لیے بڑھا۔

اس شعر میں ایسا واضح اشارہ نہیں ہے کہ اسے حضورﷺ سے متعلق سمجھا جائے۔ اس نوع کے اشعار کے سلسلہ میں کئی امور کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔

پہلا امر یہ کہ غزل کا مجموعی مزاج کیا ہے۔ اگر اکثر اشعار مجاز کے مضامین سے ہٹ کر ہیں تو ایسے شعر کو مجاز کا نہ سمجھا جائے۔

دوسرے الفاظ خود رہنمائی کرتے ہیں۔ شعر کا مجموعی تاثر مستعمل الفاظ کا مرہونِ منّت ہوتا ہے جس سے اہل ذوق بآسانی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ محولہ بالا شعر خود کہہ رہا ہے کہ کعبہ کا احرام باندھ کر پیش قدمی کرنا کسی محبوب مجازی یا دنیاوی شخصیت کے لیے نہیں ہو سکتا۔ یہ کیفیت دنیا کی معزز ترین شخصیت کی طرف ذہن کی رہنمائی کرتی ہے اور ایک مسلمان شاعر کے قلم سے لکھے جانے کے بعد معزز ترین شخصیت کے تعین میں کوئی دشواری باقی ہیں رہتی۔

تیسری بات پڑھنے والے کا ذوق اور اس لمحہ کی کیفیت ہے جس میں اس نے شعر پڑھا یا سنا ہے پاکیزہ ذہن لوگ شریفانہ خیالات رکھتے ہیں اور شعر کے مفہوم کو اس کے مطابق سمجھتے ہیں لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ الفاظ ان کے خیال کی تائید کر رہے ہوں۔ اگر شعر میں چوڑیوں اور پائل کی جھنکار، لطف ہم آغوشی اور اس قسم کی باتیں ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کو کسی

مقدس اور قابل تعظیم شخصیت کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

شعر کے معنوں میں صرف شاعر کی ذات، اشعار کے الفاظ اور لب و لہجہ کو ہی دخل نہیں ہوتا بلکہ قاری کی وقتی ذہنی کیفیت یا موڈ کو بھی دخل ہوتا ہے ایک خاص موڈ میں جو شعر پسند آتا ہے ضروری نہیں کہ موڈ کی تبدیلی کے بعد پسند کی وہی کیفیت ہو۔ قاری کو یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ شعر کو اپنے مزاج کے مطابق معنی دے۔ اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔

غالب کے مزید چند اشعار پیش کرنے کی جرأت بے جا نہیں ہوگی جن کو پڑھ کر ہمارا ذہن انہیں نعتیہ باور کرنے پر مائل ہو۔

بے وجہ در رھت نیست از پا فتادن من
بر دیدہ می نشانم، در ہر قدم، قدم را

غالب نے چلتے چلتے بار بار گر جانے کی توجیح یہ پیش کی ہے کہ وہ دراصل ان قدموں کو آنکھوں پر بٹھانا چاہتے ہیں جو آپ کی چلی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں۔ اس کیفیت کا اندازہ وہ کر سکتے ہیں جو حضور کی محبت اور عقیدت دل میں لیے مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں گھومے پھرے ہوں۔

خوش است دعویٰ آرائش سر و دستار
ز جلوۂ کف خاکے کہ نقش پا دارد

جس خاک پر آپؐ کے نقش پا ہوں اس کا نظارہ ہی ہمارے سر اور دستار کی آرائش و زینت کا سامان ہے۔

بہ گلہائے بہشتم مژدہ نتواں داد در راہش
من و خاکے کہ از نقش کف پائے نشاں دارد

آپ کے راستے پر چلتے ہوئے باغ بہشت کے پھولوں کی خوش خبری کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ میں تو بس اس خاک کا گرویدہ ہوں جن پر آپ کے نشان کف پا ہوں۔

ممکن ہے یہ شعر کسی کے ذہن کو محبوب مجازی کے کف پا کی تعظیم کا احساس دلائے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم جیسے سخن فہم نے اسے محبوب حقیقی کی طرف منسوب کیا ہے حالاں کہ ''نشان کف پا'' سے اس طرف خیال جا ہی نہیں سکتا۔ لیکن صوفی صاحب کی تردید کی اس لیے

گنجائش پیدا نہیں ہوتی۔ جس کیفیت میں انھوں نے شعر کو سمجھنے کی سعی کی اس کیفیت نے ان کی رہنمائی ''محبوب حقیقی'' کی ہوگی۔

سخت اصولوں سے پرکھا جائے تو غالب کو ''نعت گو'' شعرا کے حلقے میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ انھوں نے اس صنف پر باقاعدہ طبع آزمائی نہیں کی ہے۔ ان کی غزلوں میں چیدہ چیدہ نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ فارسی میں ایک غزل ایسی ہے جسے نعتیہ غزل کہا جا سکتا ہے باوجود اس کے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ وہ دل اور روح کی گہرائیوں سے توحید اور آں حضرت ﷺ کی رسالت کے قائل تھے اور ان دونوں امور کو ایمان اور شفاعت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے انداز ہوتا ہے کہ وہ دو معاملوں میں یقین کی منزل پر تھے ایک:

شعر غالب نبود و می و نگویم و لے
تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامے ہست

(غالب کے اشعار وحی تو نہیں ہیں اور نہ ہم یہ کہتے ہیں لیکن اللہ کی قسم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ اشعار الہام ہیں)

اور دوسرے:

اس کی اُمت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شے کے غالب گنبد بے در کھلا

گنجائش پیدا نہیں ہوتی۔ جس کیفیت میں انھوں نے شعر کو سمجھنے کی سعی کی اس کیفیت نے ان کی رہنمائی ''محبوب حقیقی'' کی ہوگی۔

سخت اصولوں سے پرکھا جائے تو غالب کو 'نعت گو' شعرا کے حلقے میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ انھوں نے اس صنف پر باقاعدہ طبع آزمائی نہیں کی ہے۔ ان کی غزلوں میں چیدہ چیدہ نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ فارسی میں ایک غزل ایسی ہے جسے نعتیہ غزل کہا جا سکتا ہے باوجود اس کے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ وہ دل اور روح کی گہرائیوں سے توحید اور آں حضرت ﷺ کی رسالت کے قائل تھے اور ان دونوں امور کو ایمان اور شفاعت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے انداز ہوتا ہے کہ وہ دو معاملوں میں یقین کی منزل پر تھے ایک:

شعر غالب نبود و می و نگویم و لے
تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامے ہست

(غالب کے اشعار وحی تو نہیں ہیں اور نہ ہم یہ کہتے ہیں لیکن اللہ کی قسم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ اشعار الہام ہیں)

اور دوسرے:

اس کی اُمت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شے کے غالب گنبد بے در کھلا

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری

غالب کی نعتیہ شاعری

غالب نے ایک موقع پر اپنی فارسی دانی اور نقش ہائے رنگا رنگ کی نمائش سے اپنی جبلّی وابستگی کی بابت کیا تھا:

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

ان کا یہ دعویٰ دیگر اصناف سخن اور دیگر موضوعات شعر و شاعری کی بابت درست ہو یا نہ ہو لیکن نعتیہ شاعری کے حوالے سے ان کا یہ دعویٰ صد فی صد درست اور صحیح ہے۔

اردو نعت گوئی میں غالب کا کوئی شعری اثاثہ معرض وجود میں نہیں ہے راقم کی دانست کی حد تک ان کی اس مشہور و معروف غزل کا مقطع، جس کا مطلع درج ذیل ہے، تذکرۂ معراج کے حوالے اور نبی خیر الانام کے تذکار کے باعث خالص نعت کے رنگ میں شرابور ہے۔ اردو زبان میں اس مقطع کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا شعر بطور شعر نعت محفوظ نہیں ہے۔ محولہ بالا مطلع و مقطع ملاحظہ ہوں:

بزمِ شہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا، رکھیو یا رب! یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا[☆1]

اس کی اُمت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ ﷺ کے غالب! گنبد بے در کھلا[☆2]

غزل کا یہ مقطع جس میں خالص نعت کا مضمون نظم ہے، دیدنی اور قابل داد ہے۔ صنعت تضاد

کے حسین استعمال سے قطع نظر معنوی اعتبار سے بھی غالبؔ کا یہ نعتیہ شعر کافی خوب صورت اور دل آویز ہے۔ واقعۂ معراج کی بلیغ تلمیح اور اس واقعہ کے سہارے آسمان کے لیے گنبد بے در کی ترکیب گنبد کے تلازمے کے بہ طور ''کھلا'' لفظ کا استعمال اور اس برگزیدہ ہستی کی اُمت میں ہونے کا بجا افتخار اور اسی حوالہ سے اپنے کام بند نہ رہنے کا شاعر کا ایقان و اتقان... ان سبھی عناصر نے مل جل کر غالبؔ کے اس شعر کو نعت کا درۃ التاج بنا دیا ہے۔

غالبؔ نے قصیدہ در منقبت علیؓ میں درج ذیل شعر کہا ہے:

کس سے ہوسکتی ہے مداحیٔ ممدوح خدا
کس سے ہوسکتی ہے آرائش فردوس بریں☆[۳]

اور اسی طرح انھوں نے مدح تجمل حسین خاں میں کیے گئے اشعار کے مابین کہا ہے:

زباں پہ بار خدایا ! یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے☆[۴]

کئی ارباب علم نے ان اشعار کی بابت اپنی یہ بیش بہا رائے حوالۂ قرطاس کی ہے کہ ان اشعار اور ان ہی قبیل کے دوسرے اشعار کو نعت نبوی میں شمار کرنا چاہیے، لیکن راقم ان کے اس نظریہ سے متفق نہیں ہے۔ جب تخلیق کار نے ممدوح کا نام خود ہی متعین کر دیا ہے تو کسی کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ تخلیق کار کے منشا کے خلاف شاعر کی بیان کردہ صفات کا انتساب کسی دوسرے موصوف سے کرے، کیوں کہ ایسا کرنے پر سارے قصائد (چند کے استثنا کے ساتھ) نعت بن جائیں گے، کیوں کہ قصائد میں مبالغہ کا سکہ زمانۂ قدیم سے رواں دواں ہے۔☆[۵]

فارسی شاعری میں غالبؔ نے نعتوں کا ایک معتدبہ ذخیرہ بہ طور یادگار چھوڑا ہے۔ فارسی شاعری کے آخری دور میں دو باکمال شاعر پیدا ہوئے، جن میں سے ایک میرزا حبیب متخلص بہ قاآنی ہیں، (سنہ ولادت ۱۲۲۲ھ) جو نسلاً و اقامۃً ایرانی ہیں اور دوسرے مرزا اسداللہ خاں غالبؔ ہیں، جو آگرہ میں ۲۷؍ دسمبر ۱۷۹۷ء میں ولادت پزیر اور دہلی میں

کے حسین استعمال سے قطع نظر معنوی اعتبار سے بھی غالبؔ کا یہ نعتیہ شعر کافی خوب صورت اور دل آویز ہے۔ واقعۂ معراج کی بلیغ تلمیح اور اس واقعہ کے سہارے آسمان کے لیے گنبد بے در کی ترکیب گنبد کے تلازمے کے بہ طور ''کھلا'' لفظ کا استعمال اور اس برگزیدہ ہستی کی اُمت میں ہونے کا بجا افتخار اور اسی حوالہ سے اپنے کام بند نہ رہنے کا شاعر کا ایقان و اتقان... ان سبھی عناصر نے مل جل کر غالبؔ کے اس شعر کو نعت کا درۃ التاج بنا دیا ہے۔

غالبؔ نے قصیدہ درمنقبت علیؓ میں درج ذیل شعر کہا ہے:

کس سے ہوسکتی ہے مداحیٔ ممدوحِ خدا
کس سے ہوسکتی ہے آرائش فردوس بریں[3]

اور اسی طرح انھوں نے مدح تجمل حسین خاں میں کیے گئے اشعار کے مابین کہا ہے:

زباں پہ بار خدایا! یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے[4]

کئی ارباب علم نے ان اشعار کی بابت اپنی یہ بیش بہا رائے حوالۂ قرطاس کی ہے کہ ان اشعار اور ان ہی قبیل کے دوسرے اشعار کو نعت نبوی میں شمار کرنا چاہیے، لیکن راقم ان کے اس نظریہ سے متفق نہیں ہے۔ جب تخلیق کار نے ممدوح کا نام خود ہی متعین کر دیا ہے تو کسی کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ تخلیق کار کے منشا کے خلاف شاعر کی بیان کردہ صفات کا انتساب کسی دوسرے موصوف سے کرے، کیوں کہ ایسا کرنے پر سارے قصائد (چند کے استثنا کے ساتھ) نعت بن جائیں گے، کیوں کہ قصائد میں مبالغہ کا سکہ زمانۂ قدیم سے رواں دواں ہے۔[5]

فارسی شاعری میں غالبؔ نے نعتوں کا ایک معتدبہ ذخیرہ بہ طور یادگار چھوڑا ہے۔ فارسی شاعری کے آخری دور میں دو باکمال شاعر پیدا ہوئے، جن میں سے ایک میرزا حبیب متخلص بہ قاآنی ہیں، (سنہ ولادت ۱۲۲۲ھ) جو نسلاً و اقامۃً ایرانی ہیں اور دوسرے مرزا اسداللہ خاں غالبؔ ہیں، جو آگرہ میں ۲۷ر دسمبر ۱۷۹۷ء میں ولادت پزیر اور دہلی میں ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء کو فوت ہوئے۔

مرزا غالبؔ نے فارسی شاعری کے ناتواں جسم میں نیا خون دوڑایا اور اس کو توانائی عطا کی اور خاص کر نعت کے ترانے اس غنائیت اور بلند آہنگ کے ساتھ الاپے کہ در و دیوار تک گونج اٹھے۔

مرزا مبدءِ فیاض سے دل و دماغ کی وہ اعلیٰ صلاحیتیں لے کر آئے تھے کہ جہاں کہیں قلم چلا دیا، لالہ وگل اور نسرین ونسترن کے پودے نمایاں ہوگئے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ ہندوستان میں فارسی شاعری ایک ترک لاچین (خسرو) سے شروع ہوئی اور ایک ترک ایبک (غالبؔ) پر ختم ہوئی۔

غالبؔ نے اپنی فارسی نعتوں کے ذریعہ نعتیہ شاعری کو کافی رنگارنگی اور وسعت عطا کی۔ انھوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی اور قطعہ کی ہیئات میں قابل قدر اور بیش بہا سرمایۂ نعت بہ طور اثاثہ، عشاق ادب اور قارئین نعت کو مرحمت کیا۔ ان کی یہ نعتیں مضامین و اسالیب کے نقطہ ہائے نظر سے بھی متنوع اور رنگا رنگ ہیں۔ نعتوں میں ان کا انداز بیان ان کے فارسی اسلوب کی طرح سلیس اور سادہ ہے۔ ان کی مشہور نعتیہ غزل، جس کا مطلع درج ذیل ہے، اس لیے لائق تحسین ہے، کیوں کہ اس کا ہر شعر کسی نہ کسی حدیث نبویؐ یا آیت قرآنی کی تفسیر ہے۔

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد ست
آرے کلام حق بہ زبان محمد ست[6]

غالبؔ نے اپنی اس غزل میں حدیث قدسی میں **لولاک لماخلقت الافلاک**[7] اور آیات قرآنی: **وما ینطق عن الھویٰ ان ھواہ و حی یوحی ۰**[8] **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ یداللّٰہ فوق ایدیھم ۰**[9] **وما رمیت اذرمیت و لکن اللہ رمی ۰**[10] **لعمرک انھم لفی سنکرئھم یعمھون ۰**[11] وغیرہ مضامین کو مدنظر رکھ کر ''خود ہرچہ ازحق ست ازاں محمد ست'' کا اعلان کیا ہے۔ غزل کے مقطع میں اعتراف عجز کا مضمون اللہ پاک کو ''مرتبہ دان محمدؐ'' کہہ کر

ادا کیا گیا ہے اور اس طور پر اعتراف عجز سے بھی شاعر کی رمز دانی مترشح ہوتی ہے۔ غزل کے بقیہ اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، کیوں کہ ان میں بلا کی جدت و جودت اور ندرت ہے۔

آئینہ دار پر تو مہرست ماہتاب
شان حق آشکار زشان محمد ست
تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق ست
اما کشاد آں زکمان محمد ست
دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق ست از آن محمد ست
ہر کس قسم بدانچہ عزیز ست می خورد
سوگند کردگار بجان محمد ست
واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فروگزار
کا نیجا سخن ز سرور وان محمد ست
بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را[۱۲]
کاں نیمہ جنبشے زبنان محمد ست
در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آں نیز نامور زنشان محمد ست
غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کآں ذات پاک مرتبہ دان محمد ست[۱۳]

غالبؔ کے کلیات فارسی میں ۳ نعتیہ مثنویاں ہیں جن کی تفصیل ذیل میں رقم کی جاتی ہے۔

غالبؔ کی قصیر ترین نعتیہ مثنوی میں ۱۵۷ ابیات ہیں، جس کا پہلا بیت رقم ذیل ہے:

بہ نام ایزد ای کلک قدسی صریر
بہر جنبش از غیب نیرد پزیر[۱۴]

ادا کیا گیا ہے اور اس طور پر اعتراف عجز سے بھی شاعر کی رمز دانی مترشح ہوتی ہے۔غزل کے بقیہ اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، کیوں کہ ان میں بلا کی جدت و جودت اور ندرت ہے۔

آئینہ دار پرتو مہرست ماہتاب
شان حق آشکار زشان محمد ست
تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق ست
اماکشاد آں زکمان محمد ست
دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق ست از آن محمد ست
ہر کس قسم بدانچہ عزیز ست می خورد
سوگند کردگار بجان محمد ست
واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فروگزار
کا نیجا سخن ز سرور وان محمد ست
بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را ☆[12]
کاں نیمہ جنبشے زبنان محمد ست
در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آں نیز نامور زنشان محمد ست
غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد ست ☆[13]

غالبؔ کے کلیات فارسی میں ۳ نعتیہ مثنویاں ہیں جن کی تفصیل ذیل میں رقم کی جاتی ہے۔

غالبؔ کی قصیر ترین نعتیہ مثنوی میں ۵۷ ابیات ہیں، جس کا پہلا بیت رقم ذیل ہے:

بہ نام ایزد ای کلک قدسی صریر
بہر جنبش از غیب نیرد پزیر ☆[14]

دوسری مثنوی میں ابیات کی تعداد ۱۲۰ ہے اور اس کا بیت اول یوں ہے:

بعد حمد ایزد و نعت رسول
می نگارم نکتۂ چند از اصول ☆[15]

تیسری مثنوی معراج کے بیان میں ہے اور اس میں کل ۲۸۰ ابیات ہیں، جن میں بیت مندرجہ ذیل، بیت اول کی حیثیت رکھتا ہے:

ہمانا در اندیشۂ روزگار
شبے بود سرجوش لیل و نہار ☆[16]

(۱۲۰) ابیات پر مشتمل مثنوی کا عنوان ''بیان نموداری شان نبوت و ولایت کہ درحقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوہیت ست'' ہے۔اس مثنوی میں آپؐ کے منشائے ایجاد عالم ہونے، آپؐ کے رحمتہ للعالمین ہونے، آپؐ کے خاتم النّبیین ہونے اور آپؐ کے متقدم بالزماں ہونے کے مضامین نادر اسلوب میں نظم کیے گئے ہیں۔

اللہ پاک نے قرآن کریم میں زندگی کی تاریکیوں کو روشن کرنے والی ذات گرامی کو نور سے تعبیر کیا ہے۔اس سلسلے کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

قدجاء کم من اللہ نور و کتٰب مبین ☆[17]

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس اللہ کی جانب سے نور آیا اور روشن کتاب۔

یآایھا الناس قد جا ٔکم برھان من ربکم و
انزلنا الیکم نوراً مبینا ☆[18]

ترجمہ: اے لوگو بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمھاری جانب روشن نور اتارا۔

یاایھا النبی انا ارسلنک
شاھداً و مبشراً و نذیراً ○
وداعیاً الی اللّٰہ باذنہ و سراجاً
منیرا ○ ☆[19]

ترجمہ: اے نبی ہم نے آپؐ کو بھیجا گواہ اور خوش خبری سنانے والا اور

ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا
چراغ۔

غالبؔ نے اپنی اس مثنوی میں نبی اکرمﷺ کے نور ہونے کے مضمون کو متعدد طریقوں سے واضح کیا ہے۔صرف دو ابیات ملاحظہ ہوں:

جلوۂ اوّل کہ حق بر خویش کرد
مشعل از نور محمد پیش کرد

شد عیاں زاں نور در بزم ظہور
ہرچہ پنہاں بود از نزدیک و دور[☆۲۰]

شاعر نے اس مثنوی میں استغاثہ اور استعداد کے مضامین بھی نظم کیے ہیں اور نبی ختمی مآبﷺ سے مدد طلبی کو اللہ پاک سے مدد طلبی پر محمول کیا ہے۔ شاعر نعت نے اس کی وضاحت دریا موج جام اور آب از جام سے کرتے ہوئے کیا ہے:

برنیا ید کار بے فرمان شاہ
لیک ایںہاست باخاصان شاہ

☆

ہر کہ او ر نور حق نیرو فرا ست
ہر چہ از وی خواستی ہم از خدا ست

☆

بر لب دریا گر آب خوردۂ
آب از موجی بہ جام آوردۂ

☆

آب از موج آید اندر جام تو
لیکن از دریا بود آشام تو[☆۲۱]

غالبؔ نے اس مثنوی میں آپؐ کے رحمتہ للعالمین[☆۲۲]، اور ''خاتم النّبیین''[☆۲۳] ہونے پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس حقیقت کا برملا اظہار کیا ہے کہ عالم خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں، لیکن ان

ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ۔

غالبؔ نے اپنی اس مثنوی میں نبی اکرمﷺ کے نور ہونے کے مضمون کو متعدد طریقوں سے واضح کیا ہے۔صرف دو ابیات ملاحظہ ہوں:

جلوۂ اوّل کہ حق بر خویش کرد
مشعل از نور محمد پیش کرد
شدعیاں زاں نور در بزم ظہور
ہرچہ پنہاں بود از نزدیک و دور☆[20]

شاعر نے اس مثنوی میں استغاثہ اور استعداد کے مضامین بھی نظم کیے ہیں اور نبی ختمی مآبﷺ سے مدد طلبی کو اللہ پاک سے مدد طلبی پر محمول کیا ہے۔ شاعر نعت نے اس کی وضاحت دریا موج جام اور آب از جام سے کرتے ہوئے کیا ہے:

برنیاید کار بے فرمان شاہ
لیک اینہاست باخاصان شاہ

☆

ہر کہ اور نور حق نیرو فرا ست
ہر چہ از وی خواستی ہم از خدا ست

☆

بر لب دریا گر آب خوردۂ
آب از موجی بہ جام آوردۂ

☆

آب از موج آید اندر جام تو
لیکن از دریا بود آشام تو☆[21]

غالبؔ نے اس مثنوی میں آپؐ کے رحمتہ للعالمین☆[22]، اور ’’خاتم النّبیین‘‘☆[23] ہونے پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس حقیقت کا برملا اظہار کیا ہے کہ عالم خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں، لیکن ان سب کے رحمۃ للعالمین اور ان سب کے خاتم المرسلین صرف نبی ختمی مرتبتﷺ ہیں۔ یہاں بھی غالبؔ نے قرآن و احادیث سے استفاضہ و استفادہ کیا ہے۔ چند متعلقہ ابیات ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں:

آں کہ مہر و ماہ و اختر آفرید
می تو اند مہر دیگر آفرید
لیک دریک عالم از روئے یقیں
خود نمی گنجد دو ختم المرسلین

☆

یک جہاں تاہست یک خاتم بس است
قدرت حق را نہ یک عالم بس است

☆

خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے
ہم بود ہر عالمے را خاتمے

☆

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃ للعالمینے ہم بود

☆

کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

☆

غالبؔ ایں اندیشہ نہ پزیرم ہمی
خردہ ہم برخویش می گیرم ہمی

☆

اینکہ ختم المرسلینش خواندۂ

دانم از روئے یقینش خواندۂ

☆

ایں الف لامے کہ استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست
منشاء ایجاد ہر عالم یکیست
گر دو صد عالم بود خاتم یکیست

☆

خود ہمی گوئی کہ نورش اول ست
ازہمہ عالم ظہورش اول ست

☆

اوّلیت رابود شانے تمام
کی بہر فردے پزیرد انقسام

☆

جوہر کل بر نتابد تثنیہ
در محمد رہ نیا بد تثنیہ ☆[۴۴]

غالبؔ کی دوسری نعتیہ مثنوی میں ابیات کی مجموعی تعداد ۵۷ ہے۔ اس مثنوی کا بیت اوّل بہ نام''ایزدای کلک قدسی صریر+ بہر جنبش از غیب نیرد پزیر'' ہے

اللہ پاک نے قرآن پاک میں نبی ختمی مرتبتﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ خود نبی آخرالزماںﷺ پر درود (تعریفوں) کی بارش نازل فرماتا ہے،اس کے فرشتے نبی اکرمﷺ کی خدمت اقدس میں درود کا سوغات بھیجتے ہیں اور اس کے بعد مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی خلاصۂ کائنات نبی امیﷺ پر صلوۃ وسلام بھیجیں۔ متعلقہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلّون علی النبیّ یا
ایھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا
تسلیما O ☆[۴۵]

دانم از روئے یقینش خواندہٴ

☆

ایں الف لامے کہ استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست
منشاء ایجاد ہر عالم یکیست
گر دو صد عالم بود خاتم یکیست

☆

خود ہمی گوئی کہ نورش اول ست
از ہمہ عالم ظہورش اول ست

☆

اوّلیت رابود شانے تمام
کی بہر فردے پزیرد انقسام

☆

جوہر کل بر نتابد تثنیہ
در محمد رہ نیا بد تثنیہ ☆۲۴

غالبؔ کی دوسری نعتیہ مثنوی میں ابیات کی مجموعی تعداد ۵۷ ہے۔ اس مثنوی کا بیت اوّل بہ نام ''ایزد ای کلک قدسی صریر+ بہر جنبش از غیب نیرو پزیر'' ہے
اللہ پاک نے قرآن پاک میں نبی ختمی مرتبتﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ خود نبی آخرالزماںﷺ پر درود (تعریفوں) کی بارش نازل فرماتا ہے،اس کے فرشتے نبی اکرمﷺ کی خدمت اقدس میں درود کا سوغات بھیجتے ہیں اور اس کے بعد مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی خلاصہٴ کائنات نبی امیﷺ پر صلوۃ وسلام بھیجیں۔ متعلقہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلّون علی النبیّ یا
ایھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا
تسلیما ○ ☆۲۵

غالبؔ کس قدر حسین انداز میں 'درود' کو 'عنوان دفتر' اور 'دیباچہٴ نعت' قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

درودے بہ عنوان دفتر نویس
بہ دیباچہ نعت پیمبر نویس ☆۲۶

اس مثنوی میں تلمیحات کا استعمال کافی دل کش ہے۔ غالبؔ نے تلمیحات سے اظہار مدعا کا کام بڑی خوبی سے لیا ہے۔ اس مثنوی کے معراج سے متعلق ابیات کافی جدت اور خاصی ندرت کے حامل ہیں۔ خالص نعت کے ابیات بھی کافی جان دار ہیں۔ ذیل میں صرف تین ابیات نقل کیے جا رہے ہیں۔ جن میں غالبؔ نے پر جبرئیلؑ کو آپؐ کے دستر خوان کے لیے 'مگس راں' حضرت خلیلؑ کو آپ کے 'خوان گستری' کے لیے پیش کار، آپؐ کے جمال کو روحانیوں کے لیے 'دل افروز' اور آپؐ کے خیال کو یونانیوں کے لیے 'نظر سوز' بتلاتے ہوئے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ سفر معراج خاکی اور نوری دونوں اجسام کے لیے بابرکت اور باعث فخر ہے۔

مگس ران خوانش پر جبرئیل
بخواں گستری پیشکارش خلیل

☆

جمالش دل افروز روحانیاں
خیالش نظر سوز یونانیاں
بدم حرز بازوی افلاکیاں
بہ پیوند پیرایہٴ خاکیاں ☆۲۷

غالبؔ کی تیسری نعتیہ مثنوی کا عنوان ہی معراج ☆۲۸ ہے۔ یہ مثنوی غالبؔ کی مثنویوں میں طویل ترین ہے۔ اس میں ابیات کی تعداد ۲۸۰ ہے اور اس کا پہلا بیت ہے:

ہما نا در اندیشہٴ روزگار
شبے بود سر جوش لیل و نہار

شاعر نے اس مثنوی میں جدت خیالات، جدت تشبیہات و استعارات، جدت ادا، جدت

تراکیب غرضے کہ ہر قسم کی جدتوں کے دریا بہا دیے ہیں اور آپؐ کے اس علوی سفر کو منزل بہ منزل دکھلاتے ہوئے ہر فلک سے متعلق ابیات میں اسی فلک کے تلازمے استعمال کیے ہیں۔ صرف چند ابیات تبرکاً نقل کیے جاتے ہیں:

خداوند گیتی خریدار تست
شبت ایں لے روز بازار تست

☆

چنیں لنگر ناز سنگیں چرا
نہ طور اظہار تمکیں چرا

☆

بہ دور تو شدلن ترانی کہن
فصاحت مکرر نسنجد سخن

☆

ترا خواست گارست بر ذان پاک
ہر آئینہ ازلن ترانی چہ باک

☆

نگویم کہ یزداں ترا عاشق ست
ولے زاں طرف جذبہ صادق ست

☆

جہاں آفریں را خور و خواب نیست
تو فارغ بہ بستر چہ خسپی بایست☆[۲۹]

☆

عطارد بآہنگ مدحت گری
زباں جست بہر زباں آوری

تراکیب غرضے کہ ہرقسم کی جدتوں کے دریا بہادیے ہیں اور آپؐ کے اس علوی سفر کو منزل بہ منزل دکھلاتے ہوئے ہر فلک سے متعلق ابیات میں اسی فلک کے تلازمے استعمال کیے ہیں۔صرف چند ابیات تبرکاً نقل کیے جاتے ہیں:

خداوند گیتی خریدار تست
شبت ایں لے روز بازار تست

☆

چنیں لنگر ناز سنگیں چرا
نہ طور اظہار تمکیں چرا

☆

بہ دور تو شدلن ترانی کہن
فصاحت مکرر نسنجد سخن

☆

ترا خواست گار ست بر ذان پاک
ہر آئینہ ازلن ترانی چہ باک

☆

نگویم کہ یزداں ترا عاشق ست
ولے زاں طرف جذبۂ صادق ست

☆

جہاں آفریں را خور و خواب نیست
تو فارغ بہ بستر چہ خسپی بایست[29]

☆

عطارد بآہنگ مدحت گری
زباں جست بہر زباں آوری

☆

دریں صفحہ مدحے کہ من می کنم
خود از گفتۂ خود سخن می کنم
کہ اے ذرۂ گرد راہ تو من
زخود رفتۂ جلوہ گاہ تو من

☆

نظر محو حسن خداداد تو
ستم کشتۂ غمزۂ داد تو

☆

برفتار، رخش تو، اختر نشاں
بگفتار لعل تو، گوہر فشاں[30]

☆

نہ در پنجہ زور و نہ در سینہ دم
فرو ماند بے حس چو شیر علم[31]

☆

احد کسوت احمدی یافتہ
دم دولت سرمدی یافتہ

☆

بکوشش زطبع وفا کوش او
ہماں میم او حلقۂ گوش او[32]

غالبؔ کا حسب ذیل نعتیہ قطعہ بھی کافی بیش بہا اور مشہور ہے۔اس میں تین صاحب کتاب مرسلین کے قرب حق کے تلازمے بڑی خوب صورتی کے ساتھ نظم کیے گئے ہیں، جن سے نبی ختمی مآب ﷺ کے افضل المرسلین ہونے کی وضاحت ہوتی ہے۔

سہ تن ز پیمبران مرسل
گشتند بقرب حق مشرف

عیسیٰؑ ز صلیب و موسیٰؑ ز طور
ختم الرسل از براق و رفرف ☆۳۳

غالبؔ کے قصائد کی تعداد ٦۴ ہے، جن میں سے ایک توحید میں، ۲ نعت میں، ایک نعت و منقبت میں مشترک، ۸ منقبت میں اور بقیہ سلاطین ونوابین، امراء وملکہ وکٹوریہ اور دیگر اکابر ملک وقوم کی مدح سرائی میں ہیں۔

جس نعتیہ قصیدہ کا مطلع ہے:

مراد لیست بہ پس کوچۂ گرفتاری
کشادہ روئے تراز شاہدان بازاری ☆۳۴

اس میں (٦۵) اشعار ہیں۔ اس قصیدہ کے چند چیدہ اشعار ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں:

چو مژدہ دوست نوازم چو فتنہ خصم گداز
بدل زسادگی و بازباں ز پرکاری

بہشت ریزدم از گوشۂ ردا کہ مرا
زخوان نعت رسولست زلہ برداری

مطاع آدم و عالم محمدؐ عربی
وکیل مطلق و دستور حضرت باری

شہنشہے کہ دبیران دفتر جاہش
بہ جبرئیل نویسند عزت آثاری

افاضۂ کرمش در حقائق آفاق
بسان روح در اعضائے جانور ساری

افادۂ اثرش بر قوائم افلاک
بہ مشکل رعشہ بر اندام طاری

متاع او بہ تماشا سپرد ارزانی

عیسیٰؑ ز صلیب و موسیٰؑ ز طور
ختم الرسل از براق و رفرف ☆۳۳

غالبؔ کے قصائد کی تعداد ۶۴ ہے، جن میں سے ایک توحید میں، ۲ نعت میں، ایک نعت و منقبت میں مشترک، ۸ منقبت میں اور بقیہ سلاطین و نوابین، امراء و ملکہ وکٹوریہ اور دیگر اکابر ملک و قوم کی مدح سرائی میں ہیں۔

جس نعتیہ قصیدہ کا مطلع ہے:

مراد لیست بہ پس کوچۂ گرفتاری
کشادہ روئے تراز شاہدان بازاری ☆۳۴

اس میں (۶۵) اشعار ہیں۔ اس قصیدہ کے چند چیدہ اشعار ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں:

چو مژدہ دوست نوازم چو فتنہ خصم گداز
بدل زسادگی و بازباں ز پرکاری
بہشت ریزدم از گوشۂ ردا کہ مرا
زخوان نعت رسولست زلہ برداری
مطاع آدم و عالم محمدؐ عربی
وکیل مطلق و دستور حضرت باری
شہنشہے کہ دبیران دفتر جاہش
بہ جبرئیل نویسند عزت آثاری
افاضۂ کرمش در حقائق آفاق
بسان روح در اعضائے جانور ساری
افادۂ اثرش بر قوائم افلاک
بہ مشکل رعشہ بر اندام طاری
متاع او بہ تماشا سپرد ارزانی
حدوث او بقدم داد گرم بازاری ☆۳۵

غالبؔ کے دوسرے نعتیہ قصیدہ میں سو (۱۰۰) اشعار ہیں اور اس کا مطلع رقم ذیل ہے:

آں بلبلم کہ درچمنستاں بشاخسار
بود آشیان من شکن طرۂ بہار ☆۳۶

اس قصیدہ میں مقامی رنگ کافی چوکھا ہے۔ نعت میں 'دہلی' اور 'بنگالہ' کا استعمال ملاحظہ ہو:

داغے بدل ز فرقت دہلی نہادہ ام
کش غوطہ دادہ ام بہ جہنم ہزار بار

☆

بخت از سواد کشور بنگالہ طرح کرد
برخویش رخت ماتم ہجران آں دیار ☆۳۷

☆

قصیدہ کے درج ذیل شعر میں میم احمد کی بحث ملاحظہ ہو:

باید نخست میم ز احمد فراگرفت
کاں میم از میانہ رفت واحد گشت آشکار ☆۳۸

ایک اچھی نعت کی تخلیق کے لیے شاعر کی کدو کاوش ملاحظہ ہو:

می خواستم کہ شاید مدح تراکنم
دامان و جیب پر زگہر ہائے شاہوار
در پیچ و تاب عرض جنون شمار شوق
ابیات راز صد برسانم بصد ہزار
ہر لفظ را بقافیہ آرم ہزار جا
ہر پردہ را بولولہ سنجم ہزار بار
اما ادب کہ قاعدہ دان بساط تست
داد از نہیب حوصلۂ آزر افشار

از بسکہ ہر جگہ نمک دور باش ریخت
گردید خامہ درکنم انگشت زینہار
دیگر چہ گفت گفت کہ اے غالبؔ حزیں
دیگر چہ گفت گفت کہ اے رند خاکسار
ہر چند شوق تشنۂ عرض عقیدت ست
اما توؤ ستایش ممدوح کرد گار
از ناکسی بنال و جبیں برز میں بسائی
کلک و ورق بیفگن و دست دعا برار
تاکسوت وجود شب و روز رابد ہر
از تاب مہر و پر تو ماہ ست پودو تار
تا سینہ راست نالہ در انداز کاؤ کاؤ
تادیدہ راست جوش نگہ ساز خار خار
تا سجدہ راست در رہ حق مژدۂ قبول
تا عذر راست بروز بخشش نوید بہار
عزم مجاہدان تو با چرخ ہمعناں
سعی موافقان تو با خلد ہم کنار
دایم زوضع چرخ ثوابت محیط باد
برتارک عدوے تو ابر تگرگ بار[☆۳۹]

غالبؔ کے تیسرے قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

چوں تازہ کنم درسخن آئین بیاں را
آواز دہم شیوہ ربا ہمنفساں را[☆۴۰]

اس قصید میں کل (۵۵) اشعار ہیں۔ اس کا عنوان ہے ''قصیدہ مشترک درنعت و منقبت'' اس میں مضامین نعت و منقبت باہم مدغم ہیں۔ حضرت حسانؓ نے اپنی ایک نعت میں حمد و نعت کا ادغام کیا ہے۔ اس نعت کا پہلا شعر ہے:

از بسکہ ہر جگہ نمک دور باش ریخت
گردید خامہ درکنم انگشت زینہار
دیگر چہ گفت گفت کہ اے غالبؔ حزیں
دیگر چہ گفت گفت کہ اے رند خاکسار
ہر چند شوق تشنۂ عرض عقیدت ست
اما توؤ ستایش ممدوح کرد گار
از ناکسی بنال و جبیں برز میں بسائی
کلک و ورق بیفگن و دست دعا برار
تاکسوت وجود شب و روز رابد ہر
از تاب مہر و پر تو ماہ ست پودو تار
تا سینہ راست نالہ در انداز کاؤ کاؤ
تادیدہ راست جوش نگہ ساز خار خار
تا سجدہ راست در رہ حق مژدۂ قبول
تا عذر راست بروز بخشش نوید بہار
عزم مجاہدان تو با چرخ ہمعناں
سعی موافقان تو با خلد ہم کنار
دایم زوضع چرخ ثوابت محیط باد
برتارک عدوے تو ابر تگرگ بار ☆۳۹

غالبؔ کے تیسرے قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

چوں تازہ کنم درسخن آئین بیاں را
آواز دہم شیوہ ربا ہمنفساں را ☆۴۰

اس قصید میں کل (۵۵) اشعار ہیں۔ اس کا عنوان ہے ''قصیدہ مشترک درنعت ومنقبت'' اس میں مضامین نعت ومنقبت باہم مدغم ہیں۔ حضرت حسانؓ نے اپنی ایک نعت میں حمد و نعت کا ادغام کیا ہے۔ اس نعت کا پہلا شعر ہے:

اغر علیه للنبوة
خاتم
من اللّٰه مشهود یلوح و
یشهد

ترجمہ: آپؐ پر مہر نبوت درخشاں وتاباں ہے، وہ اللہ پاک کی جانب سے ایک دلیل ہے۔ وہ چمکتی ہے اور گواہی دیتی ہے۔

اختتامِ نعت پر حضرت حسان نے جوحمدیہ اشعار کہے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

تعالیت ربّ الناس عن
قول من دعا
سواک الٰها انت اعلیٰ و
امجد

ترجمہ: اے لوگوں کے رب تیری شان اس کے قول سے بلند ہے جو تیرے علاوہ کو پکارتا ہے، تو بہت بلند اور بڑائیوں والا ہے۔

لک الخلق و
النعماء کله
فایاک نستهدی و
ایاک نعبد ☆۴۱

ترجمہ: حیات آفرینی، نفع رسانی اور حکمرانی صرف آپؐ کے لیے ہے۔ ہم آپؐ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اے اللہ ہم آپ ہی کی پرستش کرتے ہیں۔

حضرت کعبؓ بن زبیر کے مشہور قصیدہ ''بانت سعادٗ'' میں نعت ومنقبت کا دل کش ادغام ہے اور یہ ادغام منشائے رسولﷺ کے عین مطابق ہے۔ آپؐ نے اس قصیدہ کوسماعت فرما کر اس قصیدۂ نعت کے تخلیق کار سے فرمایا تھا ''کاش تم اس میں انصار کا ذکر خیر بھی کرتے کیوں کہ وہ اس کے مستحق ہیں'' ☆۴۲ چناں چہ کعبؓ نے اس قصیدہ میں منقبت اصحاب رسولﷺ کا

اضافہ کر کے اشعار کی تعداد بڑھا دی۔

غالبؔ کے محولہ بالا قصیدہ سے چند چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں:

گر بارخ عشاق تو تشبیہ دھندش
گلگونہ شود خلد بریں روئے خزاں را

نازم بکسانے کہ بہ تشبیہ خم تیغ
دیدند برا بروئے تو ماہ رمضاں را

رفتار تو آں کرد بافلاک ز شوخی
کز چاک بود خندہ بر افلاک کتاں را

ہر چند شنا سندۂ ہر راز شناسم
آں چشم نہاں بیں وضمیر ہمہ واں را[۴۳]

از غالبؔ دل خستہ مجو منقبت و نعت
دریاب بہ خون جگر آغشتہ فغاں را[۴۴]

غالبؔ کی نعت گوئی کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے وفورِ شوق میں جذبات کو بے لگام نہیں ہونے دیا بلکہ ہر جگہ پاس ادب ملحوظ رکھا ہے۔ چناں چہ وہ ایک نعتیہ قصیدہ میں اس امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہر چند شوق تشنۂ عرض عقیدت ست
اما تو و ستایش ممدوح کردگار

☆

از نا کسی نہال و جبیں بر زمین بسای
کلک و ورق بیفگن و دست دعا برآر[۴۵]

شاعر موصوف نے ایک دوسرے قصیدے میں اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مؤثر انداز میں پیغمبر ختمی مآب ﷺ سے فریاد کی ہے:

اضافہ کر کے اشعار کی تعداد بڑھا دی۔

غالبؔ کے محولہ بالا قصیدہ سے چند چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں:

گر بارخ عشاق تو تشبیہ دھندش
گلگونہ شود خلد بریں روئے خزاں را
نازم بکسانے کہ بہ تشبیہ خم تیغ
دیدند برا بروئے تو ماہ رمضاں را
رفتار تو آں کرد بافلاک ز شوخی
کز چاک بود خندہ بر افلاک کتاں را
ہر چند ثنا سندۂ ہر راز شناسم
آں چشم نہاں بیں و ضمیر ہمہ واں را☆[۴۳]
از غالبؔ دل خستہ مجو منقبت و نعت
دریاب بہ خون جگر آغشتہ فغاں را☆[۴۴]

غالبؔ کی نعت گوئی کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے وفورِ شوق میں جذبات کو بے لگام نہیں ہونے دیا بلکہ ہر جگہ پاس ادب ملحوظ رکھا ہے۔ چناں چہ وہ ایک نعتیہ قصیدہ میں اس امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہر چند شوق تشنۂ عرض عقیدت ست
اما تو و ستایش ممدوح کردگار

☆

از ناکسی نہال و جبیں بر زمین بسای
کلک و ورق بیفگن و دست دعا برآر☆[۴۵]

شاعر موصوف نے ایک دوسرے قصیدے میں اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مؤثر انداز میں پیغمبر ختمی مآب ﷺ سے فریاد کی ہے:

فریاد رسا داد زبے برگئی ایماں
کایں نخل بہ تاراج فنا رفت خزاں را☆[۴۶]

شاعر اسی قصیدے کے ایک شعر میں کس حسرت سے کہتا ہے کہ عمر کے چالیس سال ہنگاموں میں گزر گئے اور دکان کا سرمایہ کھیل کود میں تلف ہو گیا۔

از عمر چہل سال بہ ہنگامہ سر آمد
سرمایہ بہ بازیچہ تلف گشت دکاں را☆[۴۷]

غالبؔ اسی قصیدے کے ایک دوسرے شعر میں رقم طراز ہیں کہ اگر حشر میں سجدہ کا نشان ان کی پیشانی پر تلاش کیا گیا تو وہ کیا جواب دیں گے؟

گیرم کہ نہادم بود از سجدہ لبالب
اے وائے گر از ناصیہ جویند نشاں را
شرع آں ہمہ خود بیں و من این مایہ سبک سر
کز ساقیٔ کوثر طلبم رطل گراں را☆[۴۸]

غالبؔ نے عرفیؔ کی طرح نعت کے ضمن میں زور دار تعلّی کی ہے۔ انھوں نے ایک نعتیہ قصیدہ میں کہا ہے کہ وہ زمانہ گزر گیا، جب شعر و سخن میں میرے ہم عصر مجھ سے کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے، اب تو میں شعرائے متقدمین کو بھی پیچھے چھوڑ چکا ہوں۔ شاعر نے اس میں ''سومنات'' اور ''زنار'' سے مقامی فضا قائم کی ہے۔

مسنج شوکت عرفی کہ بود شیرازی
مشو اسیر زلالی کہ بود خوانساری
بہ سومنات خیالم در آئی تا بینی
رواں فروز بر دوش ہائے زناری

شاعر نے اس نعتیہ قصیدہ کی مدح میں حدوث و قدم کی نازک اور دقیق بحث سہل الفہم انداز میں چلائی ہے، پھر خود ہی معاملہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے کہا ہے:

چنیں کہ می نگرم جلوہ حجاب گداز
چہ مشکل ست دگر خویشتن نگہداری
می مشاہدہ پر زور و من ز سادہ دلی
خورم چو بیش کنم حرص بیش تر خواری
سخن مذاق دگر بافت شورشے دارد
نمک فشانیٔ مستی بہ مغز ہشیاری ☆۵۰

غالبؔ کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیات ہیں: الفاظ کا حسن انتخاب، ایجاز، رمزیت و ایمائیت، دُشوار پسندی، دل نشینی، تہ داری، ندرت اسلوب، حقائق نگاری، بندش کی چستی، ترتیب الفاظ میں موزونیت، عبارت میں متانت اور حلاوت کی لطیف آمیزش، واقعات کی سچی تصویرکشی، جاذب سامعہ موسیقی، جدت طرازی، الفاظ میں شکوہ کلام میں پختگی، بیان میں زور، فکر میں لطافت، تخیل میں بلندی، تشبیہات و استعارات میں ندرت، اظہار میں خلوص، اسلوب میں بداعت، صنائع و بدائع کا دل کش استعمال اور حفظ مراتب کا پاس... شاعر موصوف کی نعتوں سے کماحقہ مستفیض و مستفید ہونے کے لیے عصری حالات، مذہبی علوم، قرآنی اور اسلامی مصطلحات، انبیائے سابقہ و دیگر صلحائے عالم کے واقعات و واردات اور پیغمبر مدنی ﷺ کے متعلقین و متعلقات سے واقفیت اور فلسفیانہ مسائل سے روشناسی ضروری ہے...

حواشی وتعلیقات

☆۱۔ دیوان غالب، غالب صفحہ ۱۱) مطبع محبوب المطابع برقی پریس دہلی، بار سوم ستمبر ۱۹۶۱ء
☆۲۔ ایضاً ص ۱۲ ☆۳۔ ایضاً ص ۱۸۵
☆۴۔ ایضاً ص ۱۷۶
☆۵۔ نبی ختمی مآب ﷺ کی ذات گرامی افضل خلائق خداوندی وگل سرسبد کائنات ہے۔ آپؐ کی ذات کے مافوق ذات اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے آپؐ کی شان ارفع و اعلیٰ کی بابت جو کچھ بھی کہا جائے، وہ آپؐ کی بلند و بالا شان سے فروتر ہے۔ کائنات میں کوئی شئے آپؐ کے لیے مشبہ بہ بننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ ذات الہٰ اور ذات خاتم المرسلین ﷺ کے مابین ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کی حد بندی ہے۔ اس حد بندی کو توڑنا اور عبد کو معبود بنا دینا شرک ہے، جس کی بیخ کنی کے لیے آپؐ مبعوث فرمائے گئے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی نے درست فرمایا ہے:

چنیں کہ می نگرم جلوہ حجاب گداز
چہ مشکل ست دگر خویشتن نگہداری
می مشاہدہ پر زور و من ز سادہ دلی
خورم چو بیش کنم حرص بیش تر خواری
سخن مذاق دگر بافت شورشے دارد
نمک فشانئ مستی بہ مغز ہشیاری☆۵۰

غالبؔ کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیات ہیں: الفاظ کا حسن انتخاب، ایجاز، رمزیت و ایمائیت، دُشوار پسندی، دل نشینی، تہ داری، ندرت اسلوب، حقائق نگاری، بندش کی چستی، ترتیب الفاظ میں موزونیت، عبارت میں متانت اور حلاوت کی لطیف آمیزش، واقعات کی سچی تصویرکشی، جاذب سامعہ موسیقی، جدت طرازی، الفاظ میں شکوہ کلام میں پختگی، بیان میں زور، فکر میں لطافت، تخیل میں بلندی، تشبیہات و استعارات میں ندرت، اظہار میں خلوص، اسلوب میں بداعت، صنائع و بدائع کا دل کش استعمال اور حفظ مراتب کا پاس... شاعر موصوف کی نعتوں سے کماحقہ مستفیض و مستفید ہونے کے لیے عصری حالات، مذہبی علوم، قرآنی اور اسلامی مصطلحات، انبیائے سابقہ و دیگر صلحائے عالم کے واقعات و واردات اور پیغمبر مدنیﷺ کے متعلقین و متعلقات سے واقفیت اور فلسفیانہ مسائل سے روشناسی ضروری ہے...

حواشی وتعلیقات

☆۱۔ دیوان غالب، غالب صفحہ۱۱) مطبع محبوب المطابع برقی پریس دہلی، بارسوم ستمبر۱۹۶۱ء
☆۲۔ ایضاً ص۱۲ ☆۳۔ ایضاً ص ۱۸۵
☆۴۔ ایضاً ص ۱۷۶
☆۵۔ نبی ختمی مآبﷺ کی ذات گرامی افضل خلائق خداوندی وگل سرسبد کائنات ہے۔ آپؐ کی ذات کے مافوق ذات اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے آپؐ کی شان ارفع واعلیٰ کی بابت جو کچھ بھی کہا جائے، وہ آپؐ کی بلند و بالا شان سے فروتر ہے۔ کائنات میں کوئی شئے آپؐ کے لیے مشبہ بہ بننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ ذات الہٰ اور ذات خاتم المرسلینﷺ کے مابین ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کی حد بندی ہے۔ اس حد بندی کو توڑنا اور عبد کو معبود بنا دینا شرک ہے، جس کی بیخ کنی کے لیے آپؐ مبعوث فرمائے گئے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی نے درست فرمایا ہے:

یا صاحب الجمال و
یا سید البشر
من وجھک المنیر
لقد نور القمر
لایمکن الثناء
کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ: اے جمال والے اور اے سردار بشر! آپؐ کے تابناک چہرے سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے۔ آپؐ کے شایان شان نعت کہنا ممکن نہیں۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ خدا کے بعد آپؐ ہی سب سے افضل ہیں۔
☆۶۔ کلیات غالب، (مکمل کلام فارسی مرزا اسداللہ خاں غالبؔ) غالب، مرتبہ امیر حسن نورانی، صفحہ۶۰، ناشر راجا رام کمار بک ڈپو، وارث مطبع منشی نول کشور، سنہ اشاعت ۱۵؍فروری ۱۹۶۸ء
☆۷۔ مشہور حدیث ''لولاک لما خلقت الا فلاک''... اگرچہ یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں دیکھی نہیں گئی مگر مضمون اس کا صحیح ہے۔ الکلام المبین فی آیت رحمتہ للعالمین مؤلفہ مولانا مفتی محمد عنایت احمد، صفحہ۳، حاشیہ☆۲، مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ اشاعت اگست ۱۸۹۵ء بار دوم۔
☆۸۔ پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۳ و ۴۔ ترجمہ اور نہ اپنی خواہش سے منھ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ تو حکم خدا کہتے ہیں، جو بھیجا جاتا ہے۔
☆۹۔ پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۱۰۔ ترجمہ: وہ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔
☆۱۰۔ پارہ ۹، سورۃ الانفال، آیت ۱۷۔ ترجمہ: اے محبوب! وہ خاک جو آپؐ نے پھینکی، آپؐ نے نہ پھینکی، وہ اللہ نے پھینکی تھی۔
☆۱۱۔ پارہ ۱۴، سورۃ الحجر، آیت ۷۲۔ ترجمہ: آپؐ کی جان کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں۔
☆۱۲۔ پارہ ۲۷، سورۃ القمر، آیت ۱۔ ترجمہ: قیامت نزدیک آگئی اور چاند شق ہوگیا۔ اس سے پیوستہ شعر میں مہر نبوت کا ذکر خیر ہے۔ اس سلسلے میں حضرت سائبؓ بن یزید کی حدیث ملاحظہ ہو، جس میں مہر نبوت کی تشبیہ اس طرح رقم ہے ''فاذا ھو مثل زر الحجلة'' (تو وہ (مہر نبوت) مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی) شمائل ترمذی، امام المحدثین محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی، ترجمہ خصائل النبوی، مولوی محمد زکریا۔ صفحہ ۱۶، کتب خانہ، محیوی، سہارنپور، (گھنڈی کبوتر کے انڈے کے برابر بیضوی شکل میں اس پردہ میں لگی ہوتی ہے، جو مسہری پر لٹکایا جاتا ہے)
☆۱۳۔ کلیات غالب، صفحہ۶۱ ☆۱۴۔ ایضاً ۴۱۹
☆۱۵۔ ایضاً ۳۸۳ ☆۱۶۔ ایضاً ۴۲۲
☆۱۷۔ پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۵ ☆۱۸۔ پارہ ۶، سورۃ النسا، آیت ۱۷۴
☆۱۹۔ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۴۵ و ۴۶
☆۲۰۔ کلیات غالب، صفحہ۳۸۳ ☆۲۱۔ ایضاً ص۳۸۳

☆۲۲۔''وما ارسلنک الا رحمة للعالمین '' پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء۔ آیت ۱۰۷۔
ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔
☆۲۳۔''ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین '' پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۴۰
ترجمہ: محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیا کے ختم پر ہیں۔
☆۲۴۔ کلیات غالب، ص ۳۸۹ و ۳۹۰
☆۲۵۔ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶
☆۲۶۔ کلیات غالب، ص ۴۱۹ ☆۲۷۔ ایضاً ص ۴۲۱ و ۴۲۲
☆۲۸۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من اٰیٰتنا ط انہ ہو السمیع العلیم ○ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۔ ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصا تک لے گئی۔ جس (مسجد اقصا) کے گرداگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے کہ ہم اسے اپنی عظیم الشان نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔
معراج کے لغوی معنی زینہ ہیں۔ عرف عام میں رجب کی ستائیسویں شب کو سنہ نبوی میں نبی ختمی مآب ﷺ کے مسجد حرام سے مسجد اقصا اور وہاں سے آسمان اور پھر اس کے آگے عجائب ملکوت و غرائب قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے ملا اعلیٰ تشریف لے جانے اور خالق کائنات سے شرف ملاقات حاصل کرنے اور دیدار الٰہی سے مستفیض ہونے کے واقعہ کو معراج کہتے ہیں۔ لفظ معراج کا مادہ ع۔ ر۔ ج ہے چوں کہ احادیث میں الفاظ ''عرج بی'' استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس لیے اس واقعہ مبارکہ کے لیے معراج لفظ مخصوص ہو گیا۔ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں۔ چوں کہ عروج و ارتقا منزل بہ منزل ہوا تھا، اس لیے واقعہ باطنی کے لیے یہ ظاہری تشبیہ بھی خوب ہے۔ حدیثی و قرآنی حوالہ جات کے لیے راقم کی کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء ص ۲۴۳ (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ) کی طرف رجوع کریں۔ آزآد
☆ ۲۹۔ کلیات غالب۔ ص ۴۲۴ و ۴۲۵
☆ ۳۰۔ ایضاً ص ۴۲۷ و ۴۲۸ ☆۳۱۔ ایضاً ص۔ ۴۳۳ ☆ ۳۲۔ ایضاً ص ۴۳۷
☆ ۳۳۔ ایضاً ص ۸ ۷☆ ۳۴۔ ایضاً ص ۴۷۳ ☆ ۳۵۔ ایضاً ص ۴۷۴ و ۴۷۵
☆ ۳۶۔ ایضاً ص ۴۷۷ ☆ ۳۷۔ ایضاً ص ۴۷۹ ☆ ۳۸۔ ایضاً ص ۴۸۰
☆ ۳۹۔ ایضاً ص ۴۸۱ و ۴۸۲ ☆ ۴۰۔ ایضاً ص ۴۸۲
☆ ۴۱۔ الانصار، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری، ص ۲۵۶ و ۲۵۷، مطبوعہ نظامی آفسیٹ پریس لکھنؤ اشاعت ۱۹۹۲ء
☆ ۴۲۔ سیرت النبی کامل، ابن ہشام، مترجمہ مولانا عبدالجلیل صدیقی و مولانا غلام رسول مہرؔ ص ۶۱۹، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی نمبر ۳، اشاعت ۱۹۸۵ء
☆ ۴۳۔ کلیات غالبؔ، ص ۴۸۳، ۴۸۴ ☆ ۴۴۔ ایضاً ص ۴۸۵
☆ ۴۵۔ ایضاً ص ۴۸۱ ☆ ۴۶۔ ایضاً ص ۴۸۴
☆ ۴۷۔ ایضاً ص ۴۸۴ ☆ ۴۸۔ ایضاً ص ۴۸۴

☆۲۲۔"وما ارسلنک الا رحمة للعالمین" پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء ۔ آیت ۱۰۷ ۔
ترجمہ: اور ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔
☆۲۳۔"ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین" پارہ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت۴۰
ترجمہ: محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیا کے ختم پر ہیں۔
☆۲۴۔کلیات غالب، ص ۳۸۹ و ۳۹۰
☆۲۵۔ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶
☆۲۶۔کلیات غالب، ص ۴۱۹ ☆۲۷۔ایضاً ص ۴۲۱ و۴۲۲
☆۲۸۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من اٰیٰتنا ط انہ ھو السمیع العلیم ○ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۔ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصا تک لے گئی۔ جس (مسجد اقصا) کے گردا گرد ہم نے برکت دے رکھی ہے کہ ہم اسے اپنی عظیم الشان نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔
معراج کے لغوی معنی زینہ ہیں۔ عرف عام میں رجب کی ستائیسویں شب کو سنہ نبوی میں نبی ختمی مآب ﷺ کے مسجد حرام سے مسجد اقصا اور وہاں سے آسمان اور پھر اس کے آگے عجائب ملکوت وغرائب قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے ملا اعلیٰ تشریف لے جانے اور خالق کائنات سے شرف ملاقات حاصل کرنے اور دیدار الٰہی سے مستفیض ہونے کے واقعہ کو معراج کہتے ہیں۔ لفظ معراج کا مادہ ع ۔ ر ۔ ج ہے چوں کہ احادیث میں الفاظ "عرج بی" استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس لیے اس واقعہ مبارکہ کے لیے معراج لفظ مخصوص ہوگیا۔ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں۔ چوں کہ عروج و ارتقا منزل بہ منزل ہوا تھا، اس لیے واقعہ باطنی کے لیے یہ ظاہری تشبیہ بھی خوب ہے۔ حدیثی و قرآنی حوالہ جات کے لیے راقم کی کتاب "نعتیہ شاعری کا ارتقاء ص ۲۴۳ (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ) کی طرف رجوع کریں۔ آزادؔ
☆ ۲۹۔کلیات غالب۔ص ۴۲۴ و ۴۲۵
☆ ۳۰۔ ایضاً ص ۴۲۷ و ۴۲۸ ☆۳۱۔ ایضاً ص ۔۴۳۳ ☆ ۳۲۔ ایضاً ص ۴۳۷
☆ ۳۳۔ ایضاً ص ۸ ☆ ۳۴۔ ایضاً ص ۴۷۳ ☆ ۳۵۔ ایضاً ص ۴۷۴ و ۴۷۵
☆ ۳۶۔ ایضاً ص ۴۷۷ ☆ ۳۷۔ ایضاً ص ۴۷۹ ☆ ۳۸۔ ایضاً ص ۴۸۰
☆ ۳۹۔ ایضاً ص ۴۸۱ و۴۸۲ ☆ ۴۰۔ ایضاً ص ۴۸۲
☆ ۴۱۔ الانصار، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری، ص ۲۵۶ و ۲۵۷، مطبوعہ نظامی آفسیٹ پریس لکھنؤ اشاعت ۱۹۹۲ء
☆ ۴۲۔ سیرت النبی کامل، ابن ہشام، مترجمہ مولانا عبدالجلیل صدیقی و مولانا غلام رسول مہرؔ ص ۶۱۹، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی نمبر ۳، اشاعت ۱۹۸۵ء
☆ ۴۳۔کلیات غالبؔ، ص ۴۸۳، ۴۸۴ ☆ ۴۴۔ ایضاً ص ۴۸۵
☆ ۴۵۔ ایضاً ص ۴۸۱ ☆ ۴۶۔ ایضاً ص ۴۸۴
☆ ۴۷۔ ایضاً ص ۴۸۴ ☆ ۴۸۔ ایضاً ص ۴۸۴

☆ ۴۹۔ ایضاً ص ۴۷۴ ☆ ۵۰۔ ایضاً ص ۴۷۵

ادیب رائے پوری

غالبؔ کے فارسی کلام میں نعت

غالبؔ شعر و سخن کے سرگم سے واقف اور ساتوں سروں سے مکمل آگاہ تھا بلکہ اپنے ساز سخن سے کئی راگ امیر خسرو کی طرح ایجاد کیے تھے، یہ سات سروں کی بات عجیب ہے سارے عالم پر یہ عہد محیط ہے، غالب اس تخلص کے اعداد کو ہی دیکھئے۔ غ کے ہزار الف کا ایک، لام کے تیس اور ب کے دو جملہ ایک ہزار تینتیس جس کا مجموعہ سات ہے۔ شاید ڈاکٹر سہیل بخاری بھی اس فن کے موسیقار ہوں جنھوں نے "غالب کے سات رنگ" تصنیف فرمائی۔ ہفت آسمان، ہفت سیارگان، قوس وقزح کے سات رنگ، کعبہ کے سات طواف، صفا مروہ کی سات دوڑ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر پر حکم ربی سے عصا مارا اس سے پانی کے سات چشمے پھوٹے، اس عدد کی تفصیل بہت ہے۔ غالب کے کلام میں حسن اور کمال کی یک جائی نے جس ادبی قوس وقزح کے رنگ بنائے یہ ان کے اپنے عدد کا کمال تھا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے کلام میں موسیقیت رچی بسی ہوئی ہے۔ اس موضوع پر تفصیل سے بہت جلد میرا تحقیقی مقالہ، غالب کی نعتیہ شاعری "منظر عام پر آپ جیسے محبؔ اور پُرخلوص احباب کی دعاؤں کے نتیجہ میں آنے والا ہے جو غالب کے سر ساگر سے روشناس کرائے گا جس کی

ہرتان دیپک ہے۔
غالب کی نعتیہ شاعری پر تحقیق اور پھر اس پر تنقید کا جو حق ادا ہونا تھا بصد افسوس کہتا ہوں کہ نہ ہوسکا۔ غالب کی نعتیہ شاعری کا مرحلہ بعد کا ہے ماقبل نعتیہ ادب پر ہی کیا کام ہوا اردو ادب میں میلاد ناموں کا سفر جنوبی ہند سے شروع ہوا، میں محمد حسین المعروف خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا عہد ہے جو حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں یعنی نعتیہ ادب کی تاریخ اردو غزل کی تاریخ سے قدیم ہے۔ پانچ سو سال کا طویل عرصہ ہے شمالی ہند میں گیسوئے اردو کو سنوارنے کی جدوجہد جس طرح نظر آتی ہے نعتیہ ادب کا میدان ایسی ہی کوششوں سے یکسر خالی ہے، یہ تصور کن کا ہے، معذرت کے ساتھ وہ اس عہد کے مولوی ہوں جنھیں دعویٰ علم تھا یا وہ نقادان سخن ہوں جن کے ہاتھوں میں تخلیقی ادب کے موتی تولنے کا ترازو تھا۔ آج کا نقاد تین صدیوں سے بھی قبل کی نعتیہ شاعری جو میلاد ناموں کی قباء زیب تن کر کے منظر پر آئی، اعتراض کی بوچھاڑ کرتا نظر آتا ہے لیکن اس عہد میں جب اس کی اصلاح کا وقت تھا، ان نقائص علمی و ادبی پر نہ کسی پیر پارسا کی نظر گئی، نہ ہی شیوخان ادب کی، ایسی علمی ادبی کس مپرسی کے ماحول میں کسی نے دست گیری کی تو وہ اس عہد کا تصوف تھا، حیرت کی بات ہے کہ زبان و بیان کے گیسو سنوارنے کا آغاز شمالی ہند سے ہوا۔ لیکن یہاں بھی نعتیہ ادب سے کسی میں لگاؤ نہیں پایا جاتا۔
غالب کی غزل کے حسن بیان کا پہلا دریچہ متعارف حالؔی نے کھولا۔ اس تنقید یا تبصرہ کا آغاز حالی کا مرہون منت ہے جس کے بعد آزاد، شبلی اور اس عہد کے نقاد کی کڑیاں آج ہمارے عہد کے نقادان ادب کی کثیر تعداد سے جا ملتی ہے۔ اردو، فارسی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں اتنا کام ہوا ہے کہ حیرت کا مقام ہے اس حیرت کا سبب آئندہ سطور میں آرہا ہے، غالب پر جتنا کام ہوا ہے آج سے بہت پہلے عروس البلا کراچی کی مشہور و معروف ادبی شخصیت پروفیسر سحر انصاری نے اس کی تفصیل افکار کے غالب نمبر میں پیش کی ہے، یہ سلسلہ ڈیڑھ سو سال سے جاری ہے اور غالب کے کلام بلاغت نظام کی فصاحت معنی آفرینی اور اس کے کلام کی جملہ خوبیوں پر لکھنے والوں کی تعداد کا شمار مشکل ہے، غالب

ہرتان دیپک ہے۔

غالب کی نعتیہ شاعری پر تحقیق اور پھر اس پر تنقید کا جو حق ادا ہونا تھا بصد افسوس کہتا ہوں کہ نہ ہوسکا۔ غالب کی نعتیہ شاعری کا مرحلہ بعد کا ہے ماقبل نعتیہ ادب پر ہی کیا کام ہوا اردو ادب میں میلاد ناموں کا سفر جنوبی ہند سے شروع ہوا، میں محمد حسینی المعروف خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا عہد ہے جو حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں یعنی نعتیہ ادب کی تاریخ اردو غزل کی تاریخ سے قدیم ہے۔ پانچ سو سال کا طویل عرصہ ہے شمالی ہند میں گیسوئے اردو کو سنوارنے کی جدوجہد جس طرح نظر آتی ہے نعتیہ ادب کا میدان ایسی ہی کوششوں سے یکسر خالی ہے، یہ تصور کن کا ہے، معذرت کے ساتھ وہ اس عہد کے مولوی ہوں جنھیں دعویٰ علم تھا یا وہ نقادان سخن ہوں جن کے ہاتھوں میں تخلیقی ادب کے موتی تولنے کا ترازو تھا۔ آج کا نقاد تین صدیوں سے بھی قبل کی نعتیہ شاعری جو میلاد ناموں کی قباء زیب تن کرکے منظر پر آئی، اعتراض کی بوچھاڑ کرتا نظر آتا ہے لیکن اس عہد میں جب اس کی اصلاح کا وقت تھا، ان نقائص علمی و ادبی پر نہ کسی پیر پارسا کی نظر گئی، نہ ہی شیوخان ادب کی، ایسی علمی ادبی کس مپرسی کے ماحول میں کسی نے دست گیری کی تو وہ اس عہد کا تصوف تھا، حیرت کی بات ہے کہ زبان و بیان کے گیسو سنوارنے کا آغاز شمالی ہند سے ہوا۔ لیکن یہاں بھی نعتیہ ادب سے کسی میں لگاؤ نہیں پایا جاتا۔

غالب کی غزل کے حسن بیان کا پہلا دریچۂ تعارف حالؔی نے کھولا۔ اس تنقید یا تبصرہ کا آغاز حالی کا مرہون منت ہے جس کے بعد آزاد، شبلی اور اس عہد کے نقاد کی کڑیاں آج ہمارے عہد کے نقادان ادب کی کثیر تعداد سے جا ملتی ہے۔ اردو، فارسی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں اتنا کام ہوا ہے کہ حیرت کا مقام ہے اس حیرت کا سبب آئندہ سطور میں آرہا ہے، غالب پر جتنا کام ہوا ہے آج سے بہت پہلے عروس البلا کراچی کی مشہور و معروف ادبی شخصیت پروفیسر سحر انصاری نے اس کی تفصیل افکار کے غالب نمبر میں پیش کی ہے، یہ سلسلہ ڈیڑھ سو سال سے جاری ہے اور غالب کے کلام بلاغت نظام کی فصاحت معنی آفرینی اور اس کے کلام کی جملہ خوبیوں پر لکھنے والوں کی تعداد کا شمار مشکل ہے، غالب اس طرح نقادان ادب کی فکری استعداد اور صلاحیتیوں پر چھایا ہوا ہے کہ اس کی مخصوص تراکیب اور اختراع پسندی بعض اہلِ قلم کی تصانیف کا عنوان بن گئی۔ علامہ اقبال کی ''بالِ جبریل''، سجاد انصاری کی محشر خیال اور رشید احمد صدیقی کی ''گنجہائے گراں مایہ'' کی طرح، عزیز حامد مدنی، فیض احمد فیض، فراق گورکھ پوری، عبدالعزیز خالد، عبادت بریلوی، کنھیالال کپور اور نہ جانے کتنے اہل فکر و نظر نے اپنے فکری سرمایہ کو جب قرطاس پر لایا تو عنوان غالب کی مخصوص ترکیب ہی کو بنایا۔ ''نقش فریادی''، ''دست تہ سنگ''، ''لذت سنگ''، ''گویا دبستاں کھل گیا''، ''دشت امکاں''، ''خون جگر ہونے تک'' ''شہر آرزو''، ''چند تصویر بتاں''، ''سحر ہونے تک''، ''سنگ وحشت''، ''شمع ہر رنگ میں جلتی ہے''، ''درد چراغ محفل''، ''خانہ زنجیر''، ''کاغذی ہے پیرہن'' اور ایسی لاتعداد تراکیب غالب کے اشعار سے تبرکاً لیں۔ شاید علامہ اقبال نے اس میں پہل کی کہ وہ حکیم الامت تھے۔ غالب نے کہا:

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام
تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل

اور واپس اپنے اس جملہ کی طرف آتا ہوں جو پہلے رقم ہوا کہ ''حیرت کا مقام ہے'' کہ علا کی کثیر تعداد میں جن میں ایسے بزرگ بھی شامل ہیں جنھوں نے اپنی اغراض کے لیے انگریز کی شان میں قصیدہ پیش کیا کہ تھانہ بھون میں ریلوے اسٹیشن نہیں تھا اس غرض کے لیے جو قصیدہ لکھا اس میں گلبرٹ صاحب کے لیے مشکل کشا کا لفظ ایک جید عالم نے تحریر کیا۔ لیکن افسوس کہ ان پیران پارسا اور شیوخانِ ادب کی خانقاہ تحقیق میں نعتیہ شاعری کو شرف باریابی نہ مل سکا جس کے نتیجہ میں ہمارا روحانی ادب اپنے ماضی میں مفلسی کا آئینہ دار نظر آتا ہے۔

ہندو تہذیب کے ملے جلے ردّعمل کے نتیجہ میں اس عہد کے میلاد ناموں میں صنمیات کا جو حصہ شامل ہوگیا وہ تمام شاعری پر حاوی نہیں یہ بات میری تحقیق میں خال خال ہے لیکن اسی خال کو لے کر آج کا نقاد بال کی کھال جو نکال رہا ہے اسے ہم مشرب ماضی کے تنقید نگاروں سے زیادہ باز پرس کرنا چاہیے۔ اس فقیر نے میلاد ناموں کے حوالوں سے اپنی تصنیف ''نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید'' میں سیر حاصل بحث کی ہے اور یہ بات دلائل کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچائی ہے کہ اگر اردو غزل کی طرح نعتیہ شاعری جس کا آغاز جنوبی ہند سے

میلاد ناموں کی صورت میں ہوا، تنقید کی مقراض چلائی جاتی تو اس عہد کی یہ روح پرور اور ایمان افروز نعتیہ شاعری آج کے تنقید نگار حضرات کو نشانہ بازی کی اجازت نہ دیتی۔ یہ بات یوں کہہ کر بھی ٹالی نہیں جاسکتی کہ نعتیہ ادب اتنا قدیم ہے کہ اس عہد میں ادب میں تنقید کا رجحان نہیں تھا۔ اپنے مقالہ ''تنقید اور مشکلات تنقید'' میں ایسی کم زور باتوں کا مکمل رد کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تنقید کا عمل تخلیق کے ساتھ ساتھ شروع ہوجاتا ہے اور بعض مفکرین ادب نے بجا خیال پیش کیا کہ بسا اوقات تخلیق سے پہلے تنقید کا عمل ہوتا ہے جو تخلیق کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اب اگر اس نظریہ کو جو ناقابل تردید ہے، درست مان کر غالب کی نعتیہ شاعری پر عمل تحقیق وتنقید کا جائزہ لیں تو اس دفتر کا پہلا صفحہ بھی مکمل نہیں ہوسکا۔

میں صبیح رحمانی کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ جس کی محنت، لگن اور جذبہ نے عروس البلاد کراچی کے اہل قلم کا سر فخر سے بلند کردیا جن کی نعتیہ ادب پر تنقیدی تحریریں اپنی قبولیت اور شہرت کے لیے ملک کی جغرافیائی حدود عبور کرچکی ہیں۔ محترم صبیح رحمانی اس گوشہ نشین کو مجبور کرتے ہیں کہ جو کام خاموشی سے کررہا ہوں اسے منظر عام پر لانے میں تکلف نہ برتیں ورنہ:

زحمت احباب نتواں داد غالب بیش ازیں
ہرچہ می گوئیم بہر خویش می گوئیم ما
(غالبؔ)

یا پھر یوں سمجھئے:

غالب ہے ادیب، ان کا کرم، میرے سخن پر
مقصود نہ شہرت ہے نہ دعویٰ مرے آگے
(ادیبؔ)

ایک مصور جو مصوری کے کمال میں اپنا جواب یا ثانی نہیں رکھتا وہ دلدادۂ حسنِ فطرت اور کمال فن جس جانب رخ کرے گا اس کی فنی صلاحیتیں قدم بہ قدم اس کے ساتھ چلیں گی، وہ کہسار اور دامن کہسار کی تصویر کشی کرے۔ چمن زاروں اور آبشاروں کی خموشی اور شور تلاطم کو پیکر

میلاد ناموں کی صورت میں ہوا، تنقید کی مقراض چلائی جاتی تو اس عہد کی یہ روح پرور اور
ایمان افروز نعتیہ شاعری آج کے تنقید نگار حضرات کو نشانہ بازی کی اجازت نہ دیتی۔ یہ بات
یوں کہہ کر بھی ٹالی نہیں جاسکتی کہ نعتیہ ادب اتنا قدیم ہے کہ اس عہد میں ادب میں تنقید کا
رجحان نہیں تھا۔ اپنے مقالہ ''تنقید اور مشکلاتِ تنقید'' میں ایسی کم زور باتوں کا مکمل رد کیا ہے
اور یہ ثابت کیا ہے کہ تنقید کا عمل تخلیق کے ساتھ ساتھ شروع ہوجاتا ہے اور بعض مفکرین
ادب نے بجا خیال پیش کیا کہ بسا اوقات تخلیق سے پہلے تنقید کا عمل ہوتا ہے جو تخلیق کی
صورت میں سامنے آتا ہے۔ اب اگر اس نظریہ کو جو ناقابل تردید ہے، درست مان کر غالب
کی نعتیہ شاعری پر عمل تحقیق و تنقید کا جائزہ لیں تو اس دفتر کا پہلا صفحہ بھی مکمل نہیں ہوسکا۔
میں صبیح رحمانی کی کاوشوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ جس کی محنت، لگن اور جذبہ نے
عروس البلاد کراچی کے اہلِ قلم کا سر فخر سے بلند کردیا جن کی نعتیہ ادب پر تنقیدی تحریریں اپنی
قبولیت اور شہرت کے لیے ملک کی جغرافیائی حدود عبور کرچکی ہیں۔ محترم صبیح رحمانی اس گوشہ
نشین کو مجبور کرتے ہیں کہ جو کام خاموشی سے کررہا ہوں اسے منظرِ عام پر لانے میں تکلف نہ
برتیں ورنہ:

زحمت احباب نتواں داد غالب بیش ازیں
ہرچہ می گوئیم بہر خویش می گوئیم ما
(غالبؔ)

یا پھر یوں سمجھئے:

غالب ہے ادیب، ان کا کرم، میرے سخن پر
مقصود نہ شہرت ہے نہ دعویٰ مرے آگے
(ادیبؔ)

ایک مصور جو مصوری کے کمال میں اپنا جواب یا ثانی نہیں رکھتا وہ دلدادۂ حسنِ فطرت اور کمالِ
فن جس جانب رخ کرے گا اس کی فنی صلاحیتیں قدم بہ قدم اس کے ساتھ چلیں گی، وہ کہسار
اور دامنِ کہسار کی تصویر کشی کرے۔ چمن زاروں اور آبشاروں کی خموشی اور شورِ تلاطم کو پیکر
عطا کرے، تاج محل کا عکس جمنا کے شفاف پانی پر بنائے یا بوڑھے کسان کو ہل چلا کر خوشۂ
گندم کی پرورش کرتے دکھائے، اس کا فن اس کے جذبات و احساسات کی تصاویر بناتا
جائے گا۔ غالب، کیا صرف حسن و عشق کی داستان یا اپنی ذات پر گزرنے والی کرب پیہم کی
کیفیات ہی کا نام ہے؟ اس کی مایوسیوں، مجبوریوں اور پشیمانیوں میں اس کا ذہن خالقِ حقیقی
اور اس کے محبوب سے نسبت کو، امیدوں کو، اس کے ٹوٹے ہوئے حوصلوں کو بڑھاتا رہا
ہے۔ بے شک غالب نے روایت سے بغاوت کی اور یہی بغاوت تھی جس نے اسے اوروں
سے ممتاز کردیا، جس پہلو سے بھی اسے دیکھیں وہ اپنے عہد کے سخنوروں سے جدا ہے، الفاظ
و معانی میں اس کی جدت طرازی کا مرغِ بلند پرواز دامِ روایات میں نہ آسکا یہی صورت اس
کے مذہبی جذبات کی بھی ہے اگرچہ اس کی شوخ کلامی اس کا طرۂ امتیاز ہے لیکن باخدا دیوانہ
باش و با محمد ﷺ ہوشیار کے اسلامی اصولوں کو نظر میں رکھ کر وہ ذات باری تعالیٰ کے حضور پیش
ہوتا ہے تو اپنی شوخی سے باز نہیں آتا لیکن حد ادب کی بقا بھی زیب تن کیے ہوتا ہے۔ اپنے
خالق کی بارگاہ میں بصد عجز و انکسار، اعتراف گنا اور خطا پوشی و درگذری کے لیے نغمہ سرا ہوتا
ہے تو الفاظ میں وہی سحر انگیزی کے ساتھ شوخی میں جو کچھ کہتا ہے اس ڈھنگ سے کہنے والا
ہمارے ادب میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا جو اسی طرح دیوانہ باشی کا مظاہرہ کرے۔ کون ایسا
شاعر ہے جو اپنے خالق کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کا نذرانہ لے کر حاضر نہ ہوا ہو، لیکن کوئی
ایک تو بتائیے جو غالب پر سبقت لے جانا تو محال اس کے قدم بہ قدم چلے جس کا یہ عالم ہو
کہ وہ مشاہدہ حق کی گفتگو بھی بادۂ ساغر کے بغیر نہ کرے۔

وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش ہوتا ہے تو بے شمار تمہیدی کلمات، جو اس کی
سخن طرازی کا طرۂ امتیاز ہیں، کے بعد اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے محشر خیال سے ایک
منظر روز حساب کا پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب سارے انسان جمع ہوں گے یعنی جسم
اور جان ایک مرتبہ پھر ہم آہنگ کر دیے جائیں گے اس وقت ان اصحاب کو جنھیں اپنے
سرمایۂ آخرت پر ناز ہوگا وہ اپنے اپنے گہرہائے شہوار پیش کریں گے۔ وہ لوگ اپنے نور سے
چشم جہاں کو روشن کریں گے۔ انھیں جگر گوشگاں کے ساتھ ساتھ کئی قسمت کے مارے بھی
ہوں گے اور اس مجمع میں یہ سینہ فگار (غالب) بھی ہوگا، گردش روزگار کا مارا ہوا، جس کا بدن

بسبب خوف اپنے سایہ سے بھی فرار ہوگا۔ دل اس کا غموں سے شکستہ اور داغ دار ہوگا۔
(غالب اپنی آپ بیتی کی تصویر اختصار سے اپنے رب کے حضور کس خوب صورتی سے پیش کرتا ہے)

بروزے کہ مردم شود انجمن
شود تازہ پیوند جاں با بتن
گہر ہائے شہوار پیش آورند
فروہیدہ کردار پیش آورند

(فروہیدہ بہ معنی درست کردار)

نزنوری کے ریزند و خرمن کنند
جہاں رابخود چشم روشن کنند
بہ ہنگامہ با ایں جگر گوشگاں
در آیند مشتے جگر توشگاں
درآں حلقہ من باشم و سینہ ای
زغم ہائے ایام گنجینۂ ای
تن از سایۂ خود بیم اندروں
دل ازغم بہ پہلو دو نیم اندروں

غالب جانتا ہے کہ جس کے حضور میں اپنا حال پریشان بیان کررہا ہوں وہ اپنی ذات و صفات میں عالم الغیب ہے۔ غالب نیکو کاروں اور عاصیوں کو جدا جدا کر کے دکھاتا ہے اس لیے کہ نیکو کار بہتر ہے وہ بندے جو اعمال صالح کے سبب بخشش و جنت کے حق دار ہوں گے یہ رحمت تیری پھر کن کی جانب جائے گی کن سے رحمت کی طلب گاری کی تمنا کرے گی اُس وقت یہ غالبؔ ہی تو ہوگا جو تیری رحمت کو جوش میں لائے گا۔ جب وہ کہے گا کہ میں نے دنیا میں رہ کر جو شب و روز گزارے اور جس طرح گزارے اب میں مستحق ہوگیا ہوں کہ مجھے میری اس بے کسی پر بخش دے کیا میرے بخشنے کے لیے میری درماندگی، مایوسی، بے کسی کافی

بسبب خوف اپنے سایہ سے بھی فرار ہوگا۔ دل اس کا غموں سے شکستہ اور داغ دار ہوگا۔
(غالب اپنی آپ بیتی کی تصویر اختصار سے اپنے رب کے حضور کس خوب صورتی سے پیش کرتا ہے)

بروزے کہ مردم شود انجمن
شود تازہ پیوند جاں با بتن
گہر ہائے شہوار پیش آورند
فروہیدہ کردار پیش آورند

(فروہیدہ بہ معنی درست کردار)

نزلوری کے ریزند و خرمن کنند
جہاں رابخود چشم روشن کنند
بہ ہنگامہ با ایں جگر گوشگاں
در آیند مشتے جگر توشگاں
درآں حلقہ من باشم و سینہ ای
زغم ہائے ایام گنجینۂ ای
تن از سایۂ خود بیم اندروں
دل از غم بہ پہلو دو نیم اندروں

غالب جانتا ہے کہ جس کے حضور میں اپنا حال پریشان بیان کررہا ہوں وہ اپنی ذات و صفات میں عالم الغیب ہے۔ غالب نیکو کاروں اور عاصیوں کو جدا جدا کرکے دکھاتا ہے اس لیے کہ نیکو کار بہتر ہے وہ بندے جو اعمال صالح کے سبب بخشش و جنت کے حق دار ہوں گے یہ رحمت تیری پھر کن کی جانب جائے گی کن سے رحمت کی طلب گاری کی تمنا کرے گی اُس وقت یہ غالبؔ ہی تو ہوگا جو تیری رحمت کو جوش میں لائے گا۔ جب وہ کہے گا کہ میں نے دنیا میں رہ کر جو شب و روز گزارے اور جس طرح گزارے اب میں مستحق ہوگیا ہوں کہ مجھے میری اس بے کسی پر بخش دے کیا میرے بخشنے کے لیے میری درماندگی، مایوسی، بے کسی کافی

نہیں ہے یہ میری حسرتوں کی مسلسل پامالی، محرومی و خستہ حالی تو ذرا دیکھ

بخشای بر ناکسیہای من
تہید ست و در ماندہ ام وائے من

اتنا کہہ کر وہ اپنی شوخ مزاجی کو پیرہن ادب میں ملبوس کرتا ہے اور کہہ دیتا ہے:

بدوش ترازد منہ بار من
نسنجیدہ بگزار کردار من

یعنی میرے کردار پر یہ کیا بات ہوئی کہ اب میرے اعمال کو ترازو میں تولے گا۔ یہاں سے التجا کے ساتھ مکالمہ کا یک طرفہ انداز ہوگیا ہے۔ عبد و معبود کے درمیان عجیب انداز ہے اے پروردگار تو نے غالب کو تمام عمر عیش و نشاط سے محروم رکھا، میری ہر تمنا میری ہر حسرت دم توڑ گئی ان سب کو تو کس طرح ترازو میں تولے گا۔ یہ ترازو تو اعمال کے لیے ہے جو بیش و کم کا حساب بتاتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ اگر آل کار تیری مشیت کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ سے اس کے اعمال کی پرسش کی جائے تو پھر غالب کو بھی کہنے کا یارا بخش دے کہ مجھے جو کہنا ہے میں بھی وہ کہہ دوں۔

وگر ہم چنیں است فرجام کار
کہ می باید از کردہ راندن شمار
مرا نیز یارائے گفتار دہ
چوگوئم برآں گفتہ زنہار دہ

فارسی زبان و بیان کی لطافتوں کے ساتھ خدائے قدوس کی بارگاہ میں مناجات کا یہ انداز اس کی انفرادیت کا آئینہ دار ہے۔ دیکھئے اب وہ اپنی مغفرت کی التجا کا رخ کس طرح بدلتا ہے کہتا ہے اے میرے رب مجھے اتنا بتا دے کہ میرے حصہ میں تیرے غضب کے سوا اور کیا تھا اوروں کا حاصل تو عمل تھا مگر میری ہستی کا پھل فقط الم ہی رہا اور اگر یہ سیلاب بلا تیری ہی جانب سے تھا تو پھر یہ اعمال کی پرسش آخر کیا ہے۔ اب مجھے رہائی دے کہ میں حسرت کا مارا ہوا ہوں اور دم سرد سے یخ بستہ۔ سمجھ لے کہ میری بخشش ہوگئی۔ گھانس کا ایک پرتھا جسے

ہوا اڑا کر لے گئی۔

نہ من باخوداز ہر چہ سنجد خیال
ندارم بغیر از نشان جلال
اگر دیگراں رابود گفت و کرد
مرا مایۂ عمر رنجست و درد
چہ پرسی چوں آں درد ورنج از تو بود
غمی تازہ در ہر نورد از تو بود
فرو ہل کہ حسرت خمیر من است
دم سرد من زمہریر من است

(زمہریر: وہ خطہ جہاں پانی جم کر سرد و یخ ہو جاتا ہے)

پھر وہ نہایت پر جوش انداز میں کہتا ہے کہ اگر مجھے دوزخ میں ڈال دیا گیا تو میرے جلنے سے جو دھواں ہوگا وہ تاریکیوں کو اور بڑھا دے گا ان تاریکیوں میں وہ آب بقا بھی نہ ہوگا جو خضرؑ کو ملا تھا۔ جرأت اظہار اور حد ادب کا امتزاج ان اشعار میں حسن بیان کی جان ہیں۔

کہتا ہے تجھے یہ خبر ہے کہ میں کافر نہیں ہوں اور یہ بھی تو جانتا ہے کہ سورج اور آذر کا پجاری نہیں ہوں یعنی کفر اور شرک سے پاک ہوں۔

ھمانا تو دانی کہ کافر نیم
پرستار خورشید و آزر نیم

نہ ہی میں نے اہرمن کی طرح کسی کا قتل کیا ہے اور نہ ہی راہزن کی طرح کسی کو لوٹا ہے۔

نہ کشتم کسے را باھر یمنی
نہ بردم کسے مایہ از رہزنی

یعنی کفر اور شرک وہ گناہ ہیں کہ جس کے ارتکاب کی معافی نہیں۔ قتل اور رہزنی وہ گناہ ہیں جو حق العباد کے زمرہ میں آتے ہیں اور ان کی بھی معافی نہیں۔ غالب نے ان میں سے کوئی گناہ نہیں کیا اور پھر کیا خوب شوخی ہے ملاحظہ کیجیے:

ہوا اڑا کر لے گئی۔

نہ من باخوداز ہر چہ سنجد خیال
ندارم بغیر از نشان جلال
اگر دیگراں رابود گفت و کرد
مرا مایۂ عمر رنجست و درد
چہ پرسی چوں آں درد ورنج از تو بود
غمی تازہ در ہر نورد از تو بود
فرو ہل کہ حسرت خمیر من است
دم سرد من زمہریر من است

(زمہریر: وہ خطہ جہاں پانی جم کر سرد و یخ ہوجاتا ہے)

پھر وہ نہایت پرجوش انداز میں کہتا ہے کہ اگر مجھے دوزخ میں ڈال دیا گیا تو میرے جلنے سے جو دھواں ہوگا وہ تاریکیوں کو اور بڑھا دے گا ان تاریکیوں میں وہ آب بقا بھی نہ ہوگا جو خضرؑ کو ملا تھا۔ جرأت اظہار اور حد ادب کا امتزاج ان اشعار میں حسن بیان کی جان ہیں۔

کہتا ہے تجھے یہ خبر ہے کہ میں کافر نہیں ہوں اور یہ بھی تو جانتا ہے کہ سورج اور آذر کا پجاری نہیں ہوں یعنی کفر اور شرک سے پاک ہوں۔

ھمانا تو دانی کہ کافر نیم
پرستار خورشید و آزر نیم

نہ ہی میں نے اہرمن کی طرح کسی کا قتل کیا ہے اور نہ ہی راہزن کی طرح کسی کو لوٹا ہے۔

نہ کشتم کسے را باھر یمنی
نہ بردم کسے مایہ از رہزنی

یعنی کفر اور شرک وہ گناہ ہیں کہ جس کے ارتکاب کی معافی نہیں۔ قتل اور رہزنی وہ گناہ ہیں جو حق العباد کے زمرہ میں آتے ہیں اور ان کی بھی معافی نہیں۔ غالب نے ان میں سے کوئی گناہ نہیں کیا اور پھر کیا خوب شوخی ہے ملاحظہ کیجیے:

مگر مئے کہ آتش بگورم از وست
بہ ہنگامہ پرواز مورم از وست
من اندوہ گیں و مئے اندہ ربائی
چہ می کردم ای بندہ پرور خدائ

مگر یہ مئے جو میری محبوبہ جاودانی ہے تو جانتا ہے کہ میں کس قدر اندوہ گیں تھا اور یہ مئے دلربا اے بندہ پرور اگر نہ پیتا تو پھر کرتا بھی کیا۔ اپنی وکالت میں پہلے ان گناہوں سے اجتناب کا ذکر کیا جن کے ارتکاب سے معافی نہیں۔ شمار عصیاں سے برأت کی بات کہہ کر پھر بصد انداز شوخی و بصد ادب ''دیوانہ باشی'' کہ مئے نوشی یہی ایک میرا جرم ہے اور یہ بھی میری غمگینی کا رد عمل تھا۔ اب اس جرم سے نجات کے لیے کیسے کیسے عذر پیش کرتا ہے ملاحظہ کیجیے:

حساب مئی و رامش و رنگ و بوئے
زجمشید و بہرام و پرویز جوئی
کہ از بادہ تا چہرہ افروختند
دل دشمن و چشم بد سوختند
نہ از من کہ از تاب مئی گاہ گاہ
بدریوزہ رخ کردہ باشم سیاہ
نہ بستاں سرائی نہ میخانہ ای
نہ دستاں سرائی نہ جانا نہ ای
نہ رقص پری پیکراں بر بساط
نہ غوغائے رامش گراں در رباط
تمنائے معشوقۂ بادہ نوش
تقاضائے بیہودۂ مئے فروش

غالبؔ کہتا ہے کہ میری مے نوشی کا حساب لینا مشیت میں شامل ہے مگر کن سے لے جمشید

سے لے، بہرام سے لے، خسرو پرویز سے حساب لے نہ یہ غالب کہ جس نے مانگ مانگ کر کبھی کبھار پی اور مفت میں اپنا چہرہ سیاہ کرلیا۔ میرا تو نہ خیاباں تھا نہ میخانہ میرا تھا جہاں نہ کوئی مہ لقا تھی جو داستاں سرائی کرتی نہ وہ محفل کہ جہاں پری پیکروں کا رقص ہوتا۔ میں تو ساری عمر تمنائے معشوقہ بادہ فروش میں رہا یا پھر (اُدھار لے کر کبھی پی لی) تقاضائے بے ہودۂ مے فروش میں رہا۔ ان اشعار کے بعد غالب نے اپنی حسرتوں اور تمناؤں کی پامالی کا جن لفظوں میں بیان کیا ہے وہ اسی کا کمال ہے جسے طوالت کے خوف سے نہیں دے رہا ہوں۔ یہاں ایک پہلو اُن التجاؤں اور مکالمہ کی یک طرفہ صورت میں اور بھی ہے غالب کہہ رہا ہے کہ جس کے حضور تو پیش ہوا ہے وہ عالم الغیب ہے اور اس سے تیری کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے کیا خبر تیری حسن گوئی اور بیباکی کے سبب وہ تجھ سے راضی ہوجائے اور دوسری بات یہ بھی کہ روز محشر سے پہلے تو تیری کوئی حسرت نہ نکلی اور تجھے اسی بات کا غم ہے آج ان حسرتوں کا ذکر کر کے اپنی یہ حسرت تو نکال۔ جن اشعار کو طوالت کے خوف سے پیش نہیں کیا ان کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جس سے غالب کی حق گوئی کا اندازہ ہوگا۔

کہتا ہے جب شب ماہ ہوتی ہے افق پر جب جب گھٹائیں چھا جاتی ہیں تو میرا پیالہ اس موقع پر تہی ہوجاتا ہے جب بارشیں ہوتی ہیں تو محرومی کے سبب وہ خواہ شب ماہ ہو میرے لیے تاریک ہوجاتی ہے، جب چمن میں بہار آتی ہے تو میں مثل بے برگ و ساز دروازہ بند کر کے وقف نیاز ہوجاتا ہوں۔ دنیا میں مری ہستی ایسی گراں بار تھی گویا جسم میں میری جاں نہ تھی خار ہی خار تھے۔ پھر کس ادا کے ساتھ اپنے اعمال کو ترازو پہ تولے جانے کے خیال سے کہتا ہے کہ میرے دفتر اعمال میں جو بھی خطائیں رقم ہوئی ہیں ان کے مقابل ایک ایک حسرت بھی درج ہے جو بہت جاں گداز ہے اب تو ہی بتا کہ انصاف کیسے ہو یعنی میری خطاؤں سے میری حسرتیں زیادہ ہیں۔

بہر جرم کز روئے دفتر رسد
زمن حسرتی در برابر رسد
بفرمائی کایں واری چوں بود

سے لے، بہرام سے لے، خسرو پرویز سے حساب لے نہ یہ غالب کہ جس نے مانگ مانگ کر کبھی کبھار پی اور مفت میں اپنا چہرہ سیاہ کرلیا۔ میرا تو نہ خیاباں تھا نہ میخانہ میرا تھا جہاں نہ کوئی مہ لقا تھی جو داستاں سرائی کرتی نہ وہ محفل کہ جہاں پری پیکروں کا رقص ہوتا۔ میں تو ساری عمر تمنائے معشوقہ بادہ فروش میں رہا یا پھر (اُدھار لے کر کبھی پی لی) تقاضائے بے ہودۂ مے فروش میں رہا۔ ان اشعار کے بعد غالب نے اپنی حسرتوں اور تمناؤں کی پامالی کا جن لفظوں میں بیان کیا ہے وہ اسی کا کمال ہے جسے طوالت کے خوف سے نہیں دے رہا ہوں۔ یہاں ایک پہلو اُن التجاؤں اور مکالمہ کی یک طرفہ صورت میں اور بھی ہے غالب کہہ رہا ہے کہ جس کے حضور تو پیش ہوا ہے وہ عالم الغیب ہے اور اس سے تیری کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے کیا خبر تیری حسن گوئی اور بیباکی کے سبب وہ تجھ سے راضی ہوجائے اور دوسری بات یہ بھی کہ روز محشر سے پہلے تو تیری کوئی حسرت نہ نکلی اور تجھے اسی بات کا غم ہے آج ان مسرتوں کا ذکر کرکے اپنی یہ حسرت تو نکال۔ جن اشعار کو طوالت کے خوف سے پیش نہیں کیا ان کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جس سے غالب کی حق گوئی کا اندازہ ہوگا۔

کہتا ہے جب شب ماہ ہوتی ہے افق پر جب جب گھٹائیں چھا جاتی ہیں تو میرا پیالہ اس موقع پر تہی ہوجاتا ہے جب بارشیں ہوتی ہیں تو محرومی کے سبب وہ خواہ شب ماہ ہو میرے لیے تاریک ہوجاتی ہے، جب چمن میں بہار آتی ہے تو میں مثل بے برگ و ساز دروازہ بند کرکے وقف نیاز ہوجاتا ہوں۔ دنیا میں مری ہستی ایسی گراں بار تھی گویا جسم میں میری جاں نہ تھی خار ہی خار تھے۔ پھر کس ادا کے ساتھ اپنے اعمال کو ترازو پہ تولے جانے کے خیال سے کہتا ہے کہ میرے دفتر اعمال میں جو بھی خطائیں رقم ہوئی ہیں ان کے مقابل ایک ایک حسرت بھی درج ہے جو بہت جاں گداز ہے اب تو ہی بتا کہ انصاف کیسے ہو یعنی میری خطاؤں سے میری حسرتیں زیادہ ہیں۔

بہر جرم کز روئے دفتر رسد
زمن حسرتی در برابر رسد
بفرمائی کایں واری چوں بود
کہ از جرم من حسرت افزوں بود

اس انداز بیان کو مندرجہ ذیل اشعار پر ختم کرتا ہوں جن میں وہ رحمت باری تعالیٰ کو جوش میں لانے کے لیے کیا کیا نہیں کہتا:

بدیں مویہ در روز امید و بیم
بگریم بد انساں کہ عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چارہ جوئی
تو بخشی بداں گریہ ام آبروئی
وگر خون حسرت ھدر کردہ ای
زپاداش قطع نظر کردہ ای
گزشتم زحسرت، امیدیم ہست
سپید آب روئی سپیدیم ہست
کہ البتہ ایں رند نا پارسا
کج اندیشہ گبر مسلماں نما
پرستار فرخندہ منشور تست
ھوا دار فرزانہ ''وخشورﷺ'' تست

(''وخشور'' بہ معنی نبی کریم ﷺ) (حسن اللغات فارسی)

بند امید استواری فرست
بغالب خط رست گاری فرست

کہتا ہے کہ میرے جرموں سے اگر میری حسرت سوا ہے تو پھر مرے جیسے انسان کو عقوبت نہیں تلافی ملنی چاہیے، وگرنہ روز امید و بیم اس قدر گریہ کروں گا کہ عرش عظیم کہے گا کہ مجھے سیلاب سے بچا لہٰذا مجھے میرے اس انتہائی گریہ کے سبب بخش دے لیکن اگر تو نے میری مسرتوں کا خون روا ہی رکھا ہے تو میں اپنی حسرت سے گزرا (گزشتم زحسرت) تو، مجھے امید سحر تاب ہے کہ یہ رند ناپارسا جو مسلمان نما، کج اندیشہ گبر ہے یہ تیرے دین کا جان سے

پرستار ہے اور رسول اللہﷺ کا ہوادار ہے یعنی عاشق ہے (ہوادار فرزانہ وخشورﷺ تست)
اب اس عطاء بند اُمید کو ثبات ہو اور غالب کو نجات کی تحریر پہنچے۔
یہ قول ہمارے ادب کا قیمتی جملہ ہے جو فارسی زبان کی لطافت کے ساتھ روحانی اقدار کا حوالہ ہے۔ ''باخدا دیوانہ باش و با محمدﷺ ہوشیار'' اس قول کے دو جزو ہیں، غالب نے پہلے جزو میں دیوانہ باشی کے حصہ کو طاق اقوال سے اتار کر جس طرح برتا ہے وہ بے نظیر و بے مثال ہے۔ شوخی اور حد ادب کا امتزاج عجب انداز سے ہے۔ غالب کی فکر اور اس کی رسائی کو علامہ اقبال نے کچھ اس طرح خراج پیش کیا:

فکر انساں پر تیری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرے مرغ تخیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تو، بزم سخن پیکر ترا
زیب محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا
(اقبالؒ)

غالبؔ کو خود اپنے حسن بیاں پر جو ناز تھا اس بابت اردو اور فارسی میں بہت کچھ کہا لیکن اپنے کلام پر حرف گیری بھی اس کو گوارا نہ تھی چناں چہ عجب انداز میں اس نے یہ بات ایک شعر میں کہی:

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی میرے حرف پہ انگشت
(غالبؔ)

جس پہلو سے وہ کسی واقعہ کو دیکھتا اور پھر جس انداز سے اسے پیش کرتا بہ قول اقبالؔ اس کے مرغ تخیل کی رسائی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی۔ واقعہ طور کو ہی لیجیے بیش تر شعرا نے اس مضمون کو اپنی بساط فکر کے مطابق باندھا ہے اور ہر خیال نے دوسرے خیال پر سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ غالب نے جس طرح اسے پیش کیا اس میں قرآنی آیات کے مفہوم کو بھی اپنے اندر جذب کیے ہوئے ہے اور ندرت بھی ساتھ ساتھ اپنا کمال کا جلوہ دکھا رہی ہے:

پرستار ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ہوادار ہے یعنی عاشق ہے (ہوادار فرزانہ وخشور ﷺ تست)
اب اس عطاء بند اُمید کو ثبات ہو اور غالب کو نجات کی تحریر پہنچے۔

یہ قول ہمارے ادب کا قیمتی جملہ ہے جو فارسی زبان کی لطافت کے ساتھ روحانی اقدار کا حوالہ ہے۔ ''باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار'' اس قول کے دو جزو ہیں، غالب نے پہلے جزو میں دیوانہ باشی کے حصہ کو طاق اقوال سے اتار کر جس طرح برتا ہے وہ بے نظیر و بے مثال ہے۔ شوخی اور حد ادب کا امتزاج عجب انداز سے ہے۔ غالب کی فکر اور اس کی رسائی کو علامہ اقبال نے کچھ اس طرح خراج پیش کیا:

فکر انساں پر تیری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغ تخیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تو، بزم سخن پیکر ترا
زیب محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا
(اقبالؒ)

غالبؔ کو خود اپنے حسن بیاں پر جو ناز تھا اس بابت اردو اور فارسی میں بہت کچھ کہا لیکن اپنے کلام پر حرف گیری بھی اس کو گوارا نہ تھی چناں چہ عجب انداز میں اس نے یہ بات ایک شعر میں کہی:

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی میرے حرف پہ انگشت
(غالبؔ)

جس پہلو سے وہ کسی واقعہ کو دیکھتا اور پھر جس انداز سے اسے پیش کرتا بہ قول اقبالؔ اس کے مرغ تخیل کی رسائی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی۔ واقعہ طور کو ہی لیجیے بیش تر شعرا نے اس مضمون کو اپنی بساط فکر کے مطابق باندھا ہے اور ہر خیال نے دوسرے خیال پر سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ غالب نے جس طرح اسے پیش کیا اس میں قرآنی آیات کے مفہوم کو بھی اپنے اندر جذب کیے ہوئے ہے اور ندرت بھی ساتھ ساتھ اپنا کمال کا جلوہ دکھا رہی ہے:

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر
(غالبؔ)

اب دیکھیے کہ اس شعر کا حسن یہ کہ اس کے دو طرح معنی لیے جاسکتے ہیں یعنی نہ ہم پر برق گرتی تھی نہ طور پر اور دوسرے معنی جو قریب تر ہیں کہ برق تجلی تو ہم پر گرنی چاہیے تھی نہ کے طور پر اور پھر دوسرے مصرعہ میں شوخی نمایاں ہے کہ ظرف قدح خوار دیکھ کر ہی بادہ دیا جاتا ہے بھلا طور اس کا متحمل کہاں ہوتا۔ یہ غالب کا اپنا شوخ انداز ہے، کرشمۂ قدرت پر نعوذ باللہ اعتراض نہیں۔ جیسا کہ اس نے ترازو پر اعتراض کیا جس میں اعمال تولے جاتے ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں مفہوم تک رسائی کے لیے ذہانت کا امتحان لیتا ہے اور جستجو کی دعوت دیتا ہے۔ کہتا ہے:

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی
(غالبؔ)

باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار کے دوسرے جزو کی جانب آتے ہیں۔ غالبؔ کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی کا فقدان بھی ویسا ہے جیسا مجموعی نعتیہ ادب میں۔ پاسداران ادب نے اپنا فرض پورا کیا ہوتا تو آج عوامی سطح پر یوں کوئی نہ کہتا کہ غالب نے ایک ہی نعت کہی ہے۔ حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد ﷺ است۔ غالب کی نعتیہ شاعری سے ناواقفیت کا یہ احساس عام، کن کوتاہیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے:

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

مجھے اس درد کی کسک شفیق الدین شارق کے سینہ میں محسوس ہوئی جب انھوں نے کہا:

''اگر غالب شناسوں میں سے کوئی صاحب چاہیں تو اس موضوع پر پوری ایک کتاب مرتب کر سکتے ہیں، غالب کی شاعری کا یہ پہلو بھی مناسب توجہ

کے انتظار میں ہے، اس کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر جب اتنا کام
ہو چکا ہے تو اس پہلو پر بھی ہوسکتا ہے۔''

میدان شاعری کا وہ شہسوار، جس کے سخن معنی آفریں کا ایک ایک ٹکڑا بے مثال، گوہر آبدار، پرواز فکر میں فلک مدار جس کے مرغ تخیل کی رسائی پر حکیم الامت رطب اللسان، وہ جب اپنی فکر رساء کو بصد عقیدت اور محبت اور جذبات ایمانی کی کیفیتوں کے ساتھ مدحت ساقیٔ کوثر کو متوجہ کرے گا تو اس قدح خوار کے ساغر میں کیا کچھ نہ سمٹ آیا ہوگا جسے ہمارے ادب میں خاطر خواہ پیش کیا نہ جاسکا۔ اقلیم نعت کے پہلے شمارہ میں اس ناچیز کا مضمون ''نعتیہ ادب میں تنقیدی جمود'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ اپریل ۱۹۹۵ء کا ذکر ہے الحمدللہ مجذوب نعت کی اَن تھک، بے مثال مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں اس فقدان کے گرداب سے اہل تحقیق کو نکلتے دیکھ رہا ہوں۔ پانچ سال کا طویل عرصہ گزرا، غالب کی نعتیہ شاعری نہ صرف محروم تبصرہ بلکہ محروم تعارف تھی اب میرے شہر اور میرے وطن کے اہل قلم اپنے فرض کی ادائیگی میں سرگرم ہیں جن کے مضامین میری نظروں کے سامنے ہیں۔ غالب کی نعتیہ شاعری پر آئندہ چند ماہ میں میری تحقیق کتابی صورت میں ''غالب کی نعتیہ شاعری'' کے عنوان سے منظر عام پر ان شا اللہ آئے گی ایک اندازہ ہے کہ ضخامت پانچ سو صفحات ہوگی۔ اس لیے میں نے اب تک جو کچھ یہاں پیش کیا وہ کافی سمجھتا ہوں لیکن جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں یہ شکوہ کر چکا ہوں کہ اہلِ ذوق اور اہل مطالعہ سے پوشیدہ نہیں لیکن غالب کی نعتیہ شاعری سے عوام الناس نابلد ہیں انھیں ذوق مطالعہ کے لیے جس رہنمائی کی ضرورت ہے اپنے اس مضمون اور اقلیم نعت کے توسط سے پیش کرتا ہوں۔ جو حضرات فارسی زبان کی شیرینی سے لطف اندوز ہوتے ہیں انھیں بھی غالب کے نعتیہ کلام سے آگہی نہیں ہے اگر ہم غالب کی نعتیہ شاعری پر بھرپور تبصرہ کے جوہر بھی دکھائیں تو بات وہی آ جاتی ہے کہ وہ کلام آخر ہے کہاں۔ چند مصرعوں کو پیش کر کے شاعر کے کمال فن کا تعارف تو ممکن ہے لیکن قاری غالب کی نعت کہاں تلاش کرے کہ اس کے ذوق مطالعہ کی تسکین اور سیرابی ہو اس لیے میں اس خدمت کو تبصرہ سے زیادہ افضل خیال کرتے ہوئے ذوق مطالعہ رکھنے والے قارئین کو اس

کے انتظار میں ہے، اس کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر جب اتنا کام
ہو چکا ہے تو اس پہلو پر بھی ہو سکتا ہے۔''

میدان شاعری کا وہ شہسوار، جس کے سخن معنی آفریں کا ایک ایک ٹکڑا بے مثال، گوہر آبدار، پرواز فکر میں فلک مدار جس کے مرغ تخیل کی رسائی پر حکیم الامت رطب اللسان، وہ جب اپنی فکر رساء کو بصد عقیدت اور محبت اور جذبات ایمانی کی کیفیتوں کے ساتھ مدحت ساقئ کوثر کو متوجہ کرے گا تو اس قدح خوار کے ساغر میں کیا کچھ نہ سمٹ آیا ہوگا جسے ہمارے ادب میں خاطر خواہ پیش کیا نہ جاسکا۔ اقلیم نعت کے پہلے شمارہ میں اس ناچیز کا مضمون ''نعتیہ ادب میں تنقیدی جمود'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ اپریل ۱۹۹۵ء کا ذکر ہے الحمدللہ مجذوب نعت کی اَن تھک، بے مثال مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں اس فقدان کے گرداب سے اہل تحقیق کو نکلتے دیکھ رہا ہوں۔ پانچ سال کا طویل عرصہ گزرا، غالب کی نعتیہ شاعری نہ صرف محروم تبصرہ بلکہ محروم تعارف تھی اب میرے شہر اور میرے وطن کے اہل قلم اپنے فرض کی ادائیگی میں سرگرم ہیں جن کے مضامین میری نظروں کے سامنے ہیں۔ غالب کی نعتیہ شاعری پر آئندہ چند ماہ میں میری تحقیق کتابی صورت میں ''غالب کی نعتیہ شاعری'' کے عنوان سے منظر عام پر ان شا اللہ آئے گی ایک اندازہ ہے کہ ضخامت پانچ سو صفحات ہوگی۔ اس لیے میں نے اب تک جو کچھ یہاں پیش کیا وہ کافی سمجھتا ہوں لیکن جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں یہ شکوہ کر چکا ہوں کہ اہلِ ذوق اور اہل مطالعہ سے پوشیدہ نہیں لیکن غالب کی نعتیہ شاعری سے عوام الناس نابلد ہیں انھیں ذوق مطالعہ کے لیے جس رہنمائی کی ضرورت ہے اپنے اس مضمون اور اقلیم نعت کے توسط سے پیش کرتا ہوں۔ جو حضرات فارسی زبان کی شیرینی سے لطف اندوز ہوتے ہیں انھیں بھی غالب کے نعتیہ کلام سے آگہی نہیں ہے اگر ہم غالب کی نعتیہ شاعری پر بھرپور تبصرہ کے جوہر بھی دکھائیں تو بات وہی آ جاتی ہے کہ وہ کلام آخر ہے کہاں۔ چند مصرعوں کو پیش کر کے شاعر کے کمال فن کا تعارف تو ممکن ہے لیکن قاری غالب کی نعت کہاں تلاش کرے کہ اس کے ذوق مطالعہ کی تسکین اور سیرابی ہو اس لیے میں اس خدمت کو تبصرہ سے زیادہ افضل خیال کرتے ہوئے ذوق مطالعہ رکھنے والے قارئین کو اس خزینہ گوہر نعت کا پتہ بتاتا ہوں۔

غالبؔ کے نعتیہ فارسی کلام کا تمام تر ذخیرہ ''کلیات غالب'' فارسی میں ہے ''کلیات غالب'' (فارسی) تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد کے صفحات ۵۱۲، دوسری جلد کے صفحات ۴۰۲، تیسری جلد کے صفحات ۴۲۳، ہیں۔ اس طرح یہ کلیات ۱۳۳۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ہر جلد کے آغاز میں کلام غالب پر تبصرہ بھی شامل ہے، لیکن تمام صفحات نعتیہ کلام پر مشتمل نہیں ان میں جہاں نعتیہ کلام ہے اس میں تلاش کی دشواری نہ ہو تفصیل پیش کرتا ہوں:

جلد اوّل

	برصفحہ	تاصفحہ	تعداد اشعار	زیرعنوان	مطلع
۱۔	۲۴۵	۲۵۲	۵۷	نعت	(مطلع: بنا میزدا ے کلک قدسی صریر بہ ہر جنبش از غیب نیرو پذیر
۲۔	۳۵۳	۳۳۷	۲۸۱	معراج نامہ	
۳۔	۲۹۳	۳۰۴	۱۲۸		ھمانا در اندیشۂ روزگار شمی بود سر جوش لیل و نہار بیان نموداریٔ شان نبوت/ بعد حمد ایزد و نعت رسول و ولایت کہ در حقیقت پر تو/ مینگارم نکتۂ چند از اصول نور الانوار حضرت الوہیت است ابتدا کے گیارہ شعر نعت کے ہیں بعد ازاں اولیائے کرام کے فیضان بتوسط رسول کریم اس کی تفصیل فہرست کے آخر میں دوں گا
				کلمات طیبات	مطلع
۴۔	۴۱۳	۴۱۸	۶۴	(تفصیل فہرست کے بعد)	(ھلہ ھاں اے دقیقہ اندیشاں حق پرستان و معدلت کیشاں)
				فاتحہ	
۵۔	۴۴۱	۴۴۲	۱۱	(واقعات کربلا پر آسمان سے شکوہ جس کے ہر شعر کی ردیف ''مصطفٰے ہے)	(اے فلک! شرم از ستم بر خاندان مصطفٰے داشتی زیں پیش سر بر آستان مصطفٰے
۶۔	۴۴۹	۴۵۱	۹ بند ہیں	خمسہ برغزل قدسیؒ	کیستم تا بخر دش آوردم بے ادبی قدسیاں تو در موقف حاجت طلبی رفتہ از خویش بدیں زمزمۂ زیر لبی مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

از جلد دوم

	از صفحہ	تا صفحہ	تعداد اشعار	زیر عنوان	مطلع
۱۔	٦	۱۱	٦۵	درنعت سید المرسلین ﷺ	(مطلع اول میں ۳۷ شعر مطلع ثانی میں ۲۸ شعر مطلع اول : مرا دلیست بہ پس کوچہ گرفتاری کشادہ روی تر از شاھدان بازاری مطلع ثانی: زہے زحرف تو اندیشہ را مددگاری خرد بسایۂ شرعت زفتنہ زنہاری
۲۔	۲۱	۲۵	۵۵	درنعت مصطفےٰ بشمول منقبت مرتضوی (تفصیل فہرست کے بعد)	مطلع: چوں تازہ کنم درسخن آئین بیاں را آواز دہم شیوہ ربا ہم نفساں را

جلد سوم

	از صفحہ	تا صفحہ	تعداد اشعار	زیر عنوان	مطلع
۱۔	۱۱۳	x	۹	نعت شریف	مطلع: حق جلوہ گرز طرز بیان محمد است آری کلام حق بہ زبان محمد است

کلیات کی ان تین جلدوں میں ۵۵۹ اشعار ہیں حمد یہ کلام ان سے علاحدہ کر لیا گیا ہے ورنہ مجموعی تعداد اشعار سات سو سے تجاوز کر جاتی ہے۔

جلد اوّل میں زیرِ عنوان ''بیان نموداریٔ شان نبوت و ولایت کہ درحقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوہیت است'' اس طویل عنوان کے تحت مندرجہ بالا فہرست میں بتایا گیا ہے کہ اس میں ۱۲۸۔ اشعار ہیں ان میں ابتدا کے گیارہ شعر خالصتاً نعت شریف کے ہیں بعدازاں اولیائے کرام کے فیضان کی بحث ہے جو رسول اللہ ﷺ ہی کے حوالہ سے ہے۔ دُنیا کے انسانوں اور بھٹکی ہوئی مخلوق کی رہبری اور رہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا گیا۔ رحمت للعالمین ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوا۔ لیکن مخلوق خداوندی کی ہدایت کے لیے قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں خلافت کا سلسلہ جاری ہوا اور جاری رہا تاوقتے کہ مشیت ایزدی سے خلافت بھی اختتام کو پہنچی۔ نبوت اور خلافت دونوں دراصل گمرہی، جبر وظلم کرنے والی طاقتوں کے خلاف محاذ آرا رہے، ان کے بعد یہ سلسلہ اولیائے کرام کو سونپا گیا اور قیامت تک یہ اولیائے کرام اللہ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

از جلد دوم

	از صفحہ	تا صفحہ	تعداد اشعار	زیر عنوان	مطلع
۱۔	۶	۱۱	۶۵	درنعت سید المرسلین ﷺ	(مطلع اول میں ۳۷ شعر مطلع ثانی میں ۲۸ شعر مطلع اول: مرا دلیست بہ پس کوچہ گرفتاری کشادہ روی تر از شاهدان بازاری مطلع ثانی: زہے زحرف تو اندیشہ را مددگاری خرد بسایۂ شرعت زفتنہ زنہاری
۲۔	۲۱	۲۵	۵۵	درنعت مصطفےٰ بشمول منقبت مرتضوی (تفصیل فہرست کے بعد)	مطلع: چوں تازہ کنم درسخن آئین بیاں را آواز دہم شیوہ ربا ہم نفساں را

جلد سوم

	از صفحہ	تا صفحہ	تعداد اشعار	زیر عنوان	مطلع
۱۔	۱۱۳	x	۹	نعت شریف	مطلع: حق جلوہ گرز طرز بیان محمد است آری کلام حق بہ زبان محمد است

کلیات کی ان تین جلدوں میں ۵۵۹ اشعار ہیں حمدیہ کلام ان سے علاحدہ کر لیا گیا ہے ورنہ مجموعی تعداد اشعار سات سو سے تجاوز کر جاتی ہے۔

جلد اوّل میں زیر عنوان ''بیان نموداریٔ شان نبوت و ولایت کہ درحقیقت پرتو نورالانوار حضرت الوہیت است'' اس طویل عنوان کے تحت مندرجہ بالا فہرست میں بتایا گیا ہے کہ اس میں ۱۲۸۔ اشعار ہیں ان میں ابتدا کے گیارہ شعر خالصتاً نعت شریف کے ہیں بعدازاں اولیائے کرام کے فیضان کی بحث ہے جو رسول اللہ ﷺ ہی کے حوالہ سے ہے۔ دُنیا کے انسانوں اور بھٹکی ہوئی مخلوق کی رہبری اور رہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا گیا۔ رحمت للعالمین ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوا۔ لیکن مخلوق خداوندی کی ہدایت کے لیے قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں خلافت کا سلسلہ جاری ہوا اور جاری رہا تاوقتے کہ مشیت ایزدی سے خلافت بھی اختتام کو پہنچی۔ نبوت اور خلافت دونوں دراصل گمرہی، جبر وظلم کرنے والی طاقتوں کے خلاف محاذ آرا رہے، ان کے بعد یہ سلسلہ اولیائے کرام کو سونپا گیا اور قیامت تک یہ اولیائے کرام اللہ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے جبر، ظلم، جہل اور استعماریت سے برسرپیکار رہیں گے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں خاص شرف روحانیت بخشا ہے جس کی نسبت سے مخلوق خدا ان کے پاس جایا کرتی ہے۔ استعماریت اور جہل و جبر نظام سرمایہ داری کی گمراہیوں کے خلاف جمہوریت کے اصول اور قوانین خود استعمار پرستوں کے بنائے ہوئے ہیں خدا کا قانون قرآن ہے پھر رسول کی ذات ہے پھر صحابہ کی زندگی ہے پھر اہل بیت اور آلِ نبی ہیں پھر اولیائے کرام ہیں ان تمام سے اگر جمہوریت کے ساختۂ انسان قوانین متصادم ہوں تو برتری قانون خداوندی ہی کو دی جائے گی۔ ان باتوں کو نظر میں رکھ کر غالب کے ان اشعار پر غور کریں تو اس کی فکر اس کے نظریات اور اس کے عقیدہ کی واضح صورت سامنے آتی ہے وہ کہتا ہے کہ تو نے اگر کسی ولی اللہ سے کچھ طلب کیا ہے وہ درحقیقت خدا سے ہی طلب کرنا ہے کہ جو کچھ طاقت ولی کی ہے وہ اس کی ذاتی نہیں بلکہ رب کریم نے اسے عطا کی ہے اور اسے یہ مرتبہ نورحق سے ملا ہے:

ہر کہ او را نور حق نیرو فراست
ہرچہ ازوے خواستی از ہم خداست
بر لب دریا گر آبی خوردہ ای
آب از موج بجام آوردہ ای
آب از موج آید اندر جام تو
لیکن از دریابود آشام تو

ترجمہ: تو نے جو کچھ اللہ کی بارگاہ کے مقبول بندے ولی سے طلب کیا وہ دراصل خدا سے طلبی ہے کہ ولی پر خدا مہربان ہے اور اس کے نور نے اسے نوازا ہے وہ تجھے نواز دے گا۔

تو اگر پیاسا دریا کے پاس گیا اور پانی پیا تو تیرے پیالے میں پانی دریا سے نہیں بلکہ موج دریا سے آیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ غالب فلسفۂ وحدت الوجود کے آخر تک قائل رہے اسی مثنوی کا یہ شعر بہت مقبول ہوا جو ختم نبوت پر ہے۔

منشاء ایجاد ہر عالم یکیست

گر د صد عالم بود خاتم یکیست

اسی طرح جلد دوئم میں زیرِعنوان ''کلمات طیبات'' میں جس کا مطلع ھلہ ھاں اے دقیقہ اندیشاں ہے اصحاب رسولﷺ کی عظمت، بزرگی اور بلند مراتب وفضیلت بیان کی ہے اور جو ان کی عظمت کے قائل نہیں ہیں ان کو مخاطب کر کے کہا کہ اہل ایمان ہونے کے لیے ان کی محبت شرط ہے میں بہ طورِنمونہ چند شعر پیش کرتا ہوں:

دشمن جوہر نگاہ نہ ایم

منکر رویت اللہ نہ ایم

رسم ما نیست نا سزا گفتن

کار ما نیست جز ثنا گفتن

خانہ زاد رسول و آل ویم

دشمن خصم و بدسگال ویم

خانہ زاد نبی و آل نبی

نکند با صحابہ بے ادبی

زاں کہ ایناں امین و داد گراند

با نبی ہم نشین و ھم سفراند

کیش بیگانگی رھا کردہ

بر نبی مال و جاں فدا کردہ

بولای نبی و عترت او

یافتہ ملک و دیں بدولت او

اس تعارف اور تعریفی کلمات کے بعد کہتا ہے:

بد سگال صحابہ بے دین است

در خور صد ہزار نفرین است

گر د صد عالم بود خاتم یکیست

اسی طرح جلد دوئم میں زیرِعنوان ''کلمات طیبات'' میں جس کا مطلع هله هاں اے دقیقہ اندیشاں ہے اصحاب رسولﷺ کی عظمت، بزرگی اور بلند مراتب وفضیلت بیان کی ہے اور جو ان کی عظمت کے قائل نہیں ہیں ان کو مخاطب کرکے کہا کہ اہل ایمان ہونے کے لیے ان کی محبت شرط ہے میں بہ طور نمونہ چند شعر پیش کرتا ہوں:

دشمن جوہر نگاہ نہ ایم
منکر رویت اللہ نہ ایم
رسم ما نیست نا سزا گفتن
کار ما نیست جز ثنا گفتن
خانہ زاد رسول و آل ویم
دشمن خصم و بدسگال ویم
خانہ زاد نبی و آل نبی
نکند با صحابہ بے ادبی
زاں کہ ایناں امین و داد گراند
با نبی ہم نشین و ھم سفراند
کیش بیگانگی رہا کردہ
بر نبی مال و جاں فدا کردہ
بولای نبی و عترت او
یافتہ ملک و دیں بدولت او

اس تعارف اور تعریفی کلمات کے بعد کہتا ہے:

بد سگال صحابہ بے دین است
در خور صد ہزار نفرین است
کار اصحاب بیں و بد مشمر
حال ایشاں چوحال خود مشمر
گر ترا صرفۂ نکو کاریست
حب ایشاں طراز دینداریست
فکر بغض صحابہ سودا ئیست
خاطر کفر را سویدا ئیست
رفض ماخولیائی خام آرد
صید دیوانگی بدام آرد
یا تو گویم اگر یقیں داری
کاں بزرگاں زروی دین داری
خیر خواہ رسولؐ و آل ویند
عاشق جلوۂ جمال ویند

ان چودہ شعروں سے بہ خوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ غالبؔ اپنے عقائد میں کن باتوں کو تسلیم کرتا ہے اور اس کا طرۂ امتیاز یہی ہے کہ بارگاہ خداوندی میں پیش ہو یا حلقۂ یاراں میں بلاخوف جو بات ایمان وعقیدہ کی ہے بیان کر جاتا ہے۔ ان اشعار کی تعداد بہت ہے طرز بیان میں سادگی اور استدلالی کیفیت کے ساتھ روانی اور سلاست بھی نمایاں ہے۔

اب ان گیارہ اشعار کا ذکر جو اگرچہ براہ راست نعت شریف کے نہیں لیکن کربلا میں امام عالی مقام پر جو گزری اس کا شکوہ فلک بیداد سے جن لفظوں میں کیا ہے وہ خود ایک شہ پارہ ہے جس کے ہر شعر کی ردیف مصطفےٰﷺ ہے۔ یہ چند اشعار بطور حوالہ بھی اور بطور عقیدت بھی نذر قارئین کر رہا ہوں اس میں غالب نے جو کہا تھا کہ:

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

اس دعوے کی دلیل یہ اشعار ہیں:

اے فلک! شرم از ستم بر خاندان مصطفےٰؐ

داشتی زیں پیش سر برآستان مصطفیٰ
اے بمہرو ماہ نازاں ہیچ میدانی چہ رفت؟
از تو برچشم و چراغ دود مان مصطفیٰ
سایہ از سرو روان مصطفیٰ نفتد بخاک
ھاں ، چہ برخاک افگنی سروروان مصطفیٰ
گرمئی بازار امکاں خود طفیل مصطفیٰ است
ہیں چہ آتش میزنی اندر دکان مصطفیٰ
کینہ خواہی بیں کہ با اولاد امجادش کنی
آنچہ بامہ کردہ اعجاز بنان مصطفیٰ
نیک بنود گر تو برفرزند دل بندش رود
آنچہ رفت از مرتضیٰؑ بر دشمنان مصطفیٰ
یا تودانی مصطفیٰ را فارغ از رنج حسین؟
یا تو خواہی زیں مصیبت امتحان مصطفیٰ
یا مگر گاہی نہ دیدی مصطفیٰ را با حسینؑ
یا مگر ہر گز نہ بودی در زمان مصطفیٰ
آں حسینؑ است ایں کہ سودی مصطفیٰ چشمش برخ
بوسہ چوں باقی نہ ماندی در دہان مصطفیٰ
آں حسینؑ است ایں کہ گفتی مصطفیٰ ''روحی فداک''
چوں گزشتی نام پا کش بر زبان مصطفیٰ
قدسیاں رانطق من آوردہ غالب در سماع
گشتہ ام در نوحہ خوانی مدح خوان مصطفیٰ

جلد دوئم میں ہی بہ عنوان ''نعت مصطفیٰ ﷺ بہ شمول منقبت مرتضویؑ'' میں قلم کی جولانی، گوہر فشانی سیمائے بیانی کے شعر۔ یہاں صرف تین شعر پر اکتفا کرتا ہوں:

داشتی زیں پیش سر برآستان مصطفیٰ
اے بمہرو ماہ نازاں ہیچ میدانی چہ رفت؟

از تو برچشم و چراغ دود مان مصطفیٰ
سایہ از سرو روان مصطفیٰ نفتد بخاک

ہاں ، چہ برخاک افگنی سروروان مصطفیٰ
گرمئی بازار امکاں خود طفیل مصطفیٰ است

ہیں چہ آتش میزنی اندر دکان مصطفیٰ
کینہ خواہی بیں کہ با اولاد امجادش کنی

آنچہ بامہ کردہ اعجاز بنان مصطفیٰ
نیک بنود گر تو برفرزند دل بندش رود

آنچہ رفت از مرتضیٰؑ بر دشمنان مصطفیٰ
یا تودانی مصطفیٰ را فارغ از رنج حسینؑ؟

یا تو خواہی زیں مصیبت امتحان مصطفیٰ
یا مگر گاہی نہ دیدی مصطفیٰ را با حسینؑ

یا مگر ہر گز نہ بودی در زمان مصطفیٰ
آں حسینؑ است ایں کہ سودی مصطفیٰ چشمش برخ

بوسہ چوں باقی نہ ماندی در دہان مصطفیٰ
آں حسینؑ است ایں کہ گفتی مصطفیٰ ''روحی فداک''

چوں گزشتی نام پا کش بر زبان مصطفیٰ
قدسیاں رانطق من آوردہ غالب در سماع

گشتہ ام در نوحہ خوانی مدح خوان مصطفیٰ

جلد دوئم میں ہی بہ عنوان ''نعت مصطفیٰ ﷺ بہ شمول منقبت مرتضوی'' میں قلم کی جولانی، گوہر فشانی سیمائے بیانی کے شعر۔ یہاں صرف تین شعر پر اکتفا کرتا ہوں:

رقصد قلم بے خود و من خود زرہ مہر
برزہرہ فشانم اثر جنبش آں را

گوہر کدۂ راز بود عالم معنی
در لفظ گہر ریزہ بود وادیٔ آں را

لفظ کہن و معنی تو در ورق من
گوئی کہ جہانست و بہار است جہاں را

اپنی ان گزارشات کے آخر میں اس نعت کا حوالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں جس کی فارسی داں اور فارسی زبان سے ناواقف حضرات میں یکساں مقبولیت ہے جس کا مطلع ہی عاشقان مصطفیٰ ﷺ کے لیے آب حیات سے زیادہ معتبر ہے کہ عمر جاودانی عشق بخشتا ہے اور غالب کی حقیقی عظمت وہیں جلوہ گر ہے۔

حق جلوہ گرز طرز بیان محمدؐ است
آرے کلام حق بہ زبان محمدؐ است

اس نعت پر غالباً جتنا لکھا گیا ہے وہ کسی دفتر سے کم نہیں ہر ہر مصرعہ کی تشریح وتفسیر قرآن و حدیث کے حوالوں سے بھی کی گئی ہے اور شعری محاسن کے اعتبار سے بھی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تشنگی دور نہیں ہوئی اور اس پر مزید دفتر رقم ہوگا۔ میرا یہ مضمون طویل ہوگیا ہے اور مجھے احساس ہے کہ غالب کی اس شہرۂ آفاق نعت پر تبصرہ بھی ضروری ہے۔ چناں چہ میں اس ارادہ کو اپنی مجوزہ تصنیف ''غالب کی نعتیہ شاعری'' کے لیے جس پر شب و روز تحقیقی کام ہورہا ہے ملتوی کرتا ہوں البتہ مقطع پر:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کآں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

اظہار خیال کرتا ہوں یہ عجیب بات ہے کہ ایک صاحب علم نے مجھے اپنے اس خیال سے چونکا دیا کہ غالب چوں کہ نعت کا مرد میدان نہیں تھا اس نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے یہ شعر کہا ہے یقیناً وہ یگانہ چنگیزی نہ تھا میرے عہد کا انسان تھا لیکن میری حیرت کا سبب کچھ اورنہیں تھا بلکہ یگانہ کے افکار کی عصر حاضر میں پیکر بشری میں ملاقات تھی۔ خیر اس نے جو کہا

بقدر ہمت اوست حقیقت یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے علاوہ اردو زبان میں بھی دس بیس نہیں سیکڑوں شعرا نے اپنے اس عجز کا اظہار اپنے اپنے انداز سے کیا ہے۔ میری نظر سے جو اشعار گزرے ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

کنوں گویم ثنا ہائے پیمبر
کہ مارا سوئے یزدانست رہبر
(گرگانیؔ)

یہاں فخرالدین گرگانی غالب کے برعکس کہتے ہیں کہ میں جو ثنائے پیمبر میں مصروف ہوں تو میری رہبری یزداں کر رہا ہے۔ لیکن انوری غالب کی طرح کہنا چاہتا ہے پھر بھی وہ اپنے آپ کو نااہل قرار دے کر کہتا ہے:

سخن از شرح دین احمد گو
بے دلا، ابلہا و بے دُنیا
(انوریؔ)

البتہ حکیم خاقانی کے عجز میں زور کلام اور حسن بیان دونوں شامل ہیں:

مرغے چنیں کہ دانہ و آبش ثنائے تست
مپسند کز نشیمن عالم کشد جفا
(خاقانیؔ)

اور فریدالدین عطار کہتے ہیں:

اگر در نطق آیم تا قیامت
نیارم گفت یک وصفت تمامت
(عطارؔ)

خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل کہتا ہے:

دریائے مدحت تو ز پنہاوری کہ ہست
دروے شناوران سخن را گزار نیست
(کمال الدین اسمٰعیل)

بقدر ہمت اوست حقیقت یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے علاوہ اردو زبان میں بھی دس بیس نہیں سیکڑوں شعرا نے اپنے اس عجز کا اظہار اپنے اپنے انداز سے کیا ہے۔ میری نظر سے جو اشعار گزرے ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

کنوں گویم ثنا ہائے پیمبر
کہ مارا سوئے یزدانست رہبر
(گرگانی)

یہاں فخرالدین گرگانی غالب کے برعکس کہتے ہیں کہ میں جو ثنائے پیمبر میں مصروف ہوں تو میری رہبری یزداں کر رہا ہے۔لیکن انوری غالب کی طرح کہنا چاہتا ہے پھر بھی وہ اپنے آپ کو نااہل قرار دے کر کہتا ہے:

سخن از شرح دین احمد گو
بے دلا، ابلہا و بے دُنیا
(انوری)

البتہ حکیم خاقانی کے عجز میں زورِ کلام اور حسن بیان دونوں شامل ہیں:

مرغے چنیں کہ دانہ و آبش ثنائے تست
مپسند کز نشیمن عالم کشد جفا
(خاقانی)

اور فریدالدین عطار کہتے ہیں:

اگر در نطق آیم تا قیامت
نیارم گفت یک وصفت تمامت
(عطار)

خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل کہتا ہے:

دریائے مدحت تو ز پہناوری کہ ہست
دروے شناوران سخن را گزار نیست
(کمال الدین اسمٰعیل)

اور اب دیکھئے گلستان پند و بوستان سخن شیخ سعدی کی جانب فرماتے ہیں:

ترا عز لولاک تمکیں بس است
ثنائے توطٰہٰ و یٰسیں بس است
چہ وصفت کند سعدیؒ نا تمام
علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام
(سعدیؒ)

چار مصرعے سعدی ہی کے اور دیکھیے:

چو دولت با یدم تمہید ذات مصطفےٰ گویم
کہ در دریوزہ صوفی گرد اصحاب کرم دارد
زیاں را درکش اے سعدی ز شرح علم او گفتن
تو در علمش چہ دانی باش تا فرد اعلم گردد
(سعدیؒ)

اور خواجہ ہمام تبریزی فرماتے ہیں:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

یہ مصرع عام زدِ زبان اسی طرح سے ہے لیکن اصل شعر اس طرح ہے:

ہزار بار بشستم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو بردن مرا نمی شاید

اس نعت کا مطلع کچھ اس طرح ہے اور دیگر اشعار بھی اپنے قارئین کے علم میں حقیقی اضافہ کے لیے پیش کر رہا ہوں:

دلم زعہدۂ عشقت بروں نمی آید
بجائے ہر سر موئے مرا دلے باید
رواں شود زلبم چشم ہائے آب حیات
چوں نام دوست مرا بر سر زباں آید

ہزار بار بشستم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن مرا نمی شاید

اور مطلع اس طرح سے ہے:

زہے خجستہ مباحے کہ وقت بیداری
ہمام روئے تو بیند چودیدہ بکشاید
(خواجہ ہمام تبریزی)

بات جب نکلتی ہے تو اضافے بھی ہوتے جاتے ہیں زبان کو خواجہ ہمام تبریزی نے نعت رسولﷺ میں دھونے کا جو خوب صورت لفظوں میں ذکر کیا ہے تو اسی انداز کو مرزا داراب بیگ نے جن کا تخلص جویا تھا اپنے انداز میں یوں کہا ہے:

پاک تر از موج کوثر کن زبان خویشتن
ناتوانی بود زیں پس نعت سنج مصطفیٰؐ
(جویا تبریزی)

خواجہ جمال الدین سلمان ساوجی کہتا ہے:

فکرم نمی رسد بصفاتت کہ وصف تو
بر دست و پائے عقل ز حیرت عقال یافت
فکر ہوائی بشریت کجا و کئے
در بارگاہ وصف ہوایت مجال یافت

جمال دہلوی کے اشعار کمال ادب و عجز ہیں اور غالب نے جو یہ کہہ کر کہ "آں ذات پاک مرتبہ دان محمد است" یزداں پر بات چھوڑ دی جمال دہلوی نے یہی بات کہی ضرور مگر غالب کے پہلے مصرعہ کے مقابل وہ پھر بھی مصروف ثناء ہے اور اس کا سبب بیان کرتا ہے۔ بہت خوب اشعار ہیں ملاحظہ کیجیے:

زباں در وصف ذاتت گنگ و لالست
کہ وصف چوں توئی کر دن محال است

ہزار بار بشستم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن مرا نمی شاید

اور مطلع اس طرح سے ہے:

زہے خجستہ مباحے کہ وقت بیداری
ہمام روئے تو بیند چودیدہ بکشاید
(خواجہ ہمام تبریزی)

بات جب نکلتی ہے تو اضافے بھی ہوتے جاتے ہیں زبان کو خواجہ ہمام تبریزی نے نعت رسول ﷺ میں دھونے کا جو خوب صورت لفظوں میں ذکر کیا ہے تو اسی انداز کو مرزا داراب بیگ نے جن کا تخلص جویا تھا اپنے انداز میں یوں کہا ہے:

پاک تر از موج کوثر کن زبان خویشتن
ناتوانی بود زیں پس نعت سنج مصطفےؐ
(جویا تبریزی)

خواجہ جمال الدین سلمان ساوجی کہتا ہے:

فکرم نمی رسد بصفاتت کہ وصف تو
بر دست و پائے عقل ز حیرت عقال یافت
فکر ہوائی بشریت کجا و کئے
در بارگاہ وصف ہوایت مجال یافت

جمال دہلوی کے اشعار کمال ادب و عجز ہیں اور غالب نے جو یہ کہہ کر کہ ''آں ذات پاک مرتبہ دان محمد است'' یزداں پر بات چھوڑ دی جمال دہلوی نے یہی بات کہی ضرور مگر غالب کے پہلے مصرعہ کے مقابل وہ پھر بھی مصروف ثناء ہے اور اس کا سبب بیان کرتا ہے۔ بہت خوب اشعار ہیں ملاحظہ کیجیے:

زباں در وصف ذاتت گنگ و لالست
کہ وصف چوں توئی کر دن محال است

میان است از ہیچ ہیچم
چہ باشد من ؟ کہ در نعت تو پیچم
چوں نعتت می سراید ایزد پاک
چہ باشد در صفاتت زہرۂ خاک
و لیکن چوں من از خیل سگانم
ز اُو صافت چرا خاموش مانم
(جمال دہلوی)

عرفی شیرازی نے کیا خوب کہا:

دعویٰ کن نعت لائق تو
رسوائے جہان آفرینش
دارد بہ عنایت تو عرفیؔ
حرفے ز زبان آفرینش
(عرفیؔ)

محمد حسین نظیری نے جو یہ شعر کہا ہے محسوس یہ ہوتا ہے کہ غالب نے اسی خیال کو اپنے مقطع میں سمو لیا ہے غالب نظیری سے بے حد متاثر بھی تھا اور اس کے کلام کے حوالہ سے شعر بھی کہے:

خدا نعت محمد داند و بس
نیا ید کار یزداں از دگر بس

نظیری کا اس سے پہلا شعر بھی اسی ضمن میں بہت خوب ہے:

بہ نعت مصطفےٰ نامیست نامم
کزیں معنی بہ یزداں ہم کلامم
(نظیریؔ)

اس سے قبل ہزار بار بشویم دہن زمشک گلاب کی بحث اور تصحیح میں مرزا جو یا کا

ہم معنی شعر پیش کیا تھا مرزا جویا کا ایک اور شعر سامنے آ گیا تو نقل کرتا ہوں کہ وہ تو عام انسانوں کے لیے مشک و گلاب سے دہن شوئی کی بات تھی لیکن جوؔیا نے اس شعر کو اور بلند کر دیا ہے یہ کہہ کر کہ:

از ادب شوید دہن را خضر از ہفتاد آب
تا تواند برد نام نامئ آں پیشواء
(مرزا جوؔیا)

صاحب لولاک کا نام لینے سے پہلے عام آدمی تو کجا ادب کا قرینہ حضرت خضرؑ کو بھی مجبور کرتا ہے کہ ایک نہیں دو نہیں ہفتاد آب سے اپنے دہن کو دھولیں۔ (ہفتاد بہ معنی ۷۰)

میر سید علی مشتاق اصفہانی کہتا ہے۔ یہ جمال الدین اصفہانی اور کمال الدین اصفہانی سے مختلف شخصیت ہے) جس طرح گرگانی ہے زیاد بن محمد قمری گرگانی اور فخر الدین اسعد گرگانی)

کہ بوادئ ثنائے تو صد افلاطوں را
پائے اندیشہ بود با ہمہ سرعت ارجل

یوں میری نظر میں ان شعرا کا کلام بھی ہے جو عربی اور اردو میں اس خیال کو منفرد انداز میں پیش کر چکے ہیں لیکن میں حکیم قاآنی کے ان تین اشعار پر ختم کرتا ہوں جن میں قاآنی اپنے عجز کا یوں اظہار کرتا ہے:

لیکن ترا مجال بیاں نیست در درود
لیکن ترا قبول سخن نیست در ثناء
دست دعا وسیع و سمند تو ناتواں
بام ثناء رفیع و کمند تو نارسا
گر رایت از مدیح شناسائی است و بس
خود راشناس تانہ کنی مدح نا سزا
(حکیم قاآنی)

اور اپنے ہی شعر کے مقابل غالب ایک اور منزل پہ اس طرح لب کشا ہوتا ہے:

ہم معنی شعر پیش کیا تھا مرزا جویا کا ایک اور شعر سامنے آگیا تو نقل کرتا ہوں کہ وہ تو عام انسانوں کے لیے مشک و گلاب سے دہن شوئی کی بات تھی لیکن جوؔیا نے اس شعر کو اور بلند کردیا ہے یہ کہہ کر کہ:

از ادب شوید دہن را خضر از ہفتاد آب
تا تواند برد نام نامئ آں پیشواء
(مرزا جوؔیا)

صاحب لولاک کا نام لینے سے پہلے عام آدمی تو کجا ادب کا قرینہ حضرت خضرؑ کو بھی مجبور کرتا ہے کہ ایک نہیں دو نہیں ہفتاد آب سے اپنے دہن کو دھولیں۔ (ہفتاد بہ معنی ۷۰)
میر سید علی مشتاق اصفہانی کہتا ہے۔ یہ جمال الدین اصفہانی اور کمال الدین اصفہانی سے مختلف شخصیت ہے) جس طرح گرگانی ہے زیاد بن محمد قمری گرگانی اور فخر الدین اسعد گرگانی)

کہ بوادئ ثنائے تو صد افلاطوں را
پائے اندیشہ بود با ہمہ سرعت ارجل

یوں میری نظر میں ان شعرا کا کلام بھی ہے جو عربی اور اردو میں اس خیال کو منفرد انداز میں پیش کر چکے ہیں لیکن میں حکیم قاآنی کے ان تین اشعار پر ختم کرتا ہوں جن میں قاآنی اپنے عجز کا یوں اظہار کرتا ہے:

لیکن ترا مجال بیاں نیست در درود
لیکن ترا قبول سخن نیست در ثناء
دست دعا وسیع و سمند تو ناتواں
بام ثناء رفیع و کمند تو نارسا
گر رایت از مدیح شناسائی است و بس
خود راشناس تانہ کنی مدح نا سزا
(حکیم قاآنی)

اور اپنے ہی شعر کے مقابل غالب ایک اور منزل پہ اس طرح لب کشا ہوتا ہے:

بہشت ریزدم از گوشۂ ردا کہ مرا
زخوان نعت رسولست زلہ برداری
سخن زمدح تو باید زخویش کز تعظیم
بصد ہزار زبانی ستودۂ باری
(غالبؔ)

اگرچہ غالب نے اپنی عقیدت اور رسول ﷺ سے اپنی بے پناہ محبت کے اظہار میں لاتعداد اشعار نظم کی صورت اردو اور فارسی میں کہے لیکن جب رسول ﷺ کا ایک ایسا نمونہ غالب نے اپنی نثر میں چھوڑا ہے جو یقیناً اس کی نجات کا باعث بنے گا اور اہلِ جہان کو حب رسول ﷺ کا درس بن کر زبان و بیان کی تاریخ میں مہر و ماہ کی طرح روشن رہے گا۔نواب علاؤ الدین احمد خاں علائی کو اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوؤں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا تا کہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفوی اور امامت مرتضوی اس میں جلیں''

از: ''غالب کے خطوط'' جلد اوّل

پروفیسر محمد اقبال جاوید

غالب کی ایک نعتیہ غزل

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ غالب نے اپنے اردو کلام کو مجموعۂ بے رنگ کہا اور فارسی کلام کو نقش ہائے رنگ رنگ کا مرقع قرار دیا اور آرزو کی کہ فارسی کلام ہی کو پڑھا جائے اور اردو کلام کو نظرانداز کر دیا جائے۔ مگر دنیا نے ان کی بے رنگ شاعری میں بھی اتنے رنگ دیکھے کہ آج تک وہ اس کے سحر سے نکل نہیں سکی اور غالب کو شہرتِ دوام اس کے اردو کلام ہی نے عطا کی۔ فارسی کلام بوجوہ کم پڑھا گیا اور کم سمجھا گیا، حالاں کہ بطورِ شاعر غالب کی حقیقی عظمتیں وہیں جلوہ گر ہیں۔ علامہ اقبالؔ کے الفاظ میں ''مرزا غالب۔ فارسی شاعر۔ غالباً ہمارا واحد دوامی سرمایہ ہے، اس کا شمار ان شاعروں میں ہے جو اپنے تخیل اور ادراک میں محدود عقیدوں اور سرحدوں سے ماورا ہوتے ہیں۔ دنیا ابھی اسے پہچانے گی۔'' ''بانگِ درا'' میں اقبالؔ نے غالبؔ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر ۔۔۔ محو حیرت ہے ثریا رفعت پرواز پر
شاہد مضموں تصدق ہے ترے انداز پر ۔۔۔ خندہ زن ہے غنچۂ دلّی، گل شیراز پر

آہ تو اُجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ کے الفاظ میں، ''غالب کے فارسی کلام میں حسن وعشق، موت وحیات، کمال وپستی، امید وبیم، قبض وبسط غرض زندگی کے بارے میں بے شمار حقائق ملتے ہیں۔ یہ ان کی اردو شاعری میں بھی ہیں مگر فارسی شاعری کا دامن وسیع تر اور معمور تر ہے۔'' اور یہ

پروفیسر محمد اقبال جاوید

غالب کی ایک نعتیہ غزل

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ غالب نے اپنے اردو کلام کو مجموعۂ بے رنگ کہا اور فارسی کلام کو نقش ہائے رنگ رنگ کا مرقع قرار دیا اور آرزو کی کہ فارسی کلام ہی کو پڑھا جائے اور اردو کلام کو نظرانداز کر دیا جائے۔ مگر دنیا نے ان کی بے رنگ شاعری میں بھی اتنے رنگ دیکھے کہ آج تک وہ اس کے سحر سے نکل نہیں سکی اور غالب کو شہرتِ دوام اس کے اردو کلام ہی نے عطا کی۔ فارسی کلام بوجوہ کم پڑھا گیا اور کم سمجھا گیا، حالاں کہ بطورِ شاعر غالب کی حقیقی عظمتیں وہیں جلوہ گر ہیں۔ علامہ اقبالؔ کے الفاظ میں ''مرزا غالب۔ فارسی شاعر۔ غالباً ہمارا واحد دوامی سرمایہ ہے، اس کا شمار ان شاعروں میں ہے جو اپنے تخیل اور ادراک میں محدود عقیدوں اور سرحدوں سے ماورا ہوتے ہیں۔ دنیا ابھی اسے پہچانے گی۔'' ''بانگِ درا'' میں اقبالؔ نے غالبؔ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر محو حیرت ہے ثریا رفعت پرواز پر
شاہد مضموں تصدق ہے ترے انداز پر خندہ زن ہے غنچۂ دلّی، گل شیراز پر
آہ تو اُجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ کے الفاظ میں، ''غالب کے فارسی کلام میں حسن و عشق، موت و حیات، کمال و پستی، امید و بیم، قبض و بسط غرض زندگی کے بارے میں بے شمار حقائق ملتے ہیں۔ یہ ان کی اردو شاعری میں بھی ہیں مگر فارسی شاعری کا دامن وسیع تر اور معمور تر ہے۔'' اور یہ شرف بھی غالب کے فارسی کلام کو ملا کہ اس میں اس کی ایک خوب صورت نعتیہ غزل محفوظ ہے۔

غالب باقاعدہ نعت گو شاعر نہیں ہے، وہ جس دور سے تعلق رکھتا ہے اس دور میں نعت رسماً کہی جاتی تھی اور تبرکاً مجموعۂ کلام میں شامل کی جاتی تھی۔ مگر یہ فارسی نعت کلام کے آغاز میں نہیں بلکہ ترتیب کے مطابق ردیف ت میں ملتی ہے اور یہ بات بھی نہیں کہ غزل کہتے کہتے کہیں اتفاق سے نعت کا شعر ہو گیا ہو جیسا کہ غالب کے اردو کلام میں بعض مقامات پر چند نعتیہ شعر ملتے ہیں بلکہ حسنِ اتفاق سے یہ ایک خالص نعت ہے اور اس کی ردیف ''محمدؐ است'' اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ رسماً نہیں بلکہ ارادتاً کہی گئی ہے اور اس کے آخری شعر کا قبولِ عام، نیت کے اس حسن کا خوب صورت ثمر ہے۔ غالبؔ، نعت کے یہ نو شعر نہ بھی کہتے تو یہی ایک شعر، ایک بھرپور نعت کا کام دے سکتا تھا اور خود نعت گو کے لیے توشۂ آخرت بھی بن سکتا تھا کیوں کہ اس دربارِ دُربار میں کیفیت دیکھی جاتی ہے، کمیت نہیں، وہاں دل کی دھڑکنیں، روح کی لرزشیں اور آنکھ کے آنسو بار پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ احساس، لفظ بننے سے پہلے ہی موتیوں میں تل جاتا ہے:

جو دل سے اُٹھی اور گئی عرش بریں تک
جو لب پہ نہ آئی وہ دعا، یاد رہے گی

پوری نعت یوں ہے:

حق جلوہ گر ز طرز بیانِ محمدؐ است آرے کلام حق بہ زبان محمدؐ است
آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب شان حق آشکار، ز شان محمدؐ است
تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است اما کشاد آں زِ کمان محمدؐ است
دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وا رسی خود ہر چہ از حق است، ازان محمدؐ است
ہر کس قسم بد انچہ عزیز است می خورد سو گند کردگار بجان محمدؐ است
واعظ، حدیث سایۂ طوبیٰ فرو گزار کاینجا سخن ز سرو روان محمدؐ است
بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را کاں نیمہ جنبشے ز بنان محمدؐ است
ور خود ز نفس مہر نبوت سخن رود آں نیز نامور ز نشان محمدؐ است
غالب ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

پہلے شعر میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ حضورﷺ کی زبان صدقِ اظہار سے نکلنے والی ہر بات حق ہے کہ وہ خدائے برحق کی طرف سے ہے۔ اس میں ایسی بے لاگ ہدایت ہے جو محض خلوص و محبت کی آئینہ دار ہے اور اس میں کسی نوع کی کوئی ذاتی غرض شامل نہیں ہے۔ نطق محمدﷺ فی الواقع پروردۂ الہام ہے کہ اسے سن کر عرب کے فصیحانِ تمرد خو کے سر بھی جھک گئے تھے اور دل بھی۔ آپؐ کا ایک ایک بول اپنے اندر صدہا صداقتوں کے صدف لیے ہوئے تھا اور آپؐ کا ہر قول بے خزاں بہاروں کا امین تھا:

ہر بات اک صحیفہ تھی اُمی رسولؐ کی
الفاظ تھے خدا کے، زباں تھی رسولؐ کی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والنجم اذا ھویٰ ‎o‎ ما ضل صاحبکم وما غویٰ ‎o‎ وما ینطق عن الھویٰ ‎o‎ ان ھو الا وحی یوحٰی ‎o‎

اس آیت میں بات کی صداقت کو پُر زور بنانے کے لیے ستارے کی قسم کھائی گئی ہے کہ ستارہ رات کی تاریکیوں میں بھولے بھٹکے مسافروں کو روشنی بھی دیتا ہے، راستہ بھی دکھاتا ہے، رُخ بھی سمجھاتا ہے اور وقت کا پتا بھی دیتا ہے۔ یہی ستارہ اہلِ فارس اور اہلِ عرب کے ہاں افسانوی موضوع بھی رہا ہے۔ آیاتِ قرآنی کے علاوہ حضورﷺ کے لبوں سے ادا ہونے والا ہر کلمہ سچا ہے کہ وہ زبان کھلتی ہی صداقتوں کے لیے تھی:

دہر بھر کی ہر صداقت کو پرکھ کر دیکھ لو
جو حدیثِ مصطفیؐ میں ہے وہ سچائی کہاں

''صداقت بیان کرنے والے کے ساتھ اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ کوئی جھوٹا آدمی سچ بولنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سچ خطرے میں ہے۔ سچ وہی ہے جو سچے کی زبان سے نکلے، صادق کو ماننے والا صدیق بن جاتا ہے۔ صادق کی ہر بات صداقت ہے، صادق کے فرمان میں اپنی صداقتیں اور وضاحتیں شامل کرنے سے سچ میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں کہ صادق الہام بولتا ہے اور ہم ابہام بولتے ہیں۔''

پہلے شعر میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ حضور ﷺ کی زبان صدقِ اظہار سے نکلنے والی ہر بات حق ہے کہ وہ خدائے برحق کی طرف سے ہے۔ اس میں ایسی بے لاگ ہدایت ہے جو محض خلوص ومحبت کی آئینہ دار ہے اور اس میں کسی نوع کی کوئی ذاتی غرض شامل نہیں ہے۔ نطق محمد ﷺ فی الواقع پروردۂ الہام ہے کہ اسے سن کر عرب کے فصیحانِ تمرد خو کے سر بھی جھک گئے تھے اور دل بھی۔ آپؐ کا ایک ایک بول اپنے اندر صدہا صداقتوں کے صدف لیے ہوئے تھا اور آپؐ کا ہر قول بے خزاں بہاروں کا امین تھا:

ہر بات اک صحیفہ تھی اُمی رسولؐ کی
الفاظ تھے خدا کے، زباں تھی رسولؐ کی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والنجم اذا ھویٰ ○ ما ضل صاحبکم وما غویٰ ○ وما ینطق عن الھویٰ ○ ان ھو الا وحی یوحی ○

اس آیت میں بات کی صداقت کو پُرزور بنانے کے لیے ستارے کی قسم کھائی گئی ہے کہ ستارہ رات کی تاریکیوں میں بھولے بھٹکے مسافروں کو روشنی بھی دیتا ہے، راستہ بھی دکھاتا ہے، رُخ بھی سمجھاتا ہے اور وقت کا پتا بھی دیتا ہے۔ یہی ستارہ اہلِ فارس اور اہلِ عرب کے ہاں افسانوی موضوع بھی رہا ہے۔ آیاتِ قرآنی کے علاوہ حضور ﷺ کے لبوں سے ادا ہونے والا ہر کلمہ سچا ہے کہ وہ زبان کھلتی ہی صداقتوں کے لیے تھی:

دہر بھر کی ہر صداقت کو پرکھ کر دیکھ لو
جو حدیثِ مصطفیٰؐ میں ہے وہ سچائی کہاں

''صداقت بیان کرنے والے کے ساتھ اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ کوئی جھوٹا آدمی سچ بولنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سچ خطرے میں ہے۔ سچ وہی ہے جو سچے کی زبان سے نکلے، صادق کو ماننے والا صدیق بن جاتا ہے۔ صادق کی ہر بات صداقت ہے، صادق کے فرمان میں اپنی صداقتیں اور وضاحتیں شامل کرنے سے سچ میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں کہ صادق الہام بولتا ہے اور ہم ابہام بولتے ہیں۔''

انھی کو مرکز حق، حاکم برحق کہا، حق نے
وہی خلق و خدا کے درمیاں ہیں برزخِ کبریٰ

آپ کی ہر بات مطالبِ قرآنی کی علمی تفسیر اور آپ کا ہر فعل احکامِ ربانی کی عملی تصویر ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی جاتی ہے مگر ان کی اس نوع سے تلاوت نہیں کی جاتی۔ مگر اہلِ دل انھیں بھی اصولِ ہدایت سمجھتے اور اہلِ نظر عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث لازم وملزوم ہیں اور ان میں وہی تعلق ہے جو علم اور تعلیم، نظریہ اور عمل، لفظ اور مفہوم، متن اور وضاحت، کتاب اور معلم میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر کی بات کسی مشاہدے، تجربے اور نتیجے کی پابند نہیں ہوتی، وہ مقام تکمیل سے بولتا ہے اور اس کی ''ہر بات، باتوں کی پیغمبر ہوتی ہے۔''

ہر قول ترا حرفِ صداقت کا ہے ضامن
ہر فعل ترا حسن ارادت کا امیں ہے

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق سورۃ النجم میں جس ستارے کی قسم کھائی گئی ہے اس سے مراد خود رسول اللہ ﷺ ہیں، قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جو نیچے اُترا، مراد شبِ معراج، آپؐ کا رفعتوں سے زمین کی طرف نزول فرمانا ہے۔ قرآن پاک کے مطالب و کلمات سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں جب کہ حدیث کے مفہوم و معانی اللہ کی طرف سے ہیں اور الفاظ نبیِ کریم ﷺ کے اپنے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول پاک ﷺ کی ہر بات لکھ لیا کرتے تھے۔ بعض نے انھیں منع کیا کہ کبھی آپؐ غصے میں بھی ہوسکتے ہیں، ہر بات لکھنے کے قابل نہیں ہوتی، انھوں نے کتابت بند کردی اور اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا، ''اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلتی۔'' بقولِ سیمابؔ اکبرآبادی:

وہ بے اہمال اسرار حقیقت کھولنے والا!
خدا کے لفظ، انسانی زباں میں بولنے والا

غالب کے اس شعر کے ایک مصرع میں صرف قرآن پاک کی بات ہے کہ وہ زبان محمد ﷺ

سے سنایا جا رہا ہے۔ دوسرے مصرع میں طرزِ بیان محمدﷺ کا ذکر ہے کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ تعلیم وتزکیہ کا حق بھی ادا کیا جارہا ہے۔ قرآن کی توضیح وتشریح کا حق بھی اللہ تعالیٰ نے مخبر صادق ہی کو عطا کیا ہے۔ نصِ قرآنی ہے کہ ''ہم نے آپ پر قرآن اُتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کریں''... گویا منشائے خداوندی اور مطالب قرآنی کو حضورﷺ ہی سمجھا سکتے تھے کہ وہ قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے اس بات کو کلامِ غالب ہی کی مثال سے یوں واضح کیا ہے۔

''دیوانِ غالب'' اردو ہی کا ایک دیوان ہے۔ اس کی ادبیت بھی ضرب المثل ہے۔ اس کا مؤلف بھی شعرا کی سب سے پہلی صف میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن جب غالب دنیا سے رخصت ہوگئے اور ان کے کلام کی مراد براہِ راست معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تو اب ان کا دیوان لوگوں کی طبع آزمائی کے لیے تختۂ مشق بن گیا۔ صوفی مزاج نے چن چن کر ان کے کلام میں تصوف بھر دیا۔ رند مشرب نے شراب کا لفظ دیکھ کر مستی و کیف کے سارے نقشے کھینچ دیے۔ فلسفی نے اپنی تمام موشگافیاں ختم کر ڈالیں لیکن غالب کی صحیح مراد کے موافق شاید کوئی شرح بھی نہ لکھی گئی۔ ان سے اگر پوچھا جائے تو وہ ان کے متعلق شاید یہی جواب دیں:

هر کسے از ظن خود شد یار من
و ز درون من نہ جست اسرار من

جب ایک انسان کی تالیف کا حال یہ ہے کہ اب انصاف کیجیے کہ اگر قرآن بھی اسی طرح لوگوں کی طبع آزمائی کا میدان بنا دیا جاتا تو اس کا حشر کیا ہوتا۔''

گویا اگر جبریلؑ کی معرفت صرف قرآن پاک اُتار دیا جاتا اور رسول اللہﷺ نہ ہوتے تو ہر شخص اپنی بساط فہم کے مطابق مطالب سمجھتا اور سمجھاتا اور یوں ''کثرتِ تعبیر'' سے خواب پریشاں ہوکے رہ جاتا اور حقیقت نہ بن سکتا۔ بقولِ شاعر:

شرح کلام پاک ہے ان کا ہر ایک لفظ
فرمانِ حق ہے اصل میں فرمانِ مصطفیٰؐ

غالب کے زیرِ تبصرہ شعر میں حق سے مراد سچ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی۔ سچائیوں کی

سے سنایا جا رہا ہے۔ دوسرے مصرع میں طرزِ بیان محمد ﷺ کا ذکر ہے کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ تعلیم وتزکیہ کا حق بھی ادا کیا جارہا ہے۔ قرآن کی توضیح وتشریح کا حق بھی اللہ تعالیٰ نے مخبر صادق ہی کو عطا کیا ہے۔ نصِ قرآنی ہے کہ ”ہم نے آپ پر قرآن اُتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کریں“... گویا منشائے خداوندی اور مطالب قرآنی کو حضور ﷺ ہی سمجھا سکتے تھے کہ وہ قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے اس بات کو کلامِ غالب ہی کی مثال سے یوں واضح کیا ہے۔

”دیوانِ غالب“ اردو ہی کا ایک دیوان ہے۔ اس کی ادبیت بھی ضرب المثل ہے۔ اس کا مؤلف بھی شعرا کی سب سے پہلی صف میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن جب غالب دنیا سے رخصت ہوگئے اور ان کے کلام کی مراد براہِ راست معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تو اب ان کا دیوان لوگوں کی طبع آزمائی کے لیے تختۂ مشق بن گیا۔ صوفی مزاج نے چن چن کر ان کے کلام میں تصوف بھر دیا۔ رند مشرب نے شراب کا لفظ دیکھ کر مستی و کیف کے سارے نقشے کھینچ دیے۔ فلسفی نے اپنی تمام موشگافیاں ختم کر ڈالیں لیکن غالب کی صحیح مراد کے موافق شاید کوئی شرح بھی نہ لکھی گئی۔ ان سے اگر پوچھا جائے تو وہ ان کے متعلق شاید یہی جواب دیں:

ہر کسے از ظن خود شد یار من
و ز درون من نہ جست اسرار من

جب ایک انسان کی تالیف کا حال یہ ہے کہ اب انصاف کیجیے کہ اگر قرآن بھی اسی طرح لوگوں کی طبع آزمائی کا میدان بنا دیا جاتا تو اس کا حشر کیا ہوتا۔“

گویا اگر جبریلؑ کی معرفت صرف قرآن پاک اُتار دیا جاتا اور رسول اللہ ﷺ نہ ہوتے تو ہر شخص اپنی بساط فہم کے مطابق مطالب سمجھتا اور سمجھاتا اور یوں ”کثرتِ تعبیر“ سے خواب پریشاں ہوکے رہ جاتا اور حقیقت نہ بن سکتا۔ بقولِ شاعر:

شرح کلام پاک ہے ان کا ہر ایک لفظ
فرمانِ حق ہے اصل میں فرمانِ مصطفیٰؐ

غالب کے زیرِ تبصرہ شعر میں حق سے مراد سچ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی۔ سچائیوں کی تہہ تک بھی آپ ہی نے پہنچایا اور عرفانِ حق بھی آپؐ ہی کی معرفت نصیب ہوا۔ حضور ﷺ کی معراج لوح وقلم تک پہنچنا تھا اور ہماری معراج حضور ﷺ کے نقوش پا تک پہنچنا ہے اور نقوش پا کی یہ چاندنی نصیب ہوجائے تو صراطِ مستقیم مل جاتی ہے۔ کیوں کہ انسان صادق تک پہنچ جائے تو جملہ صداقتیں اس کا احاطہ کرلیتی ہیں۔ قرآن مجید تو بہر نوع سچائیوں، بصیرتوں اور عبرتوں سے لبریز ایک الوہی بیان ہے۔ مگر حضور ﷺ نے جس دل آویز اسلوب، جس دل گداز انداز اور جس دل نشیں ادا کے ساتھ اسے سمجھایا اور دنیا تک پہنچایا وہ ادا صداقت آفرین ہونے کے ساتھ ساتھ جمالیاتی دل پزیری کی جملہ کیفیات کی حامل بھی ہے۔ گویا آپؐ ہر اعتبار سے حق گو ہیں۔ خواہ وہ آیاتِ قرآنی ہوں یا ان کی ترجمانی۔ آیاتِ قرانی اعجاز اور ایجاز، جلال و جمال اور تاثر و کمال کے لحاظ سے اگر سامعین کے دلوں میں اس انداز سے اُتریں کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ اس کلام کی زمین تو آسمان سے آئی معلوم ہوتی ہے تو دوسری طرف احادیثِ نبوی ﷺ فصاحت و بلاغت اور عظمت و موعظت کے اعتبار سے بھی بے مثال سمجھی گئیں کہ ترجمانِ حق، افصح العرب تھے اور انھیں جوامع الکلم عطا کیے گئے تھے۔ حضور ﷺ لفظ ابداع فرماتے تھے۔ آپ کے مفرد الفاظ جامع و مانع، آپ کے جملے حسنِ ادب کی کہکشاں اور آپ کی تشبیہات و استعارات ایسے بے مثال ہیں کہ انھیں سن کر ذوقِ سلیم جھومتا ہے۔ آپ کی زبانِ بلاغت نظام سے عربی ایسی ناپیدا کنار زبان نے وسعت پائی اور بال و پر حاصل کیے، کم سے کم الفاظ میں مفہوم و مطالب کا سمندر موجیں مارتا محسوس ہوتا ہے اور خود حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ”میری زبان اسمٰعیلؑ کی زبان ہے۔ اسے جبریلؑ مجھ تک لائے اور ذہن نشین کرا دی“ آپؐ کے کلامِ حق کا کمال یہ ہے کہ وہ مختصر، واضح اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ سامعین کی جملہ کیفیات اور احساسات پر حاوی ہے۔ مقصود مبہم نہیں اور جامعیت و ہمہ گیریت کا انداز یہ ہے کہ ہر دور کے ہر انسان کی رہنمائی کا حق ادا ہوسکتا ہے۔ لفظ لفظ نگینہ اور بات بات خزینہ ہے اور سہلِ ممتنع کی ایک ایسی صورت ہے کہ اس کے مقابل بات بنائے نہیں بنتی۔ سچ یہ ہے کہ غارِ حرا کے ایک ہی نورانی لمحے نے عرب کے اس عظیم اُمی کو علم کا شہر بنا دیا تھا۔ منصور احمد خالد کہتے ہیں:

تو عرب کا ہے فصیح کون سوائے تیرے

بات پھولوں میں کرے، چاند سخن میں رکھ دے

غالب دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ چاند کی روشنی میں سورج ہی کی چمک کا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے محمد ﷺ کی شان سے حق کی شان آشکار ہے۔ اس شعر میں بھی پہلے شعر کی طرح دعویٰ اور دلیل ہم آہنگ ہیں۔ جس طرح چاند، سورج سے اکتسابِ نور کرتا ہے۔ اسی طرح رسول ﷺ کی تمام تر شخصی عظمتیں اور پیغمبرانہ رفعتیں اللہ تعالیٰ کی دین ہیں۔ یاد رہے کہ چاند میں سورج کا پرتو ہوتا ہے مگر وہ سورج نہیں ہوتا اور نہ اس کا وجود سورج کی ہمہ گیریت، مرکزیت اور کلیت کو چیلنج کرسکتا ہے بلکہ ایک نوع سے اس میں تشکر و استحسان کا ایک بھرپور احساس ہوتا ہے۔ حسنِ ظاہری سے لے کر حسنِ باطنی تک، لفظی انوار سے لے کر عملی اطوار تک، عبادات کی شائستگی سے لے کر معاملات کی شستگی تک، آپ کا ہر رُخ اگر قابلِ فخر، ہر زاویہ اگر قابلِ تقلید اور ہر پہلو اگر قابلِ قدر ہے تو صرف اس لیے کہ مولا کریم نے آپ کو ہر نوع سے خیرِ کثیر سے نوازا ہے۔ ان نوازشوں، سعادتوں اور برکتوں کی کثرت کتنی ہے اور کہاں تک ہے اس کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ دینے والے نے جو دیا اور جتنا چاہا دیا۔ عقلِ انسانی اس کی کسی طور بھی مقیاس نہیں ہے:

محمدؐ مصطفیٰ آئینۂ انوار یزدانی
محمدؐ مصطفیٰ دیباچۂ آیاتِ قرآنی
وہ عظمت ہے، وہ وسعت ہے محامد میں محاسن میں
احاطہ جس کا کر سکتا نہیں ادراک انسانی

گویا سیرت اور صورت کا ہر حسن ان کے وجودِ اقدس میں منتہائے کمال پر پہنچ کر یوں ہم آہنگ ہوگیا ہے کہ آفتاب ان نگاہوں سے ضیا لیتا اور اس نطق سے غنچے پھول بنتے ہیں، وہ اُٹھتے ہیں تو ستارے فرش بن جاتے ہیں۔ بیٹھتے ہیں تو زمین عرش ہوجاتی ہے، پرواز کرتے ہیں تو کائنات رُک جاتی اور ہر آنکھ کاسۂ نرگس بنی اس حسن کو تکتی ہی رہ جاتی ہے:

اللہ کے جلووں کا آئینہ تری ذات
آئینہ ترا دیدۂ حیران دوعالم

آپ اگر کانِ سخا اور دستِ عطا ہیں، اگر حسن کی کائنات اور کائنات کا حسن ہیں، اگر ہر اعتبار

بات پھولوں میں کرے، چاند سخن میں رکھ دے

غالب دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ چاند کی روشنی میں سورج ہی کی چمک کا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے محمد ﷺ کی شان سے حق کی شان آشکار ہے۔ اس شعر میں بھی پہلے شعر کی طرح دعویٰ اور دلیل ہم آہنگ ہیں۔ جس طرح چاند، سورج سے اکتسابِ نور کرتا ہے۔ اسی طرح رسول ﷺ کی تمام تر شخصی عظمتیں اور پیغمبرانہ رفعتیں اللہ تعالیٰ کی دین ہیں۔ یاد رہے کہ چاند میں سورج کا پرتو ہوتا ہے مگر وہ سورج نہیں ہوتا اور نہ اس کا وجود سورج کی ہمہ گیریت، مرکزیت اور کلیت کو چیلنج کرسکتا ہے بلکہ ایک نوع سے اس میں تشکر و استحسان کا ایک بھرپور احساس ہوتا ہے۔ حسنِ ظاہری سے لے کر حسنِ باطنی تک، لفظی انوار سے لے کر عملی اطوار تک، عبادات کی شائستگی سے لے کر معاملات کی شستگی تک، آپ کا ہر رُخ اگر قابلِ فخر، ہر زاویہ اگر قابلِ تقلید اور ہر پہلو اگر قابلِ قدر ہے تو صرف اس لیے کہ مولا کریم نے آپ کو ہر نوع سے خیرِ کثیر سے نوازا ہے۔ ان نوازشوں، سعادتوں اور برکتوں کی کثرت کتنی ہے اور کہاں تک ہے اس کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ دینے والے نے جو دیا اور جتنا چاہا دیا۔ عقلِ انسانی اس کی کسی طور بھی مقیاس نہیں ہے:

محمدؐ مصطفیٰ آئینۂ انوار یزدانی
محمدؐ مصطفیٰ دیباچۂ آیاتِ قرآنی
وہ عظمت ہے، وہ وسعت ہے محامد میں محاسن میں
احاطہ جس کا کر سکتا نہیں ادراک انسانی

گویا سیرت اور صورت کا ہر حسن ان کے وجودِ اقدس میں منتہائے کمال پر پہنچ کر یوں ہم آہنگ ہوگیا ہے کہ آفتاب ان نگاہوں سے ضیا لیتا اور اس نطق سے غنچے پھول بنتے ہیں، وہ اُٹھتے ہیں تو ستارے فرش بن جاتے ہیں۔ بیٹھتے ہیں تو زمین عرش ہوجاتی ہے، پرواز کرتے ہیں تو کائنات رُک جاتی اور ہر آنکھ کاسۂ نرگس بنی اس حسن کو تکتی ہی رہ جاتی ہے:

اللہ کے جلووں کا آئینہ تری ذات
آئینہ ترا دیدۂ حیران دوعالم

آپ اگر کانِ سخا اور دستِ عطا ہیں، اگر حسن کی کائنات اور کائنات کا حسن ہیں، اگر ہر اعتبار سے اکمل، اجمل اور احسن ہیں تو صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نوازشوں نے انھیں نواز رکھا تھا اور نوازشوں کا یہ سلسلہ پیہم جاری ہے۔ ہر لحظہ فرشتے، رحمتوں کے جلو میں گنبدِ خضریٰ پر اُترتے رہتے ہیں اور یہ رحمتیں، عالمین کو نوازتی رہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ معطی ہے اور حضور ﷺ قاسم۔ ان کی ذات کمال رحمت باری کی انتہا ہے۔ آپؐ کی بارگاہ ناز عطاؤں کا مخزن ہے۔ غالب کے اس شعر میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح ایک آئینے میں آفتاب کا عکس جھلکتا ہے اور اس عکس سے آئینہ روشن اور تابناک ہوجاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے وجود ناز میں ناز آفرین کے جمال کا عکس اپنے کمال پر نظر آتا ہے، بقولِ محسن کاکوروی:

مہر توحید کی ضو، اوج شرف کامہ نو
شمع ایجاد کی لو، بزمِ رسالت کا کنول

تیسرے شعر میں کہا گیا ہے کہ قضا کا تیر بہر کیف اللہ تعالیٰ کے ترکش میں ہے لیکن یہ تیرِ قضا، کمانِ محمد ﷺ سے چلتا ہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے قضا کو رضائے حق قرار دیا ہے۔ گویا رضائے حق، رضائے محمد ﷺ ہے۔ یہ شانِ عبدیت کی انتہا ہے کہ بندے اور اللہ کی رضا ایک ہوجائے۔ بندہ رضائے حق کا پیکر بن جائے اور رضائے حق اس کی جنبشِ ابرو کی منتظر ہو۔ قرآن پاک نے واضح طور پر کہہ دیا کہ ذاتِ الٰہی کی محبت، نبی ﷺ کی اطاعت میں مضمر ہے اور نبیٔ کریم ﷺ نے فرما دیا کہ ان کی محبت کے بغیر، ایمان تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ حق یہ ہے کہ قلبی لگاؤ کے بغیر حقیقی اطاعت کا کوئی سا تصور بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا واحد ذریعہ اسوۂ رسول ﷺ کی پیرو ہے اور ان کی ہدایت کے مطابق اپنا راستہ، اپنا رُخ اور اپنی منزل کا تعین کرنا ہے۔ جناب ماہرؔ القادری کے الفاظ میں ”رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب و مقرب اطاعت گزار بندے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کردیا تھا۔ حضور ﷺ کا قدم صراطِ مستقیم سے بال برابر ادھر نہیں ہوا۔ آپ کی دعائیں بھی اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا تھا کہ قبولیت و اجابت تو نطقِ محمدی ﷺ کی راہ دیکھتی رہتی تھی۔“

غالب کا یہ کہنا کہ قضا کا تیر گو ترکش خداوندی ہے مگر وہ چلتا، کمانِ محمد ﷺ سے ہے۔ اس امر

کو بھی واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خوشنودی کا راز محمد ﷺ کی ناراضی اور خوشنودی میں پوشیدہ ہے۔ ہم گنہ گار ہیں۔ ہر لحظہ لغزشوں کا شکار ہیں۔ مگر اپنی ان لغزشوں پر ہمیں ندامت بھی ہوتی ہے۔ یہی ندامت مغفرت کی سند ہے۔ وہ التجا اور وہ دعا جس کے ساتھ دل کی دھڑکنیں، نگاہوں کی آرزوئیں اور روح کی لرزشیں شامل ہوں۔ تیر بہدف ہے اور اس سے ٹکرا کر قضا اپنا رُخ بدل لیا کرتی ہے۔ ندامت کے آنسوؤں کی نمی، رخساروں کو چھو جائے تو انھیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ التجا وہ ہوتی ہے جس میں سینے کی ہوک شامل ہو اور جس کے آہنگ میں بدن کا روّاں روّاں اپنی لَے ملا دے:

مانگی ہے دعا کس نے الٰہی کہ کھلا ہے
آغوش تمنا کی طرح باب اثر آج

یہ تو بندوں کی التجاؤں کا عالم ہے۔ جہاں تک حضور ﷺ کی دعا کا تعلق ہے، وہ تو نصِ قرآنی کے مطابق سکون و رحمت کا لازوال خزینہ اور معتبر ذریعہ ہے۔ کمانِ محمد ﷺ سے چلنے والا یہی وہ تیر ہے جو آسمان سے اُترتی ہوئی بلاؤں کو راستے ہی میں جا لیتا ہے یہ دعا، سرِّ عبادت اور شانِ عبودیت ہے اور تیز دھار والی انی سے بھی کہیں زیادہ مؤثر اور کارگر ہے۔ تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ بات دل سے نکلے اور اسلوبِ بیان بھی برجستہ ہو۔ نیز حرف موزوں کے لیے ہنگام موزوں بھی ضروری ہے۔ رات کے پچھلے پہر، نواؤں میں جو گداز اور التجاؤں میں جو سوز ہوتا ہے، اس سے وہی دل آگاہ ہیں جو ستاروں کو اپنا راز داں بنانے کی توفیق سے بہرہ ور ہیں:

سونے والو، تم کو اس لذت سے آگاہی نہیں!
رات ساری عشق کی آنکھوں میں جب کٹ جائے ہے

نالۂ شب گیر کے یہ سفیر، اسمِ محمد ﷺ کے طفیل بارگاہِ ناز میں باریاب ہوا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ثنا کے بعد اوّل و آخر حضور ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے اس وقت تک دعاؤں کے تیر، بے تاثیر رہتے ہیں۔ درود، نبیٔ کریم ﷺ سے تعلقِ خاطر کا ایک خوب صورت حوالہ ہے۔ یہ حوالہ خدا کی خوشنودی کا سبب بنتا ہے۔ چوں کہ اسے بہرنوع قبولیت کا شرف حاصل ہے، اس لیے اس کے جلو میں پیش کی جانے والی التجاؤں کو رحمتِ

کو بھی واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خوشنودی کا راز محمد ﷺ کی ناراضی اور خوشنودی میں پوشیدہ ہے۔ ہم گنہ گار ہیں۔ ہر لحظہ لغزشوں کا شکار ہیں۔ مگر اپنی ان لغزشوں پر ہمیں ندامت بھی ہوتی ہے۔ یہی ندامت مغفرت کی سند ہے۔ وہ التجا اور وہ دعا جس کے ساتھ دل کی دھڑکنیں، نگاہوں کی آرزوئیں اور روح کی لرزشیں شامل ہوں۔ تیر بہدف ہے اور اس سے ٹکرا کر قضا اپنا رُخ بدل لیا کرتی ہے۔ ندامت کے آنسوؤں کی نمی، رخساروں کو چھو جائے تو انھیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ التجا وہ ہوتی ہے جس میں سینے کی ہوک شامل ہو اور جس کے آہنگ میں بدن کا رواں رواں اپنی لے ملا دے:

مانگی ہے دعا کس نے الٰہی کہ کھلا ہے
آغوش تمنا کی طرح باب اثر آج

یہ تو بندوں کی التجاؤں کا عالم ہے۔ جہاں تک حضور ﷺ کی دعا کا تعلق ہے، وہ تو نصِ قرآنی کے مطابق سکون و رحمت کا لازوال خزینہ اور معتبر ذریعہ ہے۔ کمانِ محمد ﷺ سے چلنے والا یہی وہ تیر ہے جو آسمان سے اُترتی ہوئی بلاؤں کو راستے ہی میں جا لیتا ہے یہ دعا، سرِّ عبادت اور شانِ عبودیت ہے اور تیز دھار والی انی سے بھی کہیں زیادہ مؤثر اور کارگر ہے۔ تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ بات دل سے نکلے اور اسلوبِ بیان بھی برجستہ ہو۔ نیز حرف موزوں کے لیے ہنگام موزوں بھی ضروری ہے۔ رات کے پچھلے پہر، نواؤں میں جو گداز اور التجاؤں میں جو سوز ہوتا ہے، اس سے وہی دل آگاہ ہیں جو ستاروں کو اپنا رازداں بنانے کی توفیق سے بہرہ ور ہیں:

سونے والو، تم کو اس لذت سے آگاہی نہیں!
رات ساری عشق کی آنکھوں میں جب کٹ جائے ہے

نالۂ شب گیر کے یہ سفیر، اسم محمد ﷺ کے طفیل بارگاہِ ناز میں باریاب ہوا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ثنا کے بعد اوّل و آخر حضور ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے اس وقت تک دعاؤں کے تیر، بے تاثیر رہتے ہیں۔ درود، نبیٔ کریم ﷺ سے تعلقِ خاطر کا ایک خوب صورت حوالہ ہے۔ یہ حوالہ خدا کی خوشنودی کا سبب بنتا ہے۔ چوں کہ اسے بہرنوع قبولیت کا شرف حاصل ہے، اس لیے اس کے جلو میں پیش کی جانے والی التجاؤں کو رحمتِ

حق مسترد نہیں کیا کرتی۔

اس شعر میں تیر اور کمان کے الفاظ شعری تلازمہ بھی ہیں اور فکری صداقت کے عکاس بھی۔ قرآن مجید میں کمان کے بجائے قوس کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ کمان فارسی لفظ ہے قوس کا مادّہ ق و س ہے۔ نواب صدیق حسن خاںؒ کے مطابق اس کا خاصہ شدت اور اجتماعیت ہے۔ کمان میں سختی بھی پائی جاتی ہے اور اس کے دونوں سروں کے ملے ہوئے ہونے کے اعتبار سے اتصال و اتفاق بھی۔ تیر قضا کا کمان محمد ﷺ سے چلنا، من و تُو کے فاصلے کا قربت اور یک جائی میں بدل جانا ہے، مرادِ مزاجِ یار کے روبرو سرِ تسلیم کو خم کر دینا ہے اور نتیجہ حسن و عشق کی رضا کا ایک ہو جانا ہے۔ اقبال اسی لیے بندۂ مومن کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کہہ کر اسے غالب و کارآفریں اور کارکشا و کارساز قرار دیتا ہے۔ تیر اور کمان کے الفاظ اللہ اور اس کے عظیم الشان بندے کے درمیان رفاقت اور قرابت کی انتہا کو واضح کر رہے ہیں جو نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کا **وما کان فضل اللہ علیک عظیما**۔ اس فضل عظیم اور التفات بے حد کے بغیر نیاز و ناز کی اس ہم آہنگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا:

ربط خاطر کی نزاکت کو سمجھ سکتا ہے کون
آرزو کی آپ نے، محو تجسس ہم رہے

فکان قاب قوسین او ادنیٰ کی صاحبِ ’’لغات القرآن‘‘ نے تشریح کرتے ہوئے غالب کے اس شعر کو بڑے خوب صورت انداز سے منطبق کیا ہے کہ یہ آیت مقامِ نبوتؐ کے متعلق ہے۔ وہ لکھتے ہیں، ’’ایامِ جاہلیت میں عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے محکم عہد باندھتے تو وہ دو کمانیں لیتے۔ ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیتے اور اس طرح ان دونوں کا قاب (کمان کا درمیانی حصہ اور ایک کنارے کا درمیانی فاصلہ) ایک کر دیتے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ہم ایک جان دو قالب ہیں۔ ایک کی رضامندی دوسرے کی رضامندی ہے جو ایک چاہتا ہے وہی دوسرا چاہتا ہے۔ ہم دونوں ہم آہنگ زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے نبی کے متعلق بتایا کہ وہ احکامِ الٰہی کا اس قدر متبع ہوتا ہے اور اپنی زندگی کو قوانینِ خداوندی کے ساتھ اس درجہ

ہم آہنگ کردیتا ہے کہ اس کا اور خدا کا تعلق گویا ان ساتھیوں کا سا تعلق ہوجاتا ہے، جنھوں نے قاب قوسین والا عہد کیا ہو۔ **او ادنیٰ** بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب تر تعلق۔ یہی وجہ ہے کہ حق کا استحکام جو نبی ﷺ کی قوت بازو سے ہوتا ہے۔ اسے خود خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ **فلم تقتلوھم و لکن اللّٰہ قتلھم** ۔

وما رمیت اذ رمیت. ولٰکن اللّٰہ رمیٰ ○ بدر کے میدان میں مخالفینِ حق کو تم نے قتل نہیں کیا، اللہ نے قتل کیا تھا۔ تم نے ان پر تیر نہیں چلائے تھے۔ اللہ نے چلائے تھے نبی اور خدا کا تعلق اسی قسم کی رفاقت اور ہم آہنگی کا تعلق ہے، غالبؔ کے الفاظ میں:

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است
اما کشاد آں ز کمانِ محمدؐ است''

آپؐ اللہ تعالیٰ کی پیہم نوازشوں کا مظہر ہیں۔ آپؐ کے نقوشِ پا کی بہار قدم قدم اور روش روش گلاب کھلاتی جا رہی ہے۔ آپؐ کا دامانِ بخشش ہر دور، ہر عہد اور ہر صدی کو محیط ہے۔ آپؐ ہی منزلِ صدق و صفا کے رہنما اور رحمت و رافت کا بحر بے کراں ہیں۔ آپؐ گلزارِ ازل کے وہ گل شاداب ہیں جس کی خوش بو ابد آثار ہے اسی لیے مولانا جامیؒ نے آپؐ کو ''تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود'' قرار دیا تھا۔ انھی حقائق پر حضرت خواجہؒ محمد معصومؒ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں روشنی ڈالی ہے ''انبیائے علیہم السلام آپؐ کے سرچشمۂ آبِ حیات کے ایک پیالے سے سیراب و مستفید ہیں اور اولیاء اللہ آپؐ کے بے پایاں سمندر کے ایک گھونٹ پر قانع و منتفع ہیں۔ فرشتے ان کے طفیلی اور آسمان ان کی حویلی ہے۔ وجود کا رشتہ ان کے ساتھ منسلک، ایجاد کا سلسلہ ان کے ساتھ مربوط اور ربوبیت کا ظہور ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ جملہ کائنات ان ہی کے پیچھے ہے اور کائنات کا بنانے والا (اللہ تعالیٰ) ان کی رضا کا طالب ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے، **انا الطلب رضاک یامحمد** ۔ ''اے محمد (ﷺ) میں تیری رضا چاہتا ہوں۔''

نماند بد عصیاں کسے در گرد
کہ دارد چنیں سیّدے پیش رو

ہم آہنگ کردیتا ہے کہ اس کا اور خدا کا تعلق گویا ان ساتھیوں کا سا تعلق ہوجاتا ہے، جنھوں نے قاب قوسین والا عہد کیا ہو۔ **او ادنیٰ** بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب تر تعلق۔ یہی وجہ ہے کہ حق کا استحکام جو نبی ﷺ کی قوت بازو سے ہوتا ہے۔ اسے خود خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ **فلم تقتلوھم و لکن اللّٰہ قتلھم** ۔ **وما رمیت اذ رمیت. ولٰکن اللّٰہ رمٰی** ○ بدر کے میدان میں مخالفینِ حق کو تم نے قتل نہیں کیا، اللہ نے قتل کیا تھا۔ تم نے ان پر تیر نہیں چلائے تھے۔ اللہ نے چلائے تھے نبی اور خدا کا تعلق اسی قسم کی رفاقت اور ہم آہنگی کا تعلق ہے، غالبؔ کے الفاظ میں:

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است
اما کشاد آں ز کمانِ محمدؐ است''

آپؐ اللہ تعالیٰ کی پیہم نوازشوں کا مظہر ہیں۔ آپؐ کے نقوشِ پا کی بہار قدم قدم اور روش روش گلاب کھلاتی جا رہی ہے۔ آپؐ کا دامانِ بخشش ہر دور، ہر عہد اور ہر صدی کو محیط ہے۔ آپؐ ہی منزلِ صدق و صفا کے رہنما اور رحمت و رافت کا بحرِ بے کراں ہیں۔ آپؐ گلزارِ ازل کے وہ گل شاداب ہیں جس کی خوش بو ابد آثار ہے اسی لیے مولانا جامیؒ نے آپؐ کو ''تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود'' قرار دیا تھا۔ انھی حقائق پر حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں روشنی ڈالی ہے ''انبیائے علیہم السلام آپؐ کے سرچشمۂ آبِ حیات کے ایک پیالے سے سیراب و مستفید ہیں اور اولیاء اللہ آپؐ کے بے پایاں سمندر کے ایک گھونٹ پر قانع او متمتع ہیں۔ فرشتے ان کے طفیلی اور آسمان ان کی حویلی ہے۔ وجود کا رشتہ ان کے ساتھ منسلک، ایجاد کا سلسلہ ان کے ساتھ مربوط اور ربوبیت کا ظہور ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ جملہ کائنات ان ہی کے پیچھے ہے اور کائنات کا بنانے والا (اللہ تعالیٰ) ان کی رضا کا طالب ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے، **انا الطلب رضاک یامحمد** ۔ ''اے محمد (ﷺ) میں تیری رضا چاہتا ہوں۔''

نماند بد عصیاں کسے در گرد
کہ دارد چنیں سیّدے پیش رو

''جس کا امام ایسا سردار ہو وہ شخص گناہوں کے بدلے میں گروی نہ رہے گا۔''

اس نعتیہ غزل کے چوتھے شعر میں غالبؔ کہتے ہیں کہ اگر **لولاک لما خلقت الافلاک** کا ادراک ہوجائے تو تجھے اس حقیقت سے آگاہی ہوجائے گی کہ (بقولِ اقبالؔ) خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے اور تجھے اس کی معرفت بھی مل جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ محمد ﷺ کا ہے اور محمد ﷺ کے لیے ہے۔ انسان خلاصۂ کائنات ہے اور جملہ محاسن انسانی کا خلاصہ انبیا ہیں اور تمام انبیا کی خوبیوں کا مجموعہ حضور ﷺ ہیں، گویا آپؐ صاحبِ لولاک اور روحِ کن فکاں ہیں اور باعثِ تکوینِ روزگار ہیں، غالبؔ ہی کا کہنا ہے:

اے خاک درت قبلۂ جان و دل غالبؔ
کز فیض تو پیرایۂ ہستی است جہاں را

چوں کہ آپؐ ہی کے فیض سے ہستیِ کائنات کی آرائش و زیبائش ہے، اس لیے آپؐ کی خاک درِ غالبؔ کے لیے قبلۂ مراد اور کعبۂ مقصود ہے۔ آپؐ خالق کے دل کی اوّلین تمنا ہیں اس لیے ہر نوع سے تخلیقِ کائنات کا منشا ہیں۔ بہادر یار جنگؒ کہتے ہیں:

اے کہ ترے وجود پر خالقِ دوجہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے وجودِ کائنات

پانچویں شعر میں غالب نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ قسم ہمیشہ عزیز شے کی کھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے، بعض امور واقعی پر زور دینے کے لیے اور بعض حقائق کو واضح کرنے کے لیے جانِ محمد ﷺ کی قسم کھاتے ہیں بلکہ ان مقامات کو بھی بطورِ شہادت پیش کرتے ہیں، جن کا تعلق نبیٔ کریم ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ مکان تو سبھی اینٹ اور پتھر ہی کے ہوتے ہیں، مگر وہ مکین کی نسبت سے معزز و محترم ہو جایا کرتے ہیں۔ دیکھنے والے ان راستوں کو بھی، دل کی ساری عقیدتوں کو اپنی پلکوں میں سمیٹ کر چومتے ہیں، جو محبوب کی گزرگاہ ہوتے ہیں، سچ یہ ہے کہ اس ذات گرامیؐ قدر کے خرام ناز کا فیض ہے کہ عرب کی ریت اپنے اندر ریشم کا لوچ لیے ہوئے ہے اور یہ انھی کے انفاس کی مہک ہے کہ وہ ریگستان ایک عالم کو خوش بو بانٹتا چلا جارہا ہے۔ مدینہ محبتوں کا مرکز اسی لیے

ہے کہ وہاں محمد ﷺ کی بارگاہ ہے۔

اے زمیں از بارگاہت ارجمند
آسماں از بوسۂ بامت بلند

حضرت محمد ﷺ کے اسم گرامی قدر کی قسم کھانا تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا نشانِ امتیاز ہے۔ ہم لوگ تو ان راہوں، ان وادیوں، ان غاروں اور ان پتھروں کو ارادت کا مرکز بنائے ہوئے ہیں جنھوں نے صدیوں پہلے اس ذاتِ مکرم و محترم کو دیکھا تھا۔ ہم تو معبود بھی اسی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں جس کا پتا ہمیں حضور ﷺ نے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجرِ اسود کو خانہ کعبہ کی نسبت سے بوسہ نہیں دیا بلکہ اس لیے چوما تھا کہ اسے ختمی مرتبت پیغمبرِ اسلام ﷺ کے لب ہائے مبارک نے مس کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہو یا خانہ کعبہ کا تقدس ہم اسے حضور ﷺ ہی کے حوالے سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ورنہ خدا کو ابوجہل بھی مانتا تھا اور کفار بھی اللہ کے اس گھر کا طواف کیا کرتے تھے۔ ظفر علی خاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

اگر پروردگار انس و جاں کو ہم نے پہچانا
بلاشبہ و بلاشک اس کی وجہِ اوّلیں تم ہو

اللہ آپؐ کی قسم اسی لیے کھاتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی پاکیزگیوں کا منبع، سعادتوں کا مرکز اور برکتوں کا ماخذ ہے اور یہ صرف اس لیے کہ آپؐ کا لحہ لحہ اس ذاتِ حفیظ و بصیر کی نگاہوں میں تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "اللہ نے کوئی متنفس ایسا پیدا نہیں کیا جو حضور ﷺ سے زیادہ اس کی نظر میں مکرم و محترم ہو اور آپؐ کے سوا کوئی نہیں جس کی زندگی کی اس نے قسم کھائی ہو۔"

چھٹے شعر میں آپؐ کے حسن قد و قامت کے بارے میں تشبیہ سے کام لیتے ہوئے غالب یہ کہتے ہیں کہ واعظ کو جنت کے معروف شجر طوبیٰ کا ذکر چھوڑ دینا چاہیے کہ "سرورانِ محمد ﷺ" کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ گویا حضور ﷺ کی خوش قامتی کے مقابل نہ جنت کے درخت طوبیٰ کی کوئی حیثیت ہے اور نہ دنیا کے سرو و صنوبر کی۔ ہم اگر تشبیہی اعتبار سے ان اشیا کو مقابل لاتے ہیں تو مقصود ان اشیا کے حسن کا احساس دلانا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہم ذکرِ

ہے کہ وہاں محمد ﷺ کی بارگاہ ہے۔

اے زمیں از بارگاہت ارجمند
آسماں از بوسۂ بامت بلند

حضرت محمد ﷺ کے اسم گرامی قدر کی قسم کھانا تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا نشانِ امتیاز ہے۔ ہم لوگ تو ان راہوں، ان وادیوں، ان غاروں اور ان پتھروں کو ارادت کا مرکز بنائے ہوئے ہیں جنھوں نے صدیوں پہلے اس ذاتِ مکرم و محترم کو دیکھا تھا۔ ہم تو معبود بھی اسی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں جس کا پتا ہمیں حضور ﷺ نے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجرِ اسود کو خانہ کعبہ کی نسبت سے بوسہ نہیں دیا بلکہ اس لیے چوما تھا کہ اسے ختمی مرتبت پیغمبرِ اسلام ﷺ کے لب ہائے مبارک نے مس کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہو یا خانہ کعبہ کا تقدس ہم اسے حضور ﷺ ہی کے حوالے سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ورنہ خدا کو ابوجہل بھی مانتا تھا اور کفار بھی اللہ کے اس گھر کا طواف کیا کرتے تھے۔ ظفر علی خاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

اگر پروردگار انس و جاں کو ہم نے پہچانا
بلاشبہ و بلاشک اس کی وجہِ اوّلیں تم ہو

اللہ آپؐ کی قسم اسی لیے کھاتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی پاکیزگیوں کا منبع، سعادتوں کا مرکز اور برکتوں کا ماخذ ہے اور یہ صرف اس لیے کہ آپؐ کا لمحہ لمحہ اس ذاتِ حفیظ و بصیر کی نگاہوں میں تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ نے کوئی متنفس ایسا پیدا نہیں کیا جو حضور ﷺ سے زیادہ اس کی نظر میں مکرم و محترم ہو اور آپؐ کے سوا کوئی نہیں جس کی زندگی کی اس نے قسم کھائی ہو۔''

چھٹے شعر میں آپؐ کے حسن قد و قامت کے بارے میں تشبیہ سے کام لیتے ہوئے غالب یہ کہتے ہیں کہ واعظ کو جنت کے معروف شجر طوبیٰ کا ذکر چھوڑ دینا چاہیے کہ ''سرورانِ محمد ﷺ'' کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ گویا حضور ﷺ کی خوش قامتی کے مقابل نہ جنت کے درخت طوبیٰ کی کوئی حیثیت ہے اور نہ دنیا کے سرو و صنوبر کی۔ ہم اگر تشبیہی اعتبار سے ان اشیا کو مقابل لاتے ہیں تو مقصود ان اشیا کے حسن کا احساس دلانا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہم ذکرِ رسالت مآب ﷺ سے لفظوں کو اعتبار عطا کرتے اور اپنے وجود کے حوالے کو معتبر بناتے ہیں:

تشبیہ دے کے قامت جاناں کو سرو سے
اونچا ہر ایک سرو کا قد ہم نے کردیا

طوبیٰ بہرکیف سایہ دار ہے مگر ہمارے نبی ﷺ بے سایہ ہوتے ہوئے بھی تپتے صحراؤں میں بھٹکتے ہوئے آبلہ پا مسافروں کے لیے ایک ایسے خنک سائے کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر زندگی کے ہر اضطراب کو سکون و عافیت مل جاتی ہے۔

یوں مدینے میں پہنچ کر دل کو ملتا ہے سکوں
جیسے اک زخمی پرندہ آشیاں تک آگیا

تشبیہ کا اصول یہ ہے کہ مشبہ بہ کو قدر و قیمت کے اعتبار سے مشبہ سے برتر ہونا چاہیے۔ جب کہ یہاں جس مشبہ کا ذکر ہے اس کے روبرو تو ہر مشبہ بہ کا ہر حسن ماند ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کبھی بدر کامل کو دیکھتے اور کبھی نبیٔ کریم ﷺ کے چہرۂ انور کو اور انھیں چاند پھیکا پھیکا سا لگتا کہ ان کی نگاہوں کے سامنے ایک ایسا حسن جلوہ فرما تھا کہ اسے جلوے بھی ایک نظر دیکھ لیں تو طواف نظر کرتے رہ جائیں۔ وہاں تو نگاہیں سیر ہی نہیں ہوتی تھیں۔ دیکھ دیکھ کر، پھر دیکھنے کو جی چاہتا تھا:

دیر سے آنکھیں نہیں جھپکی مری
پیش جاں اب کے نظارہ اور رہے

نبیٔ اکرم ﷺ کا چہرۂ اقدس، رُخِ جمالِ الٰہی کا آئینہ تھا۔ وہ کونین کا حاصل تھے اور انھی کے لیے آب و گل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں۔ انھی کے مژدے صحائف سناتے رہے اور اسی قافلۂ سالار کا پتا، حسن و عشق اور نیاز و ناز کے اس عظیم قافلے کا ہر ممتاز راہی دیتا رہا۔ اقبال کا یہ شعر اپنے اندر حقائق کی کتنی ہی تہہ در تہہ پرتیں لیے ہوئے ہے:

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

اور آج جس کو خوش قسمتی سے، خواب میں بھی ان کی زیارت ہوجاتی ہے وہ تمام عمر تصور کی

اس رعنائی اور تصویر کی اس زیبائی کو سنبھالتا اور اس پر ناز کرتا رہتا ہے۔ حضرت احسان دانشؒ کو یہ نعمت نصیب ہوئی تھی کہ انھوں نے یہ اعتراف کیا تھا:

چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئینہ
ہوئی ہے جب بھی مجھ کو زیارت حضورؐ کی

گویا رسول اللہ ﷺ تجلیٔ الٰہی کا انسانی پیکر تھے۔ غالب نے اس کا اظہار اپنے ایک اردو شعر میں بھی کیا تھا جس میں انھوں نے کہا تھا کہ نور کی تجلی تیری شکل میں ظاہر ہونا چاہتی تھی، تیرے قد و رُخ سے اس کے ظہور کا ستارہ چمک اُٹھا یعنی وہ تیرے قد و رُخ میں ظاہر ہوگئی، یوں اس کی قسمت کھل گئی یعنی اس کے دن پھر گئے اور اس کے بھاگ جاگ اُٹھے:

سر و قد دیکھے ہیں تاریخ نے لاکھوں لیکن
قد کسی کا بھی ترے قد سے نہ اونچا دیکھا

ساتویں شعر میں شق القمر کے واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ شعر تلمیحی حسن کے ساتھ ساتھ شاعرانہ لطافت بھی لیے ہوئے ہے کہ ماہِ تمام ''دو نیم'' ہوگیا اور یہ نتیجہ ہے آپؐ کی انگشت مبارک کی ''نیم جنبش'' کا۔ معجزات عرفانِ حق کے لیے ایک بدیہی ثبوت ہوتے ہیں، جو انبیا کے ذریعے منکرین تک پہنچتے ہیں۔ اس میں انبیا کے اپنے ارادہ و قدرت کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ سراسر حکمِ الٰہی اور تائیدِ الٰہی سے صادر ہوتے ہیں۔ بسا اوقات انبیا کے علم میں بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھوں کون سا اعجاز ظہور پزیر ہونے والا ہے۔ زمانے بھر کی تحیر آفرین سائنسی اور عقلی ایجادات اپنے حدِ کمال کو پا کر بھی انبیا سے ظاہر ہونے والے کسی معجزے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ کیوں کہ ایجادات ہر نوع سے سائنسی آلات کی محتاج ہیں جب کہ معجزے میں ظاہری اسباب نہیں ہوا کرتے اور نہ زمانہ کسی معجزے کی کوئی عقلی اور مادّی توجیہہ کر سکتا ہے۔ معجزہ ''خارق عادت'' ہے۔ وہ اس دنیائے اسباب سے بے نیاز ایک ایسا بالاتر فعل ہے جو ہر زمانے کی ہر عقل کو عاجز کر دینے کے لیے کافی ہے اور ''نبی کے فعل اور اس کے معجزے کے درمیان بھی کوئی علاقہ تاثیر نظر نہیں آیا کرتا'' مثلاً ''لاٹھی کے ڈالنے اور اس کے اژدھا بن جانے میں کیا سببیّت ہے؟ اس طرح آپؐ کے انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے اُبل پڑنے میں کس علاقۂ تاثیر کا دخل کہا جا سکتا ہے؟ بعینہٖ انگلی کے ایک اشارے اور چاند

اس رعنائی اور تصویر کی اس زیبائی کو سنبھالتا اور اس پر ناز کرتا رہتا ہے۔ حضرت احسانؔ دانشؒ کو یہ نعمت نصیب ہوئی تھی کہ انھوں نے یہ اعتراف کیا تھا:

چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئینہ
ہوئی ہے جب بھی مجھ کو زیارت حضورؐ کی

گویا رسول اللہ ﷺ تجلیٔ الٰہی کا انسانی پیکر تھے۔ غالب نے اس کا اظہار اپنے ایک اردو شعر میں بھی کیا تھا جس میں انھوں نے کہا تھا کہ نور کی تجلی تیری شکل میں ظاہر ہونا چاہتی تھی، تیرے قد و رُخ سے اس کے ظہور کا ستارہ چمک اُٹھا یعنی وہ تیرے قد و رُخ میں ظاہر ہوگئی، یوں اس کی قسمت کھل گئی یعنی اس کے دن پھر گئے اور اس کے بھاگ جاگ اُٹھے:

سرو قد دیکھے ہیں تاریخ نے لاکھوں لیکن
قد کسی کا بھی ترے قد سے نہ اونچا دیکھا

ساتویں شعر میں شق القمر کے واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ شعر تلمیحی حسن کے ساتھ ساتھ شاعرانہ لطافت بھی لیے ہوئے ہے کہ ماہِ تمام ''دو نیم'' ہوگیا اور یہ نتیجہ ہے آپؐ کی انگشت مبارک کی ''نیم جنبش'' کا۔ معجزات عرفانِ حق کے لیے ایک بدیہی ثبوت ہوتے ہیں، جو انبیا کے ذریعے منکرین تک پہنچتے ہیں۔ اس میں انبیا کے اپنے ارادہ و قدرت کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ سراسر حکمِ الٰہی اور تائیدِ الٰہی سے صادر ہوتے ہیں۔ بسا اوقات انبیا کے علم میں بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھوں کون سا اعجاز ظہور پزیر ہونے والا ہے۔ زمانے بھر کی تحیر آفرین سائنسی اور عقلی ایجادات اپنے حدِ کمال کو پا کر بھی انبیا سے ظاہر ہونے والے کسی معجزے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ کیوں کہ ایجادات ہر نوع سے سائنسی آلات کی محتاج ہیں جب کہ معجزے میں ظاہری اسباب نہیں ہوا کرتے اور نہ زمانہ کسی معجزے کی کوئی عقلی اور مادّی توجیہہ کر سکتا ہے۔ معجزہ ''خارق عادت'' ہے۔ وہ اس دنیائے اسباب سے بے نیاز ایک ایسا بالاتر فعل ہے جو ہر زمانے کی ہر عقل کو عاجز کر دینے کے لیے کافی ہے اور ''نبی کے فعل اور اس کے معجزے کے درمیان بھی کوئی علاقہ تاثیر نظر نہیں آیا کرتا'' مثلاً ''لاٹھی کے ڈالنے اور اس کے اژدھا بن جانے میں کیا سببیّت ہے؟ اس طرح آپؐ کے انگشتانِ مبارک سے پانی کے چشمے اُبل پڑنے میں کس علاقۂ تاثیر کا دخل کہا جاسکتا ہے؟ بعینہٖ انگلی کے ایک اشارے اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے میں کیا علاقۂ تاثیر ہے؟'' گو معجزہ کلیتاً اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کفار کی طرف سے معجزے کا اصرار ہوتا ہے اور نبی کی آرزو، دعا کے روپ میں اُبھرتی اور معجزے کی تکمیل بن جاتی ہے۔ چاند کے دو نیم ہونے کا معجزہ بھی کفار کے اصرار پر رونما ہوتا ہے اور اس کی روایت عینی شاہدوں کے وسیلے سے، تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچتی ہے۔ یہ متفق علیہ بات ہے۔ انس بن مالکؓ، ابن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ راوی ہیں۔ اس معجزے کے بعد سورۃ القمر نازل ہوئی۔ یہ ہجرت سے پہلے کی بات ہے۔ یہ معجزہ منیٰ میں ظاہر ہوا۔ اہلِ مکہ ہی نے نہیں، باہر سے آنے والے قافلوں نے بھی چاند کو دو نیم ہوتے دیکھا۔ اس معجزے کا تذکرہ بطور روایت نہیں، بطور شہادت ملتا ہے۔ یہ حضور ﷺ کی رسالت کا ثبوت بھی ہے اور قیامت کی دلیل بھی کہ اگر چاند دو نیم ہوسکتا ہے تو وقت آنے پر آسمان کی بساط بھی لپٹ سکتی ہے۔ شق القمر کا واقعہ، واضح صداقت پر مبنی ایک مشاہدہ تھا اور نبیٔ کریم ﷺ نے اس پر سب کو گواہ بنایا:

وہ چاہیں تو طلوع ہو مغرب سے آفتاب
وہ چاہیں تو اک اشارے سے شق قمر کریں

بعض اسے محض ایک فطری واقعہ سمجھتے ہیں۔ معجزہ قرار نہیں دیتے۔ مگر حق یہ ہے کہ چاند فی الواقع اشارۂ رسالت مآب ﷺ سے دو ٹکڑے ہوا۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر کسی انداز سے بھی کوئی تصرف نہ تھا بلکہ تصرف قدرت نے چاند پر کیا تھا۔ اسی لیے اسے دلیلِ قیامت ٹھہرایا گیا۔ ساحری میں نگاہوں پر تصرف ہوتا ہے مگر معجزے میں ''انقلابِ حقیقت'' ہوا کرتا ہے:

شق القمر فلک پہ دکھا کر جنابؐ نے
بدلی ہے ممکنات سے صورت محال کی

آٹھویں شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مہرِ نبوت کی حقیقت کے بارے میں غور کیا جائے تو یہ بات کھل جاتی ہے کہ یہ مہرِ نبوت آپؐ ہی کی ذاتِ گرامی قدر سے نامور اور سرفراز ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے حضور اقدس ﷺ کی مہرِ نبوت کو آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا۔ جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی۔'' غالبؔ کے نزدیک یہ مہرِ نبوت نسبتِ رسالت ﷺ سے معزز و مقدس ہے۔ یہ

تو حضورﷺ کے وجودِ اطہر کا ایک حصہ ہے۔ ہمارے نزدیک تو آپؐ کا ہر قرینہ، ہر سلیقہ، ہر رُخ، ہر اشارہ اور ہر زاویہ، اپنے اندر محبت اور عقیدت کے کئی انداز لیے ہوئے ہے اور زمین کا وہ ٹکڑا حقیقتاً آسمان ہے جہاں وہ وجودِ ناز، آسودہ ہے۔ مہرِ نبوت بھی اسی تعلق اور اختصاص کی بنا پر نامور ہے۔

آخر میں غالبؔ کہتے ہیں کہ میں اپنے ممدوح کی مدحت، اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں کہ وہی ان کے رُتبے کو جانتا ہے ہم لوگ تو اس بے پایاں حسن کی تحسین، اسی حد تک کر سکتے ہیں جس حد تک ذرّہ آفتاب کا احاطہ کرسکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اظہار و بیان کا کوئی سا پیرایہ بھی، اس جمال بے مثال کو بیان نہیں کرسکتا۔ ہم لوگ نعت سرائی سے ممدوح کی شان میں کوئی اضافہ نہیں کرتے بلکہ خود کو بلند و بالاتر کرتے ہیں، آفتاب کو اگر آفتاب کہہ کر پکار لیں تو اس کا آفتاب پر کوئی احسان نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ ثبوت ہے، اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نظر صحیح و سالم ہے۔

مادحِ خورشید، مداح خود است

حقیقت یہ ہے کہ توصیف اور درود کا حق بھی اللہ تعالیٰ ہی ادا کر سکتے ہیں کہ وہی ''مرتبہ دان محمدﷺ'' ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عن درک و صفه جاهل و بقصر فهمه
قائل. اللّٰہ یعلم شانه و هوالعلیم
بیانه ۔

(تیرا مداح، تیرے وصف دریافت کرنے سے جاہل ہے اور اپنے قصورِ فہم کا معترف ہے۔ اللہ ہی ان کی شان خوب جانتا ہے اور وہی جانتا ہے اس کے بیان کرنے کو)

حضورﷺ سے ایک درود منقول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ''اے اللہ! درود نازل فرما سیّدنا محمد پر جیسا کہ تو نے حکم دیا کہ ہم درود بھیجیں اور اے اللہ! ان پر درود نازل فرما جیسا کہ ان کی شان کے شایاں ہے۔''

نعت چوں کہ درود و سلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے۔ اس لیے اس کا حق نعت گو ادا نہیں

تو حضور ﷺ کے وجودِ اطہر کا ایک حصہ ہے۔ ہمارے نزدیک تو آپؐ کا ہر قرینہ، ہر سلیقہ، ہر رُخ، ہر اشارہ اور ہر زاویہ، اپنے اندر محبت اور عقیدت کے کئی انداز لیے ہوئے ہے اور زمین کا وہ ٹکڑا حقیقتاً آسمان ہے جہاں وہ وجودِ ناز، آسودہ ہے۔ مہرِ نبوت بھی اسی تعلق اور اختصاص کی بنا پر نامور ہے۔

آخر میں غالبؔ کہتے ہیں کہ میں اپنے ممدوح کی مدحت، اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں کہ وہی ان کے رُتبے کو جانتا ہے ہم لوگ تو اس بے پایاں حسن کی تحسین، اسی حد تک کرسکتے ہیں جس حد تک ذرّہ آفتاب کا احاطہ کرسکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اظہار و بیان کا کوئی سا پیرایہ بھی، اس جمالِ بے مثال کو بیان نہیں کرسکتا۔ ہم لوگ نعت سرائی سے ممدوح کی شان میں کوئی اضافہ نہیں کرتے بلکہ خود کو بلند و بالاتر کرتے ہیں، آفتاب کو اگر آفتاب کہہ کر پکار لیں تو اس کا آفتاب پر کوئی احسان نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ ثبوت ہے، اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نظر صحیح و سالم ہے۔

مادحِ خورشید، مداحِ خود است

حقیقت یہ ہے کہ توصیف اور درود کا حق بھی اللہ تعالیٰ ہی ادا کرسکتے ہیں کہ وہی ''مرتبہ دانِ محمد ﷺ'' ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عن درک و صفه جاهل و بقصر فهمه
قائل. الله يعلم شانه و هوالعليم
بيانه ۔

(تیرا مداح، تیرے وصف دریافت کرنے سے جاہل ہے اور اپنے قصورِ فہم کا معترف ہے۔ اللہ ہی ان کی شان خوب جانتا ہے اور وہی جانتا ہے اس کے بیان کرنے کو)

حضور ﷺ سے ایک درود منقول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ''اے اللہ! درود نازل فرما سیّدنا محمد پر جیسا کہ تو نے حکم دیا کہ ہم درود بھیجیں اور اے اللہ! ان پر درود نازل فرما جیسا کہ ان کی شان کے شایاں ہے۔''

نعت چوں کہ درود و سلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے۔ اس لیے اس کا حق نعت گو ادا نہیں کرسکتا کیوں کہ اس کی سوچ ناقص، اظہار محدود اور تصور مسدود ہے۔ اس لیے اپنی بساط کے مطابق نعت سرائی کے بعد، کماحقہٗ نعت کا حق، اللہ تعالیٰ ہی پر چھوڑ دینا چاہیے اور قلم قلم اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرنا چاہیے۔ کہ ''حق تو یہ کہ حق ادا نہ ہوا'' فارسی اور اردو شاعری میں نعت کہنے والوں کی بے بضاعتی کا اعتراف جابجا ملتا ہے مگر اس مقام پر ناصرؔ کاظمی مرحوم کی ایک نعت کے دو بند قابلِ ذکر ہیں کہ وہ اس خیال کے آئینہ دار بھی ہیں اور خود غالبؔ ہی کے اشعار پر تضمین بھی:

کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تری نظیر
خط جبیں ترا اُم الکتاب کی تفسیر
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
دکھاؤں پیکر الفاظ میں تری تصویر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

غالب کی نعتیہ غزل کا یہ آخری شعر اس قدر معروف ہے کہ آج نعت کا کوئی سا بیان بھی اس کے حوالے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ممدوح کی بے پایاں رفعتوں کے مقابلے میں جب لکھنے والے کو اپنی نارسائی کا احساس ہوتا ہے تو فوراً قلم کی نوک پر یہ شعر آجاتا ہے۔ اس شعر کی اس قدر مقبولیت، دلیل ہے اس بات کی کہ اسے بارگاہ ناز میں بھی شرفِ قبول حاصل ہے کیوں کہ جو بات دل سے نہ نکلے وہ ہر دل کی صدا نہیں بن سکتی۔ حالیؔ سے لے کر حال تک، اس نعت پر بہت سی تضمینیں بھی کی گئیں اور اردو نعت نے اس سے نہ صرف تاثر لیا بلکہ یوں استفادہ کیا کہ ہم مضمون اشعار کے ڈھیر لگ گئے۔ یہ اخذ و استفادہ ارادتاً بھی ہوا اور بے ساختہ بھی۔

الغرض رسمی اسلوب سے ہٹی ہوئی یہ ایک ایسی نعت ہے جو ہیئت کے اعتبار سے منزل نشاں اور مواد کے اعتبار سے جہت نما ہے۔ فنی اعتبار سے تو اس نعت کو قابلِ قدر ہونا ہی تھا کہ کہنے والا وہ شاعر ہے جس کے لبِ اعجاز پر نطق مدتوں ناز کرتا رہے گا، مگر معنوی اعتبار سے بھی یہ نعت قابلِ تقلید ہے کہ اس میں قرآنی حقائق کی عکاسی کے ساتھ ساتھ سیرت کے

درخشاں پہلو بھی ہیں، حسن ممدوح کی کیف سامانیوں کا تذکرہ بھی ہے مگر غزل کی مبالغہ آفرینیوں سے دامن کشاں اور آخری شعر میں قدرتِ بیان کے باوصف عجزِ بیان کا اعتراف، اسے ایک بھرپور اور مکمل نعت کا اعزاز عطا کرتا ہے اور دورِ حاضر کی نعت گوئی اسی انداز کو اپنا اعتبار اور افتخار بنائے ہوئے ہے۔

آخر میں اس نعت کے تناظر میں ایک نظریہ بھی دیکھیے کہ وہ ذات بلند و برتر جسے غالب ''مرتبہ دانِ محمد ﷺ'' قرار دیتے ہیں۔ کسی اسلوب و ادا کے ساتھ مدحت کے انداز سمجھاتی ہے۔ وہ ذات تمام انبیا کو ذاتی ناموں سے پکارتی ہے مگر حضور ﷺ کو وصفی ناموں کے ساتھ مخاطب فرماتی ہے۔ ایسے نام جن سے محبت، شفقت اور عزت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنی آواز پست رکھنے کا حکم ہے، ورنہ اعمال کے ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ فرشتوں اور بندوں کو بھی درود وسلام کا حکم دیا جاتا ہے اور یہی وہ واحد مقام ہے کہ اللہ، فرشتے اور بندے ہم آواز بھی ہیں اور ہم مقام بھی۔ ورنہ تینوں کے مقامات الگ الگ ہیں۔ پھر حضور ﷺ کو پیار سے اپنا بندہ کہا جاتا ہے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار، او منتظر

عبدیت، انسانی عظمت کا بلند ترین مقام ہے، وہ ذات، صفاتِ محمد ﷺ کی قسم کھا کھا کر بات کرتی اور بات سمجھاتی ہے اور اپنی رضا کو ان کی رضا سے یوں ہم آہنگ کرتی ہے کہ قبلے کی تبدیلی کی آرزو دلِ محبوب میں مچلتی ہے۔ زبان سے اظہار بھی نہیں ہونے پاتا اور نگاہ کی آرزو ہی سے قبلہ تبدیل ہوجاتا ہے۔ گرامیؔ نے کہا تھا:

قضا گیرد، قدر گیرد، ازل گیرد، ابد گیرد
رکابش را عنانش را، عنانش را، رکابش را

اور پھر دینے والے نے واضح کردیا کہ وہ کچھ عطا کیا جائے گا کہ لینے والے کا دل باغ باغ ہوجائے گا اور ساتھ ہی ذکر کو ایسی رفعت عطا کردی کہ اوقاتِ عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو ذکرِ رسول ﷺ سے معمور نہ ہو۔ آپؐ کی سیرت کو قرآن پاک کا عکس بنا دیا گیا ہے اور آپؐ کو مرکز انوارِ انبیا بنا کر بھیجا گیا اور آپؐ کی رحمتوں کو عام کردیا گیا۔ آپؐ سیّدالاوّلین

درخشاں پہلو بھی ہیں، حسن ممدوح کی کیف سامانیوں کا تذکرہ بھی ہے مگر غزل کی مبالغہ آفرینیوں سے دامن کشاں اور آخری شعر میں قدرتِ بیان کے باوصف عجزِ بیان کا اعتراف، اسے ایک بھرپور اور مکمل نعت کا اعزاز عطا کرتا ہے اور دورِ حاضر کی نعت گوئی اسی انداز کو اپنا اعتبار اور افتخار بنائے ہوئے ہے۔

آخر میں اس نعت کے تناظر میں ایک نظریہ بھی دیکھیے کہ وہ ذات بلند و برتر جسے غالب ''مرتبہ دانِ محمد ﷺ'' قرار دیتے ہیں۔ کسی اسلوب و ادا کے ساتھ مدحت کے انداز سمجھاتی ہے۔ وہ ذات تمام انبیا کو ذاتی ناموں سے پکارتی ہے مگر حضور ﷺ کو وصفی ناموں کے ساتھ مخاطب فرماتی ہے۔ ایسے نام جن سے محبت، شفقت اور عزت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنی آواز پست رکھنے کا حکم ہے، ورنہ اعمال کے ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ فرشتوں اور بندوں کو بھی درود و سلام کا حکم دیا جاتا ہے اور یہی وہ واحد مقام ہے کہ اللہ، فرشتے اور بندے ہم آواز بھی ہیں اور ہم مقام بھی۔ ورنہ تینوں کے مقامات الگ الگ ہیں۔ پھر حضور ﷺ کو پیار سے اپنا بندہ کہا جاتا ہے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار، او منتظر

عبدیت، انسانی عظمت کا بلند ترین مقام ہے، وہ ذات، صفاتِ محمد ﷺ کی قسم کھا کھا کر بات کرتی اور بات سمجھاتی ہے اور اپنی رضا کو ان کی رضا سے یوں ہم آہنگ کرتی ہے کہ قبلے کی تبدیلی کی آرزو دلِ محبوب میں مچلتی ہے۔ زبان سے اظہار بھی نہیں ہونے پاتا اور نگاہ کی آرزو ہی سے قبلہ تبدیل ہوجاتا ہے۔ گرامیؔ نے کہا تھا:

قضا گیرد، قدر گیرد، ازل گیرد، ابد گیرد
رکابش را عنانش را، عنانش را، رکابش را

اور پھر دینے والے نے واضح کردیا کہ وہ کچھ عطا کیا جائے گا کہ لینے والے کا دل باغ باغ ہوجائے گا اور ساتھ ہی ذکر کو ایسی رفعت عطا کردی کہ اوقاتِ عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو ذکرِ رسول ﷺ سے معمور نہ ہو۔ آپؐ کی سیرت کو قرآن پاک کا عکس بنا دیا گیا ہے اور آپؐ کو مرکز انوارِ انبیا بنا کر بھیجا گیا اور آپؐ کی رحمتوں کو عام کردیا گیا۔ آپؐ سیّدالاوّلین ہیں کہ جتنے نبی پہلے گزر چکے آپؐ ان کے سرتاج ہیں۔ آپؐ سیّدالآخرین ہیں کہ صحابہ کرامؓ سے لے کر قیامت تک جتنے صالحین آئیں گے ان کی زندگیاں، انوارِ محمد ﷺ سے مستنیر ہوں گی، اسی لیے اقبالؔ نگاہِ عشق و مستی میں انھی کو اوّل بھی کہتا ہے اور آخر بھی... اسی لیے مولانا رومؒ کے نزدیک نامِ احمد، جملہ انبیا کو محیط ہے اور یوں بسم اللہ سے لے کر والناس تک، پورا قرآن آپؐ ہی کا حسین و جمیل تذکرہ ہے... اس طویل مضمون کو غالبؔ ہی کے ایک فارسی نعتیہ شعر پر ختم کرتا ہوں جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نام لینے سے میری گفتار میں جان کی سی حلاوت آگئی ہے، محبت کی اس تاثیر کی وجہ سے میرے دل نے میری زبان اپنے اندر کھینچ لی ہے یعنی میں خاموش ہوگیا ہوں۔ اس لیے بھی کہ اس نعمت کا شکر لفظوں میں ادا نہیں ہوسکتا اور اس لیے بھی کہ اب دل اندر ہی اندر لطف اندوز ہو رہا ہے:

تا نام تو شیرینیٔ جاں دادہ بہ گفتن
در خویش فرو بردہ دل از مہر زباں را

عزیز احسن

غالبؔ کی اردو شاعری میں مضامین نعت کا فقدان

غالبؔ نے اپنے چھوٹے سے اردو دیوان میں شعریاتی کائنات بنائی جس کو دُنیا نے سراہا اور اس کے پیچیدہ شعروں کو سمجھنے کی کوشش کیں جو آج بھی جاری ہیں۔ غالبؔ کے دیوان میں غزل کے شعروں میں نعتیہ مضامین بھی کہیں کہیں سے ڈھونڈ نکالے لیکن وہ شعر تمام اہل فکر و نظر کے لیے نعت کے نہیں ہیں۔ ظاہر ہے غالبؔ نے بالقصد کم ازکم اردو میں کوئی نعت کہی ہی نہیں۔ راقم الحروف نے اس موضوع پر سوچا تو ایک عجیب منظر نامہ بنا۔ میں وہی منظر نامہ حوالۂ قرطاس کرنا چاہتا ہوں۔

غالبؔ کی فکری روش کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کم ازکم دہریا نہ تھا، بلکہ توحید وجودی کا اس قدر قائل تھا کہ اپنی ہستی کو وہم اور عالم کے وجود کو حلقہء دام خیال سمجھتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالبؔ شرک فی الوجود سے ہمیشہ بچتا رہا۔ اس کے علاوہ غالبؔ کی نثری تحریروں میں حب رسالت کے شواہد بھی ملتے ہیں۔ فارسی نعت بھی غالبؔ کے تصور رسالت کو بے داغ ظاہر کرتی ہے۔ اردو غزل کے مطلع کے طور پر جو ایک شعر غالبؔ سے ہوا ہے وہ اتنا بھرپور اور بھاری بھرکم ہے کہ حقیقت محمدیہ (ﷺ) پر اس سے بہتر شعر شاید ہی کوئی ہو۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور میرے بیان کی صداقت پر غور کیجیے:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قدورخ سے ظہور کی

عزیز احسن

غالبؔ کی اردو شاعری میں مضامینِ نعت کا فقدان

غالبؔ نے اپنے چھوٹے سے اردو دیوان میں شعر یاتی کائنات بنائی جس کو دُنیا نے سراہا اور اس کے پیچیدہ شعروں کو سمجھنے کی کوشش کیں جو آج بھی جاری ہیں۔ غالبؔ کے دیوان میں غزل کے شعروں میں نعتیہ مضامین بھی کہیں کہیں سے ڈھونڈ نکالے لیکن وہ شعر تمام اہل فکر و نظر کے لیے نعت کے نہیں ہیں۔ ظاہر ہے غالبؔ نے بالقصد کم از کم اردو میں کوئی نعت کہی ہی نہیں۔ راقم الحروف نے اس موضوع پر سوچا تو ایک عجیب منظر نامہ بنا۔ میں وہی منظر نامہ حوالۂ قرطاس کرنا چاہتا ہوں۔

غالبؔ کی فکری روش کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کم از کم دہریانہ تھا، بلکہ توحید وجودی کا اس قدر قائل تھا کہ اپنی ہستی کو وہم اور عالم کے وجود کو حلقہء دام خیال سمجھتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالبؔ شرک فی الوجود سے ہمیشہ بچتا رہا۔ اس کے علاوہ غالبؔ کی نثری تحریروں میں حب رسالت کے شواہد بھی ملتے ہیں۔ فارسی نعت بھی غالبؔ کے تصور رسالت کو بے داغ ظاہر کرتی ہے۔ اردو غزل کے مطلع کے طور پر جو ایک شعر غالبؔ سے ہوا ہے وہ اتنا بھرپور اور بھاری بھر کم ہے کہ حقیقت محمدیہ (ﷺ) پر اس سے بہتر شعر شاید ہی کوئی ہو۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور میرے بیان کی صداقت پر غور کیجیے:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

لیکن مطلع کہنے کے باوجود غالبؔ نے نعت نہیں کہی بلکہ دوسرے شعر ہی سے وہ غزل کی سطح پر آ گیا۔ حالاں کہ تخلیقی ذہن رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ شعرا اگر نعتیہ مضمون سے مطلع کہتے ہیں تو مقطعے تک نعت ہی کہتے ہیں۔ مطلع کے علاوہ اگر غزل کے کسی شعر میں نعتیہ مضمون بندھ ہوجاتا ہے تو ضروری نہیں کہ اگلے اشعار بھی نعت ہی کے ہوں۔ لیکن غالبؔ اتنا بھرپور مطلع کہنے کے باوجود نعت کہنے کا موڈ نہیں بنا سکا۔

اس رویے سے غالبؔ کے تخلیقی منہاج کی یہ کم زوری سامنے آتی ہے کہ وہ حبِ رسالت کے جذبے کو جزوِ ہنر بنانے سے قاصر تھا اسی لیے اس نے قافیے کی سہولت اور مضمون کی بے ارادہ بنت کو کم از کم نعتیہ مضامین کی حد تک غزل میں آمد ہی کو کافی سمجھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟...اس کیوں کا جواب جاننے کے لیے ہمیں ذرا دور جانا ہوگا۔

غالبؔ رند مشرب تھا اور رند مشرب لوگ عموماً خود کو احساس گناہ سے نہیں بچا پاتے ہیں اس لیے اگر وہ شاعر پیشہ ہوتے ہیں تو مذہبی حوالوں سے کم کم ہی اپنے شعروں کو سجاتے ہیں؟ لیکن غالبؔ تو توحیدی مضامین بہت باندھتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ اللہ کے معاملے میں غالبؔ بے باک ہے اور رسولﷺ کے معاملے میں احساس گناہ سے حد درجہ مغلوب؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ غالبؔ وحدۃ الوجودی تھا اور اپنے اور کائنات کے وجود ہی کو معدوم جانتا تھا۔ اپنی نفی کر کے جب وہ رب تعالیٰ کا اثبات کرتا تھا تو اس پر وجد طاری ہوجاتا تھا اور وہ از خود رفتگی کی کیفیت میں فلسفہ بولنے لگتا تھا جو اس کی شاعری کا بنیادی مواد ہونے کی وجہ سے اس کی تخلیقی دانش کا حصہ بن جاتا تھا اور اسے شعر کہنے میں اور شعر کو اپنا مخصوص لہجہ دینے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ توحیدی (اور بالخصوص وحدۃ الوجودی فکر جس کا ویدانت سے گہرا سمبندھ ہے) مضامین بیان کرنے میں غالبؔ کو اپنے مخصوص لہجے اور اپنے تخلیقی مزاج سے ہٹنا نہیں پڑتا تھا، چناں چہ اس میدان میں اس کا توسن فکر سرپٹ دوڑتا تھا۔

محولہ بالا تناظر کو پیش نظر رکھ کر جب ہم غالبؔ کا اردو دیوان کھولتے ہیں تو یہ دیکھ کر کچھ حیرانی ہوتی ہے کہ جس دیوان میں نعت رسولﷺ کو بالارادہ موضوع بنانے کے شواہد معدوم ہیں اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کئی قصیدے موجود ہیں۔ تو کیا غالبؔ نعوذ باللہ حضرت علیؓ کو کوئی مذہبی شخصیت نہیں سمجھتا تھا یا خدانخواستہ وہ حضرت علیؓ کو جناب رسالت

مآبﷺ پر کسی قسم کی فوقیت دیتا تھا؟ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ جی ہاں نہ تو وہ حضرت علیؓ کو کوئی غیر مذہبی شخصیت سمجھتا تھا اور نہ ہی علیؓ کو نبی علیہ السلام پر ترجیح دیتا تھا۔ معاملہ یہ تھا کہ غالبؔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ کا فرق جانتا تھا اور ولایت عامہ میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت اونچے مقام پر فائز جانتا اور مانتا تھا...اورخود کو بھی کسی نہ کسی درجے میں ولایت عامہ میں شامل سمجھتا تھا لہذا حضرت علیؓ کی منقبت کہتے ہوئے وہ عرفانیات میں اپنے احوالی تجربات یاواردات کو تخلیقی رو سے ہم آہنگ کرنے میں سہولت محسوس کرتا تھا اور یوں حضرت علیؓ کی منقبت اس کے فن کا جزو بن جاتی تھی۔

میری ان باتوں کی تفہیم ذرا مشکل محسوس ہوگی اگر غالبؔ کے تخلیقی مزاج کے حوالے سے یہ بنیادی بات زیر بحث نہ آئی کہ غالبؔ کا تخلیقی رویہ کیا تھا؟ تو جناب یہ جاننے کے لیے بہت زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے محض یہ سمجھ لیجیے کہ غالبؔ نہ تو بیانیہ(Narrative) شاعری کا قائل تھا اور نہ روش عام پر چلنا اس کا شیوہ تھا۔ غالبؔ نے حتیٰ الوسع یہ کوشش کی تھی کہ اس کے دیوان میں یک رخا شعر نہ رہ جائے اس نے بیش تر ایسے ہی شعر دیوان میں رکھے جن کے ایک سے زیادہ معانی برآمد ہوتے ہوں اور جن میں غالبؔ کا مخصوص آہنگ اپنے بھرپور انداز سے سمویا ہوا محسوس کیا جاسکے۔ یہ بات بھی ہمارے علم میں ہے کہ ایک بیانیہ شعر کا انتساب اپنی ذات سے ہونے کے امکانات کے اندیشے کو بھانپ کر ہی اس نے ''اسد'' سے ''غالبؔ'' ہونے کے بارے میں سوچا اور اس سوچ پر عمل کیا تھا۔ قاضی عبدالجمیل جنون کو لکھے ہوئے غالبؔ کے خط کا اقتباس ملاحظہ ہو: ''سنیے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام سے لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چناں چہ انھی دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرے سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجیے: ع اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

میں نے کہا لاحول ولاقوۃ۔ اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح زمانۂ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش رحمت خدا کی[☆۱]

مآب ﷺ پر کسی قسم کی فوقیت دیتا تھا؟ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ جی ہاں نہ تو وہ حضرت علیؓ کو کوئی غیر مذہبی شخصیت سمجھتا تھا اور نہ ہی علیؓ کو نبی علیہ السلام پر ترجیح دیتا تھا۔ معاملہ یہ تھا کہ غالبؔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ کا فرق جانتا تھا اور ولایت عامہ میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت اونچے مقام پر فائز جانتا اور مانتا تھا...اور خود کو بھی کسی نہ کسی درجے میں ولایت عامہ میں شامل سمجھتا تھا لہٰذا حضرت علیؓ کی منقبت کہتے ہوئے وہ عرفانیات میں اپنے احوالی تجربات یاواردات کو تخلیقی رو سے ہم آہنگ کرنے میں سہولت محسوس کرتا تھا اور یوں حضرت علیؓ کی منقبت اس کے فن کا جزو بن جاتی تھی۔

میری ان باتوں کی تفہیم ذرا مشکل محسوس ہوگی اگر غالبؔ کے تخلیقی مزاج کے حوالے سے یہ بنیادی بات زیر بحث نہ آئی کہ غالبؔ کا تخلیقی رویہ کیا تھا؟ تو جناب یہ جاننے کے لیے بہت زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے محض یہ سمجھ لیجیے کہ غالبؔ نہ تو بیانیہ(Narrative) شاعری کا قائل تھا اور نہ روش عام پر چلنا اس کا شیوہ تھا۔ غالبؔ نے حتیٰ الوسع یہ کوشش کی تھی کہ اس کے دیوان میں یک رخا شعر نہ رہ جائے اس نے بیش تر ایسے ہی شعر دیوان میں رکھے جن کے ایک سے زیادہ معانی برآمد ہوتے ہوں اور جن میں غالبؔ کا مخصوص آہنگ اپنے بھرپور انداز سے سمویا ہوا محسوس کیا جا سکے۔ یہ بات بھی ہمارے علم میں ہے کہ ایک بیانیہ شعر کا انتساب اپنی ذات سے ہونے کے امکانات کے اندیشے کو بھانپ کر ہی اس نے ''اسد'' سے ''غالبؔ'' ہونے کے بارے میں سوچا اور اس سوچ پر عمل کیا تھا۔ قاضی عبدالجمیل جنون کو لکھے ہوئے غالبؔ کے خط کا اقتباس ملاحظہ ہو: ''سنیے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام سے لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چناں چہ انھی دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرے سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجیے: ع اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

میں نے کہا لاحول ولاقوۃ۔ اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح زمانۂ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش رحمت خدا کی ☆۱

میں نے سن کر عرض کیا صاحب، جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اس پر بقول اس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور ''شیر'' اور ''بت'' اور ''خدا'' اور جفا'' اور ''وفا'' میری طرز گفتار نہیں ہے۔

اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صنائع بدائع اور لفظی رعایتوں کی بھرمار سے کوئی یک رخا اور محض بیانیہ شعر کہنا نہ تو غالبؔ کا شیوہ تھا اور نہ ہی ایسی شاعری سے اس کی طبیعت کو کوئی مناسبت تھی۔ ایسے ہی اشعار کی اپنی ذات سے نسبت کا اس نابغہ ء روز گار ہستی پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنا تخلص ہی بدل دیا۔ غالبؔ کی انفرادیت پسندی صرف فنی معاملات تک محدود نہ تھی بلکہ اس نے اپنا حلیہ تک عام لوگوں کے حلیے سے جدا رکھنے کی شعوری کوششیں کیں۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر کو غالبؔ نے لکھا...''اس بھونڈے شہر (دہلی) میں ایک وردی ہے عام۔ ملا، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقا بھٹیارہ، جولاہا، کنجڑا، منہ پر داڑھی، سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی، اسی دن سر منڈوایا''۔☆۲

ان مختصر حوالوں سے غالبؔ کی عام زندگی میں عوامی سطح سے خود کو ممیز کرنے کی آرزو اور شاعرانہ لحاظ سے اپنا علیحدہ تشخص منوانے کا شدید جذبہ جھلکتا ہے۔ اس شاعرانہ حسیت کے ساتھ وہ عشق رسول ﷺ کو کس طرح اپنے لہجہ ء خاص میں شعری پیکر دے سکتا تھا؟ جب کہ اس طرح کی کوششیں عوام میں زیادہ تھیں اور مستند شعرا نے بھی نعت کو محض حصول سعادت کے لیے چند شعروں سے آگے نہیں بڑھایا تھا۔

عوامی حلیہ بیان کرتے ہوئے غالبؔ نے ملا کا ذکر جس حقارت سے کیا ہے اس کا اندازہ محولہ بالا خط کے اقتباس سے ہو جاتا ہے۔ ایک شعر بھی ملاحظہ ہو

نہ ہم پیالگئ زاہداں بلائے بود
خوش است، گرمے بیغش خلاف شرع نبی است

(اچھا ہوا کہ شراب شرع نبوی کے خلاف ہے ورنہ زاہدوں کے ساتھ بیٹھ کر پینا عذاب ہو) ☆۳

شرع نبوی کے بارے میں ایسے خیالات رکھنے والا شخص جناب رسالت مآب ﷺ کے بارے میں جب کسی ارتجالی اور وقتی قافیہ پیمائی کے جذبے کے تحت کوئی نعت کا شعر کہتا بھی ہے تو وہ ایک ٹھٹھول سے زیادہ نہیں ہوتا۔ مشاہدہ ء حق کی گفتگو ''بادہ ء وساغر کہے بغیر'' نہ کر سکنے کا

اعلان کرنے والا نعت کا شعر بھی اس طرح کہتا ہے:

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقئ کوثر کے باب میں[۴]

اس شعر میں عربی کے لفظ شراب (شربت۔مشروب) کو اردو کی شراب (نشہ آور اور بدبودار رقیق شئے) سے ملا کر تجنیس لفظی کے مزے لینے کے عمل نے استخفاف رسالت کی صورت پیدا کر دی۔

غالب نے شریعت کا اکثر جگہ مضحکہ اڑایا ہے مثلاً:

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں منھ سے مگر بادۂ نوشینہ کی بو آئے[۵]

اس شعر کی اہل ادب چاہے کتنی ہی داد دیں لیکن شریعت کا پاس و لحاظ کرنے والے اسے شریعت کی توہین ہی سمجھتے ہیں۔

ایسی صورت احوال میں ہمیں غالبؔ کی غزلوں میں وارد ہونے والے ان اشعار کا مطالعہ اور انتساب ''نعت'' کے ذیل میں کرتے ہوئے ذرا سے تامل کی ضرورت ہے، مثلاً تجمل حسین خان کے قصیدے میں موجود اس شعر کو اہل ادب بڑے خلوص سے نعت کا شعر سمجھتے ہیں لیکن قرائن یہ کہتے ہیں کہ یہ شعر تجمل حسین خاں ہی سے منسوب تھا۔

زباں پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بو سے مری زباں کے
لیے

اس شعر میں ''تجمل'' کی ادائیگی کے حوالے سے ہونٹوں کا بوسے کی سی شکل اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور بوسے کا لفظ غالبؔ نے کہیں بھی Erotic sense یا Erotic Reference کے سوا بیان ہی نہیں کیا ہے، مثلاً:

بوسے کو پوچھتا ہوں میں
منھ سے مجھے بتا کہ یوں[۶]

لے تو لو سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر

اعلان کرنے والا نعت کا شعر بھی اس طرح کہتا ہے:

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں[۴]

اس شعر میں عربی کے لفظ شراب (شربت۔ مشروب) کو اردو کی شراب (نشہ آور اور بدبودار رقیق شئے) سے ملا کر تجنیس لفظی کے مزے لینے کے عمل نے استخفاف رسالت کی صورت پیدا کر دی۔

غالب نے شریعت کا اکثر جگہ مضحکہ اڑایا ہے مثلاً:

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں منھ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے[۵]

اس شعر کی اہل ادب چاہے کتنی ہی داد دیں لیکن شریعت کا پاس و لحاظ کرنے والے اسے شریعت کی توہین ہی سمجھتے ہیں۔

ایسی صورت احوال میں ہمیں غالبؔ کی غزلوں میں وارد ہونے والے ان اشعار کا مطالعہ اور انتساب ’’نعت‘‘ کے ذیل میں کرتے ہوئے ذرا سے تامل کی ضرورت ہے، مثلاً تجمل حسین خان کے قصیدے میں موجود اس شعر کو اہل ادب بڑے خلوص سے نعت کا شعر سمجھتے ہیں لیکن قرائن یہ کہتے ہیں کہ یہ شعر تجمل حسین خاں ہی سے منسوب تھا۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

اس شعر میں ’’تجمل‘‘ کی ادائیگی کے حوالے سے ہونٹوں کا بوسے کی سی شکل اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور بوسے کا لفظ غالبؔ نے کہیں بھی Erotic sense یا Erotic Reference کے سوا بیان ہی نہیں کیا ہے، مثلاً:

بوسے کو پوچھتا ہوں میں
منھ سے مجھے بتا کہ یوں[۶]

لے تو لو سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا[۷]

وغیرہ وغیرہ۔

شاعری کی اور بات ہے جس میں ہر خیال تخلیقی عمل کا حصہ نہیں بن سکتا۔ لیکن نثر میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے وہ ترسیل خیال اور ابلاغ کے شعور ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں نہ تو شاعری کی طرح ایجاز ہوتا ہے اور نہ تقلیل الفاظ کے باعث پیدا ہونے والا ابہام اور نہ شعری اسلوب سے وجود میں آنے والی پیچیدگی ہوتی ہے۔ اس لیے کسی کے نظریات کی چھان پھٹک کے لیے نثر ہی زیادہ موزوں ہوتی ہے۔ غالبؔ نے نثر میں جناب رسالت مآب ﷺ کے مقام و مرتبے کے بارے میں جہاں جہاں بات کی ہے، وہ بڑی واضح ہے جس کے مطالعے سے مقام نبوت کے ضمن میں غالبؔ کے صحیح خیالات تک رسائی ممکن ہے۔ برہان دکنی کی ’’قاطع برھان‘‘ کے حوالے سے غالبؔ نے لکھا... ’’آب دہ دست درباب الف ممدودہ اسم حضرت ختم المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ، قرار دادہ است و ایں لفظیست در غایت رکاکت صفت لفظ۔ (ترجمہ: آب دہ دست الف ممدودہ کے ذیل میں حضرت ختم المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ کا نام نامی قرار دیا ہے اور یہ لفظ نہایت درجہ رکیک لفظ ہے) پس غالبؔ منع کرتا ہے برہان دکنی کو کہ لفظ رکیک آں حضرت ﷺ کے حق میں صرف نہ کر... عرف میں آبدست کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں؟ ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔ پس ’’آب دہ دست‘‘ اور ’’دست آب دہ‘‘ کے معنی وضو کرانے والا ہاتھ دھلانے والا، آب بہ معنی رونق اور دست بہ معنی مسند کا یہاں ادخال محض جہل اور صرف اہمال... یہ تو میرا قول ہے کہ ’’آب دہ دست رسالت‘‘ رسول ﷺ کو کہہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط ’’آب دہ دست‘‘ کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ علم، نہ فہم۔ اس نے اس قباحت کو نہ جانا، میرزا رحیم صاحب! افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں ’’قاطع برھان‘‘ والے کے قول کو کیوں کر مانا؟ ہے ہے سراسر بے پردہ اشرف الانبیا علیہ وآلہ والسلام کی تذلیل اور توہین ہے اور جو پیغمبر کو ایسا کہے، وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد اور مردود و بے دین ہے۔ بلکہ مخالفین بھی، جو مسلمان پیمبر کو برا کہے، اس کو برا جانیں گے، یقین ہے۔ پس پیمبر ﷺ کا ’’آب دہ دست‘‘ نام رکھنے والا **مورد لعنۃ اللہ**

وملائکۃ والناس اجمعین ہے۔‘‘☆۸

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غالبؔ کے دل میں مقام رسالت بہت بلند تھا اور وہ حضور رسالت پناہﷺ کے القاب و آداب میں لفظوں کا بلا اشکراہ استعمال ضروری جانتا تھا اور اس ضمن میں بے احتیاطی کرنے والے کو موجب ملامت گردانتا تھا۔

’’سراج المعرفت‘‘ مولفہ سید رحمت اللہ خاں بہادر، کے دیباچے میں غالبؔ نے لکھا ’’حق یوں ہے کہ حقیقت ازروئے مثال ایک نامہ، درہم پیچیدہ وسربستہ ہے کہ جس کے عنوان پر لکھا ہے’’ لاموثر فی الوجود الااللہ‘‘ اور خط میں مندرج ہے’’لاموجود الا اللہ‘‘اور اس خط کالانے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آورﷺ ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی...‘‘ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے کہ مراتب توحید چار ہیں: آثاری و افعالی و صفاتی و ذاتی۔ انبیائے پیشین صلوٰت اللہ علیٰ نبینا وعلیہم، اعلان مدارج توحید سہ گانہ پر مامور تھے، خاتم الانبیاﷺ کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اُٹھا دیں اور حقیقت نیرنگیٔ ذات کو صورت ’’الان کما کان‘‘ میں دکھا دیں۔اب گنجینۂ معرفت خواص اُمت محمدیہﷺ کا سینہ ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ زہے خامیٔ عامہ مومنین کی کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود، جو اصل مقصود ہے، وہ ان کی نظر میں نہیں۔ جب لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہیں گے، اس سے اسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قدم گاہ پر آ رہیں گے۔یعنی ہمارے اس کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسلﷺ کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے شفاعت محمدیﷺ کی اور معنی ہیں رحمۃ للعالمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح فزائے ’’قال لاالہٰ الااللّٰہ دخل الجنہ‘‘۔...قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے، لیکن وحدت حقیقی کا راز دان ہے۔ گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے،کوئی سو بار کہے اور سو بار سنے ۔نبیﷺ کی حقیقت ذوجہتین ہے: ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق،جس کو فیض پہنچاتا ہے:

نبیؐ را دو وجہ است ولجوئے خلق
یکے سوئے خالق، یکے سوئے خلق

وملائکۃ والناس اجمعین ہے۔''☆[8]

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غالبؔ کے دل میں مقام رسالت بہت بلند تھا اور وہ حضور رسالت پناہ ﷺ کے القاب و آداب میں لفظوں کا بلا اکراہ استعمال ضروری جانتا تھا اور اس ضمن میں بے احتیاطی کرنے والے کو موجب ملامت گردانتا تھا۔

''سراج المعرفت'' مولفہ سید رحمت اللہ خاں بہادر، کے دیباچے میں غالبؔ نے لکھا ''حق یوں ہے کہ حقیقت ازروئے مثال ایک نامہ، درہم پیچیدہ وسربستہ ہے کہ جس کے عنوان پر لکھا ہے '' لاموثر فی الوجود الا اللہ'' اور خط میں مندرج ہے ''لاموجود الا اللہ'' اور اس خط کالانے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آور ﷺ ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی... ''ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے کہ مراتب توحید چار ہیں: آثاری و افعالی و صفاتی و ذاتی۔ انبیائے پیشین صلوٰت اللہ علیٰ نبینا وعلیہم، اعلان مدارج توحید سہ گانہ پر مامور تھے، خاتم الانبیا ﷺ کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اُٹھا دیں اور حقیقت نیرنگیٔ ذات کو صورت ''الان کما کان'' میں دکھا دیں۔اب گنجینۂ معرفت خواص اُمت محمدیہ ﷺ کا سینہ ہے اور کلمہ لاالٰہ الااللہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ زہے خامیٔ عامۂ مومنین کی کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود، جو اصل مقصود ہے، وہ ان کی نظر میں نہیں۔ جب لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہیں گے، اس سے اسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قدم گاہ پر آرہیں گے۔یعنی ہمارے اس کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل ﷺ کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے شفاعت محمدی ﷺ کی اور معنی ہیں رحمۃ للعالمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح فزائے ''قال لاالٰہ الااللّٰہ دخل الجنہ ''...قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے، لیکن وحدت حقیقی کا راز دان ہے۔ گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے،کوئی سو بار کہے اور سو بار سنے ۔نبی ﷺ کی حقیقت ذوجہتین ہے: ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق،جس کو فیض پہنچاتا ہے:

نبیؐ را دو وجہ است ولجوئے خلق
یکے سوئے خالق، یکے سوئے خلق

بداں وجہ از حق بود مستفیض !
بدیں وجہ برخلق باشد مفیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے الولایہ افضل من النبوۃ معنی اس کے صاف ازروئے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی الحق ہے، افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخلق ہے۔ نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص سے، جس طرح نبی ﷺ مستفیض ہے حضرت الوہیت سے، اسی طرح ولی مستنیر ہے انوار نبوت سے ۔ مستنیر کی تفضیل منیر پر اور مستفیض کی ترجیح مفیض پر ہرگز معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں۔ اب وہ ولایت کہ خاصۂ نبی ﷺ تھی، نبوت کے ساتھ منقطع ہوگئی، مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے مشکوۃ نبوت سے، ہنوز باقی ہے۔ نقل وتحویل ہوتی چلی آتی ہے اور چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا ہے اور یہ سراج ایزدی ظہور صبح قیامت تک روشن رہے گا اور اب اسی کا نام ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت ہے۔''☆[9]

غالبؔ کے خطوط اور دیباچے کے اقتباس سے جو نکات برآمد ہوئے وہ آسان زبان میں اس طرح مختصر کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ غالبؔ کسی ایسے لفظ کا نبی ﷺ کی ذات سے انتساب پسند نہیں کرتے تھے جس میں معناً ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ (ملاحظہ ہو ''برہان قاطع'' کی بحث)

۲۔ توحید کے معنی غالبؔ کے نزدیک وہی تھے جو وحدۃ الوجودی فکر کے صوفیا کے نزدیک تھے یعنی وجود صرف اللہ ربّ العزت کا ہے اور جو کچھ نظر آتا ہے یہ اعتباری ہے اصلاً ہے نہیں۔

۳۔ غالبؔ کے خیال میں سب سے بڑا شرک، شرک فی الوجود (یعنی اللہ کے علاوہ بھی کسی شئے کے وجود کو ماننا) تھا۔

۴۔ نبوت کی دو جہتیں ہیں: جہت خالق کے ساتھ نبی خالق سے اخذ فیض کرتا ہے... اور جہت مخلوق کے حوالے سے اخذ شدہ فیض کو خلق تک پہنچاتا ہے، یعنی وہ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہے۔

۵۔ غالب کے نزدیک نبی ﷺ کی جہت خالق ''ولایت خاصہ'' ہے اور چوں کہ اس جہت کا

تعلق خالق سے ہے اس لیے یہ جہت، جہت خلق یعنی ''نبوت'' سے افضل ہے۔

۶۔ نبی ﷺ کی جہت خلق ''ختم نبوت'' کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔

۷۔ نبی ﷺ کی جہت خالق یعنی ''ولایت خاصہ'' بھی نبی کے ساتھ ہی مختتم ہوئی لیکن اسی صفت ولایت کی عام جہت قیامت تک موجود رہے گی یعنی ''ولایت عامہ'' تا قیام قیامت جاری رہے گی۔

ان نکات کی روشنی میں ہم اُن قصائد کا مطالعہ کریں جو غالب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کہے ہیں تو صاف پتا چلتا ہے کہ ولایت کے استمرار (continuity) کے تصور نے یہ قصائد کہلائے ہیں... یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ولایت کے استمرار میں غالبؔ نے سب سے بلند مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور نچلے کسی نہ کسی درجے میں اس نے اپنی ذات کو بھی ولایت کا مصداق پایا ہے۔ حضرت علیؓ کے قصائد میں جو فکری بلندی اور اسلوب کی نادرہ کاری ہے وہ اسی تداخل (personal involvement) کے باعث ہے۔ اس کی مثالیں بھی ملاحظہ فرمائیے:

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں
نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت
سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسیں!
عشق بے ربطیٔ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگار رخ آئینۂ حسن یقیں

جس قسم کے مضامین غالبؔ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں باندھے ہیں اور جس سرشاری کا مظاہرہ کیا ہے، نعت میں اس کی گنجائش نہیں تھی اسی لیے اس نے اردو میں کوئی نعت نہیں کہی اور فارسی میں بھی یہ کہہ کر بری الذمہ ہوگیا:

غالبؔ ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتیم
کآں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است ☆۱۱

معلوم ہوا کہ حساس شعرا جب تک کسی مضمون کو اپنی ذات کے اندر سمو کر شعر کا جزو بنانے کی

تعلق خالق سے ہے اس لیے یہ جہت، جہت خلق یعنی ''نبوت'' سے افضل ہے۔

۶۔ نبیﷺ کی جہت خلق ''ختم نبوت'' کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔

۷۔ نبیﷺ کی جہت خالق یعنی ''ولایت خاصہ'' بھی نبی کے ساتھ ہی مختتم ہوئی لیکن اسی صفت ولایت کی عام جہت قیامت تک موجود رہے گی یعنی ''ولایت عامہ'' تا قیام قیامت جاری رہے گی۔

ان نکات کی روشنی میں ہم اُن قصائد کا مطالعہ کریں جو غالب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کہے ہیں تو صاف پتا چلتا ہے کہ ولایت کے استمرار (continuity) کے تصور نے یہ قصائد کہلائے ہیں... یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ولایت کے استمرار میں غالبؔ نے سب سے بلند مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور نچلے کسی نہ کسی درجے میں اس نے اپنی ذات کو بھی ولایت کا مصداق پایا ہے۔ حضرت علیؓ کے قصائد میں جو فکری بلندی اور اسلوب کی نادرہ کاری ہے وہ اسی تداخل (personal involvement) کے باعث ہے۔ اس کی مثالیں بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں
نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت
سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسیں!
عشق بے ربطیٔ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگار رخ آئینۂ حسن یقیں

جس قسم کے مضامین غالبؔ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں باندھے ہیں اور جس سرشاری کا مظاہرہ کیا ہے، نعت میں اس کی گنجائش نہیں تھی اسی لیے اس نے اردو میں کوئی نعت نہیں کہی اور فارسی میں بھی یہ کہ کر بری الذمہ ہوگیا:

غالبؔ ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتیم
کآں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است[☆۱۱]

معلوم ہوا کہ حساس شعرا جب تک کسی مضمون کو اپنی ذات کے اندر سمو کر شعر کا جزو بنانے کی صلاحیت حاصل نہ کریں، اس موضوع پر شعر کہنے سے اجتناب برتتے ہیں، کیوں کہ اس طرح وہ محض بیانیہ شاعری کر سکتے ہیں جس کی سطح عام ذہنی سطح سے بلند ہونا محال ہوتا ہے اور جو تخلیقی سطح کی وہ بلندی نہیں چھو سکتی جو اعلیٰ شاعری کا طرہ امتیاز ہے غالبؔ چوں کہ شاعری کا ایک بلند آدرش رکھتا تھا اور اپنے شاعرانہ خیال (poetic perception) سے ہرگز ادھر اُدھر نہیں ہونا چاہتا تھا، اس لیے اس نے غزلوں میں کہیں کہیں بلا ارادہ نعتیہ مضامین کی بنت ہی کو کافی جانا، نعت کہنے کی شعوری کوشش نہیں کی۔ غالبؔ اگر اس طرح کی کوشش کرتا تو کامیاب شاعری کے موقع کم تھے۔ بیانیہ شاعری تو غالبؔ سے ایک سہرے میں نہ نبھ سکی تھی۔ شہزادہ جواں بخت کے سہرے کی سرگزشت، غالبؔ کی ناکامی کی منہ بولتی تصویر پیش کرتی ہے۔ خالص اردو شاعری کے معاملے میں ذوق، غالبؔ سے بہت آگے تھا دونوں سہروں کو پڑھ کر اس بات کی صداقت پر یقین ہو ہی جاتا ہے۔[☆۱۲] حقیقت یہ ہے کہ غالبؔ کے لیے خالص اردو میں (ترسیل خیال اور اپنی فکر کے بھرپور ابلاغ کے شعور کے ساتھ) شاعری کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ شاید اسی کمزوری کو چھپانے کے لیے اس نے یہ کہا تھا:

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

حواشی

☆۱۔ خطوط غالبؔ مرتبہ غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور (ص ۴۳۷۔۴۳۸)
☆۲۔ ایضاً ص ۱۹۴۔
☆۳۔ شرح غزلیات غالبؔ فارسی، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم،،، پیکیجز لمیٹڈ، لاہور، جلد اوّل (ص ۴۴۳)
☆۴۔ نوائے سروش (مکمل دیوان غالبؔ مع شرح)، غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ (ص۔ ۷۲۰)
☆۵۔ ایضاً (ص ۵۳۸)
☆۶۔ ایضاً (ص ۳۹۸)

غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھے بتا کہ یوں

☆۷۔ ایضاً (ص ۱۰۴)
☆۸۔ محولہ بالا نمبر ا۔ (ص ۵۵۸۔۵۵۹)
☆۹۔ ایضاً (۵۶۵۔۵۶۶)
☆۱۰۔ محولہ (۴) بالا دیوان غالبؔ، (ص۔ ۷۵۷)

☆۱۱۔شرح فارسی محولا بالا..(۳)....، (ص۔۲۲۷)

☆۱۲۔ خوش ہوا اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا
(غالبؔ)

اے جواں بخت مبارک ترے سر پر سہرا
آج ہے یمن وسعادت کا ترے سر سہرا
(ذوقؔ)

دونوں سہرے محمد حسین آزاد کی کتاب'' آب حیات'' (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور..ص۵۰۲۔۵۰۳) میں ملا حظہ کیے جاسکتے ہیں۔اسی سہرے میں وارد ہونے والی تعلّی کے جواب میں ذوق نے سہرا کہا تھا اور غالبؔ نے وہ مشہور معذرت نامہ لکھا تھا جس میں یہ شعر تھا:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

یہ معذرت نامہ بھی آب حیات کے محولہ نسخے میں ص۵۰۴ پر درج ہے۔

☆۱۱۔شرح فارسی محولا بالا..(۳)....، (ص۔۲۲۷)

☆۱۲۔ خوش ہوا ے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا
(غالبؔ)

اے جواں بخت مبارک ترے سر پر سہرا
آج ہے یمن وسعادت کا ترے سر سہرا
(ذوقؔ)

دونوں سہرے محمد حسین آزاد کی کتاب ’’ آب حیات‘‘ (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور...ص۵۰۲۔۵۰۳) میں ملا حظہ کیے جاسکتے ہیں۔اسی سہرے میں وارد ہونے والی تعلّی کے جواب میں ذوق نے سہرا کہا تھا اور غالبؔ نے وہ مشہور معذرت نامہ لکھا تھا جس میں یہ شعر تھا:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

یہ معذرت نامہ بھی آب حیات کے محولہ نسخے میں ص۵۰۴ پر درج ہے۔

ڈاکٹر عاصی کرنالی

غزلیاتِ غالبؔ کی زمینوں پر نعت گوئی

و رفعنالک ذکرک کے الٰہی فرمان و اعلان کے مطابق حضرت محمد ﷺ کا ذکر مقدس ازل سے ابد تک جاری ہے۔ ہر زماں اور ہر زباں اس سے منور و معطر ہے۔ اظہار کے جتنے لسانی وسائل اور تحریر وتقریر کے جتنے پیرایے اور اسالیب ہیں، ان سب میں اس ذکر کی جلوہ نمائی اور جمال افروزی ہے...عشق محمدی سے سرشار اور جوہر ایجاد وتخلیق سے معمور طبائع اس ذکر جمیل کے لیے نئے نئے اور اچھوتے اچھوتے پہلو تلاش کرتی ہیں اور مداحین رسالت کی فہرست میں اپنا نام درج کراتی ہیں...اور حسب توفیق و استعداد عقیدت کے شگوفہ وگل اس بہارستان نبوت کی نذر کرتی ہیں...

اس سلسلہ تذکار کی ایک خوش نما روایت یہ ابھری کہ شعرا کی غزلوں سے مصرع ہائے طرح لے کر ان پر نعتیں کہی جائیں... یا ان کی پوری غزل کو زمین قرار دے کر اس میں نعت کی گل کاری کی جائے یا بہ توفیق الٰہی کسی شاعر کی ایک سے زیادہ غزلوں پر نعت کے لیے طبع آزمائی کی جائے۔اہل ہمت وعزیمت نے اس سے آگے قدم اُٹھایا اور ۶۳ یا ۹۲ غزلوں کی زمینوں پر نعتیں کہیں پھر یہ خوش گوار وخوش آئند روایت اس طرح برگ و بار لائی کہ الاماشاء اللہ کسی مشہور ومعروف استاد کے تمام دیوان غزل کو نعت کی ’’گل زمین‘‘ بنا ڈالا...

اردو میں اس روایت کا مرکز ومحور غالبؔ کا دیوان غزل رہا ہے... یہ ہمارے نزدیک غالبؔ کی خوش طالعی ہے کہ وہ اس شرف وسعادت کا نقطہ ارتکاز ہے اور شعرائے نعت گو کا یہ عمل خود غالبؔ کی فنی اور معنوی حیات میں ایک خداداد سلسلہ برکات ہے...

غالبؔ بجائے خود اور بذات خود ایسا شاعر ہے جس کی شاعری اپنے اختصاص کے سبب زندہ سے زندہ تر ہوتی چلی جا رہی ہے اور اس کا یہ شعر اس کی پیشین گوئی کا مصداق بن گیا ہے...

کوکبم را در عدم اوج قبولی دادہ اند
شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد
شدن

اور ''شہرت شعر'' کی یہ کیسی مقدس، مبارک، مشرف اور سعید صورت ہے کہ اس کی غزلوں کی زمینیں اس کی بحور اس کے قوافی اور ردیفیں نعت کے انوار و تجلیات میں ملفوف ہو رہی ہیں... غالبؔ کی غزل کو اس کے پیرائے اسلوب اور غزلیہ فضا کے مدنظر نعت کے سانچے میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کی مشکلات ان سے پوچھیے جو اس وادی دشوار سے گزرے ہیں۔ غالبؔ عجیب اور حیرت انگیز ردیفیں اختیار کرتا ہے اور (بظاہر) ایسا نظام قوافی لا کر ان ردیفوں سے مربوط کرتا ہے جن کو سامنے پا کر کوئی نعت گو شاعر یقیناً خود کو خاصے امتحان میں محسوس کرتا ہے اور پھر توفیق خداوندی ہی اس کو منزل تک پہنچاتی ہے ...مثلاً غالبؔ کے طلسم خانہ غزلیات اور عجائب کدۂ شاعری سے چند قافیہ و ردیف کے تلازمات دیکھئے:

کارفرما جل گیا۔ بال عنقا جل گیا + صد دل پسند آیا مشکل پسند آیا + دفتر کھلا۔ گنجینہ گوہر کھلا + خمیازہ تھا۔ اندازہ تھا۔ آب بقا موج شراب۔ بال کشا موج شراب + بال و پر درد دیوار۔ پیشتر۔ در و دیوار خار آتش۔ روئے نگار آتش + زبانی شمع۔ بدگمانی شمع + وارستگی کی شرم۔ بے کسی کی شرم + رسا باندھتے ہیں۔ ہوا میں باندھتے ہیں + رہ گزر میں خاک نہیں۔ گھر میں خاک نہیں + دکھا کہ یوں۔ بتا کہ یوں + سیمتن کے پانو + بود چراغ کشتہ ہے۔ دود چراغ کشتہ ہے + مانی مانگے، ریشہ دوانی مانگے + اعتبار نغمہ ہے۔ جوئبار نغمہ ہے + متاع جلوہ ہے۔ اختراع جلوہ ہے + برائے خندہ ہے۔ قفائے خندہ ہے +

غالبؔ کی یہ اور ایسی ہی بہت سی امتحان گاہیں ہیں جن سے مداحین رسالت کو گزرنا پڑتا ہے۔ پھر ایک اور اعتبار سے دیکھیے کہ یہ نظام قوافی اور یہ ردیفیں بہت حد تک غزل اور تغزل کے مزاج اور فضا کے مطابق ہیں ان میں جذباتی سرمستیوں اور لغزش ہائے رندانہ کی بہت گنجائشیں ہیں اور معاملات عشق کی گوناگوں کیفیتوں کے لیے ایسے التزامات نہایت سازگار

غالبؔ بجائے خود اور بذات خود ایسا شاعر ہے جس کی شاعری اپنے اختصاص کے سبب زندہ سے زندہ تر ہوتی چلی جا رہی ہے اور اس کا یہ شعر اس کی پیشین گوئی کا مصداق بن گیا ہے...

کوکبم را در عدم اوج قبولی داده اند
شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد
شدن

اور ''شہرت شعر'' کی یہ کیسی مقدس، مبارک، مشرف اور سعید صورت ہے کہ اس کی غزلوں کی زمینیں اس کی بحور اس کے قوافی اور ردیفیں نعت کے انوار و تجلیات میں ملفوف ہو رہی ہیں...
غالبؔ کی غزل کو اس کے پیرائے اسلوب اور غزلیہ فضا کے مدنظر نعت کے سانچے میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کی مشکلات ان سے پوچھیے جو اس وادی دشوار سے گزرے ہیں۔ غالبؔ عجیب اور حیرت انگیز ردیفیں اختیار کرتا ہے اور (بظاہر) ایسا نظام قوافی لا کر ان ردیفوں سے مربوط کرتا ہے جن کو سامنے پا کر کوئی نعت گو شاعر یقیناً خود کو خاصے امتحان میں محسوس کرتا ہے اور پھر توفیق خداوندی ہی اس کو منزل تک پہنچاتی ہے ...مثلاً غالبؔ کے طلسم خانہ غزلیات اور عجائب کدۂ شاعری سے چند قافیہ و ردیف کے تلازمات دیکھیے:
کارفرما جل گیا۔ بال عنقا جل گیا + صد دل پسند آیا مشکل پسند آیا + دفتر کھلا۔ گنجینہ گوہر کھلا + خمیازہ تھا۔ اندازہ تھا۔ آب بقا موج شراب۔ بال کشا موج شراب + بال و پر درد دیوار۔ پیشتر۔ در و دیوار خار آتش۔ روئے نگار آتش + زبانی شمع۔ بدگمانی شمع + وارستگی کی شرم۔ بے کسی کی شرم + رسا باندھتے ہیں۔ ہوا میں باندھتے ہیں + رہ گزر میں خاک نہیں۔ گھر میں خاک نہیں + دکھا کہ یوں۔ بتا کہ یوں + سیمتن کے پانو + بود چراغ کشتہ ہے۔ دود چراغ کشتہ ہے + مانی مانگے، ریشہ دوانی مانگے + اعتبار نغمہ ہے۔ جوئبار نغمہ ہے + متاع جلوہ ہے۔ اختراع جلوہ ہے + برائے خندہ ہے۔ قفائے خندہ ہے +
غالبؔ کی یہ اور ایسی ہی بہت سی امتحان گاہیں ہیں جن سے مداحین رسالت کو گزرنا پڑتا ہے۔ پھر ایک اور اعتبار سے دیکھیے کہ یہ نظام قوافی اور یہ ردیفیں بہت حد تک غزل اور تغزل کے مزاج اور فضا کے مطابق ہیں ان میں جذباتی سرمستیوں اور لغزش ہائے رندانہ کی بہت گنجائشیں ہیں اور معاملات عشق کی گونا گوں کیفیتوں کے لیے ایسے التزامات نہایت سازگار

ہیں۔ لیکن انہیں نعت کی ادب گاہوں میں لانا اور ان میں تقدس مآب نعتیں کہنا بہ ظاہر محالات کی مد میں آتا ہے...محبوب ہائے مجازی کا سروساماں محبوب خدا اور ممدوح الٰہی کے لیے کہاں زیبا ہے لیکن یہ حقیقتاً نعت گو شعرا کی عالی ہمتی قدرت فن اور خصوصاً عشق محمدی کی برکات ہیں کہ یہ لائق تحسین شعرا اس بحر امواج کی طوفاں خیزیوں سے گزر کر بہ عافیت ساحل مراد تک پہنچتے ہیں... ویسے بھی غالبؔ کی پرواز خیال کے ساتھ ہم پرواز ہونا اور آفاق بلند میں اس کا ساتھ دینا آسان کام نہیں اور پھر اس کی فضائے تغزل میں داخل ہو کر وہاں سے نعت کے ارفع آفاق میں بال کشا ہونا یقیناً ''اعجاز فکر و فن'' ہی کہلایا جاسکتا ہے...
اب ہم ان سعید شعرائے نعت کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے غزلیات غالبؔ کی زمینوں کو نعت گوئی کے لیے برتا ہے۔ ہمارے علم و خبر کے مطابق تادم تحریر ان کے اسمائے گرامی مع تصانیف یہ ہیں:

ساجد اسدی	پیامبر مغفرت	۱۹۷۵ء	تمام غزلوں پر نعتیہ مجموعہ
راغب مرادآبادی	مدحت خیر البشر	۱۹۷۹ء	۶۳ غزلوں پر نعتیں
ابرار کرتپوری	مدحت	۱۹۹۲	۹۲ نعتیں
ایاز صدیقی	ثنائے محمد	۱۹۹۳ء	۹۲ نعتیں
بشیر حسین ناظم	جمال جہاں فروز	۱۹۹۸ء	تمام غزلیات غالبؔ پر نعتیں مع ایک حمد۔

ساجد اسدی کی تصنیف کے دو نام ہیں۔ پیامبر مغفرت (جس سے سن عیسوی میں تاریخی نام نکلتا ہے ۱۹۷۵ء) اور مخزن نعت مقبول (تاریخی نام سال ہجری ۱۳۹۵ھ) بزم احباب اسدی نے اسے کراچی سے شائع کیا ہے۔
ساجد اسدی آغاز میں کہتے ہیں: ''ابتدا میں تو کچھ پتا نہ چلا لیکن جب سنگلاخ زمینیں آئیں تو بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا مگر میری ہمت اور غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹایا جائے... میں نے ایک سال کی مدت میں مرزا صاحب کی تمام غزلوں پر نعتیں لکھ دیں۔ اس التزام کے ساتھ کہ کوئی زمین نہیں چھوڑی'' (ص ۴)
ساجد اسدی کی زباں سلیس اور بیان دل کش ہے۔ اور عشق رسول ﷺ کے گداز نے ان کے اس عمل میں تاثیر پیدا کی ہے۔ ان کے یہاں یہ سعی غالب ہے کہ وہ قریب قریب نعت و ثنا

کے تمام مروّج و متداول موضوعات پر عمدہ شعر کہتے ہیں: مثلاً

سرکار دو عالم کا ہے اُسوہ مرے آگے — اللہ سے ملنے کا ہے رستہ مرے آگے
مجھ کو تو بڑا عید کے دن سے بھی ہے وہ دن — جب ہوگا نبیؐ کا مرے، روضہ مرے آگے

راغبؔ مراد آبادی کی مدحت خیرالبشر ۱۹۷۹ میں سفینہ اکیڈمی کراچی نے مطبع ایجوکیشنل پریس سے شائع کی۔

آغاز میں غالبؔ کا فارسی شعر درج ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اس کے مقابل راغبؔ نے یہ شعر کہا ہے:

راغب ثنائے خواجہ شنیدہ ام
شعرش دلیل عظمت و شان محمدﷺ است

آغاز میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر منظور حسین شور، الحاج عبدالحبیب احمد کے تعارفی مضامین اور خود راغب صاحب کے چند کلمات درج ہیں۔ کتاب کے آخر میں قرآن و احادیث کے حوالے درج ہیں۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی فرماتے ہیں: ''اس مجموعے کی نعتیہ غزلوں کے اشعار بھی اردو غزلوں کے اشعار کی طرح منفرد حیثیت رکھتے ہیں لیکن جس طرح ایک اچھی غزل اپنی ایک فضا رکھتی ہے، وہی فضا ان نعتیہ غزلوں میں بھی موجود ہے۔'' (ص۲۴)

پروفیسر منظور حسین شور کے بہ قول: ''ان نعتوں کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ راغب صاحب نے جس مشکل گو اور مشکل پسند شاعر کی زمینیں اپنی نعتوں کے لیے منتخب کی ہیں اس کی زبان میں اظہار مطالب سے اس طرح عہدہ برآ نظر آتے ہیں کہ مطالب کی نوعیت کے ساتھ زبان کی ریزہ کاری اور بیان کی رنگینی سے ہر نعت نکھرتی چلی جاتی ہے''...(ص۳۳)

راغب مراد آبادی کی شاعری میں خیال کی پاکیزگی، سنجیدہ اور متین اسلوب، زبان کی سلاست اور بیان کی روانی ملتی ہے حمد و نعت میں بھی ان کی کاوشیں لائق تحسین ہیں اور اپنی

کے تمام مروّج و متداول موضوعات پر عمدہ شعر کہتے ہیں: مثلاً

سرکار دو عالم کا ہے اُسوہ مرے آگے — اللہ سے ملنے کا ہے رستہ مرے آگے
مجھ کو تو بڑا عید کے دن سے بھی ہے وہ دن — جب ہوگا نبیؐ کا مرے، روضہ مرے آگے

راغبؔ مراد آبادی کی مدحت خیرالبشر ۱۹۷۹ میں سفینہ اکیڈمی کراچی نے مطبع ایجوکیشنل پریس سے شائع کی۔
آغاز میں غالبؔ کا فارسی شعر درج ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اس کے مقابل راغبؔ نے یہ شعر کہا ہے:

راغب ثنائے خواجہ شنیدہ ام
شعرش دلیل عظمت و شان محمدﷺ است

آغاز میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر منظور حسین شور، الحاج عبدالحبیب احمد کے تعارفی مضامین اور خود راغب صاحب کے چند کلمات درج ہیں۔ کتاب کے آخر میں قرآن و احادیث کے حوالے درج ہیں۔
ڈاکٹر ابوالخیر کشفی فرماتے ہیں: ''اس مجموعے کی نعتیہ غزلوں کے اشعار بھی اردو غزلوں کے اشعار کی طرح منفرد حیثیت رکھتے ہیں لیکن جس طرح ایک اچھی غزل اپنی ایک فضا رکھتی ہے، وہی فضا ان نعتیہ غزلوں میں بھی موجود ہے۔'' (ص ۲۴)
پروفیسر منظور حسین شور کے بہ قول: ''ان نعتوں کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ راغب صاحب نے جس مشکل گو اور مشکل پسند شاعر کی زمینیں اپنی نعتوں کے لیے منتخب کی ہیں اس کی زبان میں اظہار مطالب سے اس طرح عہدہ برآ نظر آتے ہیں کہ مطالب کی نوعیت کے ساتھ زبان کی ریزہ کاری اور بیان کی رنگینی سے ہر نعت نکھرتی چلی جاتی ہے''...(ص ۳۳)
راغب مراد آبادی کی شاعری میں خیال کی پاکیزگی، سنجیدہ اور متین اسلوب، زبان کی سلاست اور بیان کی روانی ملتی ہے حمد و نعت میں بھی ان کی کاوشیں لائق تحسین ہیں اور اپنی

سعی و ریاضت سے انھوں نے ان اصناف میں معنوی اضافہ کیا ہے۔ اسلامی روح اور عشقِ رسولﷺ کی نعمت سے خدا نے انہیں نوازا ہے۔ حمد و نعت میں ان کا بیش بہا سرمایہ ہنوز چار تصانیف پر مشتمل ہے۔ مدحت خیرالبشر (۱۹۷۹) مدحِ رسول (۱۹۸۳) بحضور خاتم الانبیا (۱۹۸۵) اور بدر الدجی (۱۹۹۱)۔ (مدحت خیرالبشر میں انھوں نے غالبؔ کی ۶۳ غزلوں پر نعتیں کہی ہیں۔ غالبؔ کی مصرعوں کی تضمین نہیں کی صرف زمینوں کو برتا ہے اور اس انوکھے اور عمدہ تجربے کے حوالے سے نعت گوئی میں خوشگوار اضافہ کیا ہے۔ ان کے بعض اشعار میں آیات و احادیث کی تفہیم ملتی ہے۔
بقول کشفی صاحب ''وہ مقصد بعثت اور عالم انسانیت پر حضورﷺ کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے اتباع اسوۂ حسنہ کے فیوض و برکات کو شاعرانہ زبان میں بیان کرتے ہیں۔'' مثلاً:

سیرت خیرالوریٰ سے سیکھ لے وہ خدوخال
جس کے دل میں شوق ہو قرآن کی تفسیر کا
عقل انسانی احاطہ کر نہیں سکتی کبھی
داعی اسلام کے احسان عالمگیر کا

ابرار کرتپوری کی ''مدحت'' ۹۲ نعتوں پر مشتمل ہے۔ اسے غالبؔ اکیڈمی نئی دہلی نے ۱۹۹۲ء میں شائع کیا۔
ابوالفیض سحر اپنے تعارفی مضمون میں کہتے ہیں: ''یوں تو غالبؔ کی زمینیں اپنی مشکل پسندی اور اختراعی شکوہ کی وجہ سے بھی اہم رہی ہیں اور اسی وجہ سے بھی سخنوری کے کمال کے امتحان کی کسوٹی اور اساس بھی قرار پاتی ہیں۔ اسی رویے اور رجحان نے شاید ابرار کرتپوری کو اپنے سحر میں لے لیا اور ابرار صاحب نے بڑی خوبی اور فنی مہارت اور ندرت کلامی سے غالبؔ کی ہر طرح کی چھوٹی بڑی زمینوں میں نعتیں کہی ہیں۔ بلاشبہ یہ ان کے کمال ہنرمندی کی دلیل بھی ہے۔'' (ص ۶)
کتاب کے آغاز میں **ورفعنالک ذکرک** کے حوالے سے قرآنی آیات کا اندراج ہے اور نعت گوئی کی ضرورت اور اہمیت واضح کی گئی ہے۔ حضور کا شجرہ مبارک ہے۔ اسمائے مبارک درج ہیں ارشادات عالیہ، چالیس احادیث، شاعری اور رسول اکرمﷺ کے

عنوانات سے مفید نثری تحریریں ہیں۔ چند شعرائے عرب کے نعتیہ اشعار شامل تصنیف کیے گئے ہیں۔ چند اردو شعرا کی نعتیں درج ہیں اور کتاب میں ص ۴۷ سے ص ۱۴۳ تک ابرار کرتپوری کا نعتیہ کلام موجود ہے۔

ابرار کرتپوری کی نعتیہ شاعری میں عقیدت کی سرشاری اور صداقت کی تاثیر موجود ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل اور مکارم اخلاق کا بیان حضورﷺ کے ارشادات و تعلیمات کا ابلاغ اور حضورﷺ کی نبوت کی عالم انسانیت پر برکات کا ذکر ہے۔ حاضری اور زیارت کی آرزو اور ذوق عقیدت کے مضامین نمایاں ہیں۔ بیان میں سادگی اور دل کشی کے اجزا ہیں، مثلاً:

معرفت آپ کی ہے واقف یزداں ہونا	بخت امت کا ہوا صاحب ایماں ہونا
رحمت و خیر دو عالم ہیں ہمارے آقا	ان کی ہر بات میں ہے خیر کا امکاں ہونا

ایاز صدیقی کی نعتیہ تصنیف ثنائے محمدﷺ ۱۹۹۳ میں روحانی آرٹ پریس ملتان سے شائع ہوئی۔ یہ ۹۲ نعتوں پر مشتمل ہے... جہاں تک نعت گوئی کے اسلوب کا تعلق ہے، صداؤں کے ہجوم میں ایاز صدیقی کی آواز سب سے الگ، سب سے یکتا اور سب سے منفرد سنائی دے گی... لفظوں کا چناؤ اور شعر میں ان کا قرینہ معنوی، لفظی تراکیب کی ایجاد جس سے نئی معنویت کی خوب صورت پیکر تراشی ہوتی ہے... ان کی نعت کا رشتہ حسن روایت سے بھی مستحکم ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق موضوعاتی اور اسلوبیاتی جمال سے بھی بہرہ ور... نیز مستقبل میں ہماری نعت فکر و اظہار کا جو پیرایہ اختیار کرے گی اس کے امکانات بھی ان کے یہاں جھلملاتے ہیں۔ ایاز صدیقی نے غالبؔ کی غزلوں پر نعتیں کہیں تو گویا اپنی پرواز کے لیے ایک الگ فضا کا تعین کر لیا وہ فضائے نعت میں اُڑے ہیں اور بڑی شان سے اُڑے ہیں۔ انھوں نے کامیاب نعتیں کہیں۔ ہم ان کی اس خصوصیت کا لازماً ذکر کریں گے، انھوں نے غالبؔ کے جس مصرع غزل پر گرہ لگائی یعنی اس کی تضمین کی اسے اس طرح نعت کے سانچے میں ڈھالا کہ غالبؔ کے غزلیہ مصرع کا مزاج ہی بدل گیا... دو تین مثالیں دیکھیے:

آقا نے مجھ کو دامن رحمت میں لے لیا

عنوانات سے مفید نثری تحریریں ہیں۔ چند شعرائے عرب کے نعتیہ اشعار شامل تصنیف کیے گئے ہیں۔ چند اردو شعرا کی نعتیں درج ہیں اور کتاب میں ص ۴۷ سے ص ۱۴۳ تک ابرار کرتپوری کا نعتیہ کلام موجود ہے۔

ابرار کرتپوری کی نعتیہ شاعری میں عقیدت کی سرشاری اور صداقت کی تاثیر موجود ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل اور مکارم اخلاق کا بیان حضورﷺ کے ارشادات وتعلیمات کا ابلاغ اور حضورﷺ کی نبوت کی عالم انسانیت پر برکات کا ذکر ہے۔ حاضری اور زیارت کی آرزو اور ذوق عقیدت کے مضامین نمایاں ہیں۔ بیان میں سادگی اور دل کشی کے اجزا ہیں، مثلاً:

معرفت آپ کی ہے واقف یزداں ہونا　　　بخت امت کا ہوا صاحب ایماں ہونا
رحمت و خیر دو عالم ہیں ہمارے آقا　　　ان کی ہر بات میں ہے خیر کا امکاں ہونا

ایاز صدیقی کی نعتیہ تصنیف ثنائے محمدﷺ ۱۹۹۳ء میں روحانی آرٹ پریس ملتان سے شائع ہوئی۔ یہ ۹۲ نعتوں پر مشتمل ہے... جہاں تک نعت گوئی کے اسلوب کا تعلق ہے، صداؤں کے ہجوم میں ایاز صدیقی کی آواز سب سے الگ، سب سے یکتا اور سب سے منفرد سنائی دے گی... لفظوں کا چناؤ اور شعر میں ان کا قرینہ معنوی، لفظی تراکیب کی ایجاد جس سے نئی معنویت کی خوب صورت پیکر تراشی ہوتی ہے... ان کی نعت کا رشتہ حسن روایت سے بھی مستحکم ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق موضوعاتی اور اسلوبیاتی جمال سے بھی بہرہ ور... نیز مستقبل میں ہماری نعت فکر و اظہار کا جو پیرایہ اختیار کرے گی اس کے امکانات بھی ان کے یہاں جھلملاتے ہیں۔ ایاز صدیقی نے غالبؔ کی غزلوں پر نعتیں کہیں تو گویا اپنی پرواز کے لیے ایک الگ فضا کا تعین کر لیا وہ فضائے نعت میں اُڑے ہیں اور بڑی شان سے اُڑے ہیں۔ انھوں نے کامیاب نعتیں کہیں۔ ہم ان کی اس خصوصیت کا لازماً ذکر کریں گے، انھوں نے غالبؔ کے جس مصرع غزل پر گرہ لگائی یعنی اس کی تضمین کی اسے اس طرح نعت کے سانچے میں ڈھالا کہ غالبؔ کے غزلیہ مصرع کا مزاج ہی بدل گیا... دو تین مثالیں دیکھیے:

آقا نے مجھ کو دامن رحمت میں لے لیا
میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا
نبیؐ کے ہجر میں رونا بھی عین راحت ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرج دریا کا
مشاطگیٔ باغ جہاں آپ ہی سے ہے
بے شانہ صبا نہیں طرہ گیاہ کا

اسی انداز کا حسن و جمال ایاز صدیقی کی تمام نعتوں سے جلوہ فشاں ہے۔

بشیر حسین ناظم کی نعتیہ تصنیف جمال جہاں فروز ۱۹۹۸ء میں فریدیہ پرنٹنگ پریس کراچی نے چھاپی۔ یہ غالبؔ کے تمام دیوان غزل پر کہی گئی نعتوں کا مجموعہ ہے۔

بشیر حسین ناظم کے نعتیہ اسلوب کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ زبان اردو میں فارسی اور خصوصاً عربی کا الفاظ تراکیب لفظی اور اصطلاحات کو شعوری سطح پر داخل کر رہے ہیں اور انھیں اردو کے شعری مزاج کا حصہ بنا رہے ہیں۔ ان کا یہ لفظیاتی نظام اصل میں زبان اردو کا لسانیاتی توسیعی منصوبہ ہے۔ جس کے وسیلے سے وہ عربی اور فارسی جیسی اہم زبانوں کو ہمارے دینی اور تہذیبی احیا کے لیے استعمال کر رہے ہیں وہ شعوری طور پر ہمیں یہ احساس دلا رہے ہیں کہ ہمیں اپنے ادب کے اسالیب اور اظہارات میں خصوصاً عربی کے لائق تحلیل اجزا کو ضرور جذب کر لینا چاہیے تا کہ ایک طرف تو اردو وسعت پزیر ہو اور اس کے اظہاری امکانات میں اضافہ ہو اور دوسری طرف بحیثیت ہم مسلمان اپنی دینی زبان سے رابطہ بحال کر سکیں۔ ان کے نعتیہ اسلوب میں اردو کے ساتھ ساتھ عربی الفاظ و تراکیب کی کثرت اور وفور ہے لیکن ان کا سلیقہ شعری اس غضب کا ہے کہ دونوں بلکہ تینوں زبانوں کے الفاظ ان کے مزاج شعری میں پوری طرح ممزوج ہو جاتے ہیں۔ ان کے فن اور فکر و خیال کی اساس علمی ہے اور ان کے یہاں اول سے آخر تک عالمانہ شعور کی اساس پر ادبی اسلوب کا تلازمہ ملتا ہے... رہی موضوعات، مضامین کی بات، ان کی نعتیں تنوع سے مالا مال ہیں، مثلاً:

نہ پوچھ مجھ سے مرے مطمحِ تمنا کا
کی اس کی ذات ہے مصدر دم مسیحا
کا

جو مستوار شراب لقائے احمدؐ ہیں
چلا نہ ان پہ کبھی سحر جام و صہبا کا

اب ہم یہ چاہیں گے کہ غالبؔ کی ایک غزل کے حوالے ان پانچ شعرا کی نعتوں کے پانچ پانچ اشعار درج کریں تا کہ جہاں ایک جانب غالبؔ کی زمین میں ان کی فلک پیمائیاں ہمارے سامنے آسکیں وہیں ہم ان کے اپنے اسالیب اور طرز ہائے کلام کا مشاہدہ کرسکیں:

غالبؔ کی غزل: نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا۔

ساجد اسدی:

ہے درخشاں ایک پہلو یہ مری تقدیر کا
واسطہ ہے ان کی رحمت سے مری تقصیر کا
خواب میں دیکھا تھا جاتا ہوں مدینے کی طرف
منتظر مدت سے ہوں اس خواب کی تعبیر کا
لکھ دیا قسمت میں میری عشق محبوب خدا
ہوں بہت ممنون منت کا تب تقدیر کا
جاں لبوں پر آگئی ہے، لیجیے اب تو خبر
یا رسولؐ اللہ اب یارا نہیں تاخیر کا
خواب ہی میں اس کو دکھلا دیجیے جلوہ حضورؐ
وقت آخر آگیا ہے ساجد دل گیر کا

راغب مرادآبادی:

مدحت خیر البشرؐ اعجاز ہے تحریر کا
یہ بھی اک انداز ہے قرآن کی تفسیر کا
سیرت خیر الوریٰؐ کے دیکھ لے وہ خد و خال
جس کے دل میں شوق ہو قرآن کی تفسیر کا
زلزلے کیا قلعہ اسلام سے ٹکرائیں گے

جو مستوار شراب لقائے احمدؐ ہیں
چلا نہ ان پہ کبھی سحر جام و صہبا کا
اب ہم یہ چاہیں گے کہ غالبؔ کی ایک غزل کے حوالے ان پانچ شعرا کی نعتوں کے پانچ پانچ اشعار درج کریں تاکہ جہاں ایک جانب غالبؔ کی زمین میں ان کی فلک پیمائیاں ہمارے سامنے آسکیں وہیں ہم ان کے اپنے اسالیب اور طرز ہائے کلام کا مشاہدہ کرسکیں:
غالبؔ کی غزل: نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا۔
ساجد اسدی:

ہے درخشاں ایک پہلو یہ مری تقدیر کا
واسطہ ہے ان کی رحمت سے مری تقصیر کا
خواب میں دیکھا تھا جاتا ہوں مدینے کی طرف
منتظر مدت سے ہوں اس خواب کی تعبیر کا
لکھ دیا قسمت میں میری عشق محبوب خدا
ہوں بہت ممنون منت کا تب تقدیر کا
جاں لبوں پر آگئی ہے، لیجیے اب تو خبر
یا رسولؐ اللہ اب یارا نہیں تاخیر کا
خواب ہی میں اس کو دکھلا دیجیے جلوہ حضورؐ
وقت آخر آگیا ہے ساجد دل گیر کا

راغب مرادآبادی:

مدحت خیر البشرؐ اعجاز ہے تحریر کا
یہ بھی اک انداز ہے قرآن کی تفسیر کا
سیرت خیر الوریٰؐ کے دیکھ لے وہ خد و خال
جس کے دل میں شوق ہو قرآن کی تفسیر کا
زلزلے کیا قلعہ اسلام سے ٹکرائیں گے
سنگ بنیاد آپ نے رکھا ہے اس تعمیر کا
جو بہ ہر انداز ہوں، شایان شان مصطفیٰؐ
لفظ ایسے ڈھونڈنا لانا ہے جوئے شیر کا
بھیجتا ہوں روز و شب راغب محمدؐ پر درود
مل گیا قرآں میں نسخہ مجھے اکسیر کا

ابرار کرتپوری:

ارتقا کا، روشنی کا، خواب کا، تعبیر کا
دین احمدؐ راستہ ہے سر بسر تعمیر کا
آیئے اب چاند تاروں پر کمندیں ڈال دیں
آیۂ قرآں میں ہم کو حکم ہے تسخیر کا
عظمت انساں بھی ہے معراج کی بے مثل شب
اور کمال ارتقا سائنس کی تدبیر کا
آپ کے کردار کا سکہ جما ہے ہر طرف
دو جہاں میں غلغلہ ہے خلق کی تاثیر کا
بھیجتا ہے خالق اکبر محمدؐ پر درود
ہے علم اونچا مرنے سرکار کی توقیر کا

ایاز صدیقی:

معجزہ ہے آیہ والنجم کی تفسیر کا
ایک اک نقطہ ستارہ ہے مری تحریر کا
کب مجھے بلوائیں گے آقا حریم قدس میں
خواب ہستی منتظر ہے جلوہ تعبیر کا
آہ غم دل سے اٹھی اور باب رحمت کھل

گیا

میں نے دیکھا ہے یہ منظر آہ کی تاثیر کا

جنت خواب تمنا ہے مدینے کا خیال
شہر رنگ و بو علاقہ ہے مری جاگیر کا

خاک ہو کر راہ طیبہ میں بکھر جاؤں ایاز
یہ حسیں رخ ہے مری تخریب میں تعمیر کا

بشیر حسین ناظم :

غلغلہ ہے ہر طرف اس حسن عالم گیر کا
مصدر و مطلع ہے جو آفاق کی تنویر کا

نغمہ صل وسلم ہے ضیائے قلب و جاں
بسملہ تزئین و غارہ ہے رخ تحریر کا

پی لیا میں نے بلیٰ کے بعد خم تنعیت کا
ہمسر کیواں ہوا کوکب مری تقدیر کا

خطرہ اہلاک دنیا ٹل گیا ان کے طفیل
ورنہ ساماں ہو چکا تھا خلق کی تدمیر کا

دید رخسار نبیؐ سے جان میں جاں آگئی
میں تھا ناظم عکس بس دیوار کی تصویر کا

نوٹ : غزلیاتِ غالبؔ کی زمینوں میں ایک اور خوب صورت نعتیہ مجموعے کا اضافہ امریکا میں مقیم شاعر جناب امان خان دل نے کیا ہے جن کی کتاب ''شہ لولاک'' ۲۰۰۶ء میں نعت ریسرچ سینٹر نے کراچی سے شائع کی ہے۔(مرتب)

گیا
میں نے دیکھا ہے یہ منظر آہ کی تاثیر کا

جنت خواب تمنا ہے مدینے کا خیال
شہر رنگ و بو علاقہ ہے مری جاگیر کا

خاک ہو کر راہ طیبہ میں بکھر جاؤں ایاز
یہ حسیں رخ ہے مری تخریب میں تعمیر کا

بشیر حسین ناظم :

غلغلہ ہے ہر طرف اس حسن عالم گیر کا
مصدر و مطلع ہے جو آفاق کی تنویر کا

نغمہ صل وسلم ہے ضیائے قلب و جاں
بسملہ تزئین و غارہ ہے رخ تحریر کا

پی لیا میں نے بلیٰ کے بعد خم تنعیت کا
ہمسر کیواں ہوا کوکب مری تقدیر کا

خطرہ اہلاک دنیا ٹل گیا ان کے طفیل
ورنہ ساماں ہو چکا تھا خلق کی تدمیر کا

دید رخسار نبیؐ سے جان میں جاں آ گئی
میں تھا ناظم عکس بس دیوار کی تصویر کا

نوٹ : غزلیاتِ غالبؔ کی زمینوں میں ایک اور خوب صورت نعتیہ مجموعے کا اضافہ امریکا میں مقیم شاعر جناب امان خان دل نے کیا ہے جن کی کتاب ''شہ لولاک'' ۲۰۰۶ء میں نعت ریسرچ سینٹر نے کراچی سے شائع کی ہے۔ (مرتب)

پروفیسر سیّد وزیر حسن

قدسؔی کی غزل پر غالبؔ کی تضمین

شاہ جہانی دربار کے ملک الشعرا قدسی کی نعتیہ غزل کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نعتیہ غزل کی اب تک سیکڑوں تضمینیں ہوچکی ہیں۔ ایک صاحب قاضی محمد عمر نے جو دہلی کے ہی باشندے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں حدیث قدسی کے نام سے ان تضمینوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا یہ مجموعہ شاید جنگ آزادی ۵۷ء سے چند ماہ پہلے کے ایک نعتیہ مشاعرے کا گل دستہ تھا، اس میں بہت سے شعرا کی تضمینیں ہیں، چند کے نام یہ ہیں:

بہادر شاہ ظفر، غالبؔ، مومنؔ، مجروحؔ، صہبائیؔ، غلام امام شہید اکبرآبادی، حکیم آغا جان عیشؔ، ولی عہد بہادر شاہ مرزا محمد سلطان فتح الملک المتخلص بہ رمزؔ، صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا، صاحب عالم مرزا فخرالدین حشمتؔ ابن مرزا معظم بخت بہادر، نواب مرزا والا جاہ بہادر لکھنوی المتخلص بہ عاشق، محمد عبداللہ علوی، احمد حسن وحشت مرزا رحیم بیگ رحیم میرٹھی (مؤلف ساطع برہان جو اور بدرالدین جو نقشی تخلص کرتے تھے۔

حدیث قدسی کے علاوہ غالب کی یہ تضمین دو اور کتابوں میں موجود ہے اوّل سبد باغ دو در اور دوم بیاض فرحت۔ غالباً مرزا غالبؔ نے کسی جذبے کے تحت تضمین تو اس نعت کی کر دی تھی لیکن اسے اپنے منتخبہ دیوان میں شامل نہیں کیا کیوں کہ یہ کلیتاً ان کی ملکیت نہ کہلاتی۔

قاضی محمد عمر نے ''حدیث قدسی کے آخر میں چند اشعار دیے ہیں جس میں تضمین نگاروں میں سے چند کے نام نظم کیے ہیں۔

آج پھر بزم سعادت کی ہے ترتیب نئی | جمع ہوتے ہیں سبھی مدح سرایان نبی
گوہر مملکت و سایۂ حق، مہر عطا | شاہ ذی جاہ ظفر مظہر نور قدسی
جس کی پیشانی سے ظاہر تھے فیوض ابدی | ساقئ میکدۂ علم و ہنر صہبائی
شیر میدان سخن، غالبؔ یکتائے زمن | فخر خوش فہمی و خوشگوئی و شیریں سخنی
مومنؔ و مضطرؔ و مدہوشؔ و حیاتؔ و حیدرؔ | بسملؔ و طالبؔ و آشفتہؔ و اسحاقؔ و غنیؔ

غالبؔ نے تضمین میں بھی اپنے ادبی وقار کو قائم رکھا ہے، ملاحظہ کیجیے:

کیستم تا بہ خروش آور دم بے ادبی
قدسیاں پیش تو در موقف حاجت طلبی
رفتہ از خویش بدیں زمزمۂ زیر لبی
مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اے کہ روئے تو دہد روشنئ ایمانم
کافرم کافر اگر مہر منیرش خوانم
صورت خویش کشید است مصور دانم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

اے گل تازہ کہ زیب چمنی آدم را
باعث رابطۂ جان و تنی آدم را
کرد دریوزۂ فیض تو غنی آدم را
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بر تر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

اے لبت را بسوئے خلق ز خالق پیغام

آج پھر بزم سعادت کی ہے ترتیب نئی — جمع ہوتے ہیں سبھی مدح سرایان نبی
گوہر مملکت و سایۂ حق، مہر عطا — شاہ ذی جاہ ظفر مظہر نور قدسی
جس کی پیشانی سے ظاہر تھے فیوض ابدی — ساقیٔ میکدۂ علم و ہنر صہبائی
شیر میدان سخن، غالبؔ یکتائے زمن — فخر خوش فہمی و خوشگوئی و شیریں سخنی
مومنؔ و مضطرؔ و مدہوشؔ و حیاتؔ و حیدرؔ — بسملؔ و طالبؔ و آشفتہؔ و اسحاقؔ و غنیؔ

غالبؔ نے تضمین میں بھی اپنے ادبی وقار کو قائم رکھا ہے، ملاحظہ کیجیے:

کیستم تا بہ خروش آور دم بے ادبی
قدسیاں پیش تو در موقف حاجت طلبی
رفتہ از خویش بدیں زمزمۂ زیر لبی
مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اے کہ روئے تو دہد روشنیٔ ایمانم
کافرم کافر اگر مہر منیرش خوانم
صورت خویش کشید است مصور دانم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

اے گل تازہ کہ زیب چمنی آدم را
باعث رابطۂ جان و تنی آدم را
کرد دریوزۂ فیض تو غنی آدم را
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بر تر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

اے لبت را بسوئے خلق ز خالق پیغام
روح را لطف کلام تو کند شیریں کام
ابر فیضی کہ بود از اثر رحمت عام
نخل بستان مدینہ تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

خواست چوں ایزد دانا کہ بساطے از نور
گسترد در ہمہ آفاق چہ نزدیک چہ دور
حکم اصدار تو در ارض و سمایافت صدور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

وصف رخش تو اگر در دل ادراک گذشت
نہ ہمیں است کہ از دائرۂ خاک گذشت
ہمچو آں شعلہ کہ گر از خس و خاشاک گذشت
شب معراج عروج تو از افلاک گذشت
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

چہ کند چارہ کہ پیوند خجالت گسلم
من کہ جز چشمۂ حیواں نبود آب و گلم
من کہ چوں مہر درخشاں بد مد نور دلم
نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

دل غم مردہ و غم بردہ زما صبر و ثبات
ساری کن و بنمائی بما راہ نجات
داد سوز جگر ما کہ دہد نیل و فرات

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
رحم فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی
غالبؔ غمزدہ را نیست دریں غم زدگی
جز بہ امید ولائے تو تمنائے بہی
از تب و تاب دل سوختہ غافل نہ شوی
سیّدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسیؔ پئے درماں طلبی

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
رحم فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی
غالبؔ غمزدہ را نیست دریں غم زدگی
جز بہ امید ولائے تو تمنائے بہی
از تب و تاب دل سوختہ غافل نہ شوی
سیّدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسیؔ پئے درماں طلبی

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط

عظمت رسول ﷺ خطوط غالبؔ میں

غالبؔ کی چلبلی اور شوخ طبیعت نے کشاکش حیات میں بھی انھیں سنجیدگی اور سنجیدہ روی سے دور رکھا۔ دُشوار اور کٹھن مراحل میں ان کی شگفتہ مزاجی ماحول میں بدمزگی پیدا نہیں ہونے دیتی تھی۔ حتیٰ کہ مذہب جیسے حساس اور قشف آمیز مسئلہ میں بھی وہ مقشف اور سنجیدہ نظر نہیں آتے تھے۔ چناں چہ غدر کے بعد باغی مسلمانوں کو انگریزوں نے مراعات سے محروم کردیا تھا تو ان میں غالبؔ کی بھی پنشن بند کر دی گئی تھی۔ پنڈت موتی لال میر منشی لفٹنٹی پنجاب نے غالبؔ سے اس معاملے میں تبادلہ خیال کیا تو غالبؔ کی غیر سنجیدہ طبیعت سے رہا نہ گیا اور وہ فوراً کہہ اٹھے:

> تمام عمر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافر اور ایک دفعہ نماز پڑھی ہو تو گنہ گار۔ پھر میں نہیں جانتا کہ سرکار نے کس طرح مجھے باغی مسلمانوں میں شمار کیا ہے؟

(حالی: ''یادگار غالبؔ''، علی گڑھ بلا مورخہ، ص۷۲)

بادی النظر میں مذہب سے متعلق تادب وتخلق سے عاری اس قسم کے فرمودات ونگارشات غالبؔ کی بدعقیدگی اور مذہب بیزاری کی دلیل فراہم کرتے ہیں، لیکن باب حیات غالبؔ کے روزنوں میں سے بغور وعمق مشاہدہ کیا جائے تو ان کی زندگی کے مذہبی گوشے میں اعمال کی بے سروسامانی کے ساتھ ہی عقیدت کی شمع روشن دکھائی دیتی ہے۔ اس عقیدت میں اخلاص واستخلاص کی فراوانی تو ہے لیکن اندھاپن اور رسمیت نہیں۔ وہ قلب سے زیادہ عقل کو اپیل

کرنے والی عقیدت کے روادار تھے اور روایات سے زیادہ درایات پر تکیہ کرتے۔ لاگ و لپٹ ان کی راہ اطاعت میں روڑا نہیں بنتے تھے اور نہ وہ انھیں پسند کرتے۔ اطاعت میں خلوص ان کے یہاں بندگی کا معیار تھا۔ ''مئے وانگبیں'' کی لالچ کو وہ صالح عمل کی کھوٹ اور نقلی پن سے تعبیر کرتے، اسی لیے وہ ''بہشت کو اُٹھا کر دوزخ میں جھونک دینے کے خواہش مند تھے۔ غالبؔ اپنے کو ''آدھا مسلمان'' لیکن پکا موحد سمجھتے تھے۔ ''ترک رسوم'' ان کا کیش اور ''رہ و رسم ثواب'' سے انحراف ان کا وطیرہ تھا۔ ''مشاہدہ حق کی گفتگو'' وہ بغیر ''بادہ وساغر'' کے نہیں کرتے۔ ''وہ مسجد کے زیرسایہ خرابات'' اور ''لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کرنہیں سکتی'' کے قائل تھے۔لیکن وہی غالبؔ جن کا '' حلقہ دام خیال'' عالم شاعری پر محیط ہے اور جن کی شاعری ''گنجینہ معنی کا طلسم'' ہے جو اپنے وسعت بیان کی خاطر ''تنگنائے غزل کے شاکی رہے ہیں، مذہب کے لق و دق میدان میں ان کی پرواز فکر اور اسپ قلم درماندہ وعاجز دکھائی دیتے ہیں۔ انھیں مذہبی امور میں عملی سردمہری کا بڑا احساس تھا۔ حالی نے جب ایک بار اس جانب توجہ دلائی تو کہنے لگے:

> ساری عمر فسق وفجور میں گزری۔ نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا۔ نہ کوئی نیک کام کیا۔ زندگی کے چند انفاس باقی رہ گئے ہیں۔ اب اگر چند روز بیٹھ کر یا ایما و اشارہ سے نماز پڑھی تو اس سے ساری عمر کے گناہوں کی تلافی کیوں کر ہوسکے گی۔ میں تو اس قابل ہوں کہ جب مروں، میرے عزیز اور دوست میرا منہ کالا کریں اور پھر شہر سے باہر لے جا کر کتوں اور چیلوں کو اور کوؤں کو کھانے کو (اگر وہ ایسی چیز کھانا گوارا کریں) چھوڑ آئیں اگرچہ میرے گناہ ایسے ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ میں موحد ہوں۔
>
> (بحوالہ: شاعر: غالبؔ ممبئی: فروری مارچ ۱۹۶۹ء ص ۸۷)

عجز کی یہ درماندگی غالبؔ کے سینہ میں گوشہ اخلاص کا پتا دیتی ہے۔ اسی اخلاص کا اثر تھا کہ وہ قوم مسلم کی تحقیر و ذلت کی کوئی بات سنتے تو غم زدہ ہوجاتے۔ ایک وقت حالؔی سے فرمانے لگے:

کرنے والی عقیدت کے روادار تھے اور روایات سے زیادہ درایات پر تکیہ کرتے۔ لاگ و لپٹ ان کی راہ اطاعت میں روڑا نہیں بنتے تھے اور نہ وہ انھیں پسند کرتے۔ اطاعت میں خلوص ان کے یہاں بندگی کا معیار تھا۔ ''مئے وانگبیں'' کی لالچ کو وہ صالح عمل کی کھوٹ اور نقلی پن سے تعبیر کرتے، اسی لیے وہ ''بہشت کو اُٹھا کر دوزخ میں جھونک دینے کے خواہش مند تھے۔ غالبؔ اپنے کو ''آدھا مسلمان'' لیکن پکا موحد سمجھتے تھے۔ ''ترک رسوم'' ان کا کیش اور ''رہ و رسم ثواب'' سے انحراف ان کا وطیرہ تھا۔ ''مشاہدہ حق کی گفتگو'' وہ بغیر ''بادہ وساغر'' کے نہیں کرتے۔ ''وہ مسجد کے زیرسایہ خرابات'' اور ''لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی'' کے قائل تھے۔ لیکن وہی غالبؔ جن کا '' حلقہ دام خیال'' عالم شاعری پر محیط ہے اور جن کی شاعری ''گنجینہ معنی کا طلسم'' ہے جو اپنے وسعت بیان کی خاطر ''تنگنائے غزل کے شاکی رہے ہیں، مذہب کے لق و دق میدان میں ان کی پرواز فکر اور اسپ قلم درماندہ وعاجز دکھائی دیتے ہیں۔ انھیں مذہبی امور میں عملی سردمہری کا بڑا احساس تھا۔ حالی نے جب ایک بار اس جانب توجہ دلائی تو کہنے لگے:

> ساری عمر فسق وفجور میں گزری۔ نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا۔ نہ کوئی نیک کام کیا۔ زندگی کے چند انفاس باقی رہ گئے ہیں۔ اب اگر چند روز بیٹھ کر یا ایما و اشارہ سے نماز پڑھی تو اس سے ساری عمر کے گناہوں کی تلافی کیوں کر ہوسکے گی۔ میں تو اس قابل ہوں کہ جب مروں، میرے عزیز اور دوست میرا منہ کالا کریں اور پھر شہر سے باہر لے جا کر کتوں اور چیلوں کو اور کوؤں کو کھانے کو (اگر وہ ایسی چیز کھانا گوارا کریں) چھوڑ آئیں اگرچہ میرے گناہ ایسے ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ میں موحد ہوں۔

(بحوالہ: شاعر: غالبؔ ممبئی: فروری مارچ ۱۹۶۹ء ص ۸۷)

عجز کی یہ درماندگی غالبؔ کے سینہ میں گوشہ اخلاص کا پتا دیتی ہے۔ اسی اخلاص کا اثر تھا کہ وہ قوم مسلم کی تحقیر و ذلت کی کوئی بات سنتے تو غم زدہ ہوجاتے۔ ایک وقت حالیؔ سے فرمانے لگے:

> مجھ میں کوئی بات مسلمانی کی نہیں ہے، پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذلت پر مجھ کو کیوں اس قدر رنج وتاسف ہوتا ہے۔

(حالیؔ: یادگار غالبؔ: علی گڑھ بلا مورخہ ص ۷۱)

ان کی صلح کل طبیعت، روادارانہ جذبہ اور برادران وطن سے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے ہر مذہب کا احترام غالبؔ اخلاص نیت کے ساتھ کرتے تھے۔ اپنے احباب وتلامذہ کو دیوالی ہولی کی مبارک باد بھیجتے۔ نو روز اور کوسہ برنشین (پارسیوں کی عید) کے موقعوں پر دوستوں کی خوشیوں میں شریک ہوتے، اپنی اصنام خیالی کی بنا پر کعبہ سے بتوں کی نسبت تلاش کرتے اور قرآن حکیم کے ساتھ توریت، زبور، وید، دساتیر، اوستا اور گروگرنتھ تک کی قسم کھاتے۔ اس وسیع المشربی نے تمام مذاہب کے لیے ان کے دل میں خلوص پیدا کردیا تھا اس لیے عصبیت انھیں چھو کے تک نہیں گئی تھی۔ ہاں! البتہ مجموعی قوم یا دین مبین کی بات آتی یا ادیان کی سچائی اور صدق وپارسائی پر گفتگو ہوتی تو ان کا جھکاؤ اکثر قوم مسلم و اسلام کی طرف ہی ہوتا۔ چناں چہ ایک خط میں تفتہ کو لکھتے ہیں:

> بندہ پرور! میں تو بنی آدم کو مسلمان ہو یا ہندو یا نصرانی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں دوسرے مانے یا نہ مانے۔ باقی رہی وہ عزیزداری، جس کو اہل دنیا قرابت کہتے ہیں اس کو قوم اور ذات اور مذہب اور طریق شرط ہے۔

(غالب، مرتبہ خلیق انجم، ''غالبؔ کے خطوط'' دہلی جلد اوّل ص ۳۱۷)

امتیاز، تفوق وتفضّل سے عاری غالبؔ کے اس مذہبی میلان اور دینی رجحان نے اگرچہ امور دینیہ کو ان کی ظاہرہ عملی زندگی میں جگہ نہیں دی لیکن بہ باطن اسلام، خدا، نبی اور امام وخلفا کی عزت وتوقیر بہ نیت خلوص ان کے دل میں گھر کر گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اگرچہ دنیا کے مقابلے میں دین کی باتیں شاذ ہی کی ہیں لیکن ان میں اخلاص وعقیدت کی جو گہرائی ہے اہل صدق وصفا کے اخلاص سے کم نہیں۔ چناں چہ جہاں انھوں نے القاب وآداب سے معرّیٰ خطوط لکھنے کی طرز جدید کو رواج دیا وہاں بعد حمد خداوند اور نعت رسول ﷺ خطوط لکھنے کی

روایت کو اردو میں جاری کرنے کا سہرا بھی ان ہی کے سر بندھتا ہے۔ صاحب عالم مار ہروی کے نام لکھے گئے خط کا آغاز غالبؔ یوں کرتے ہیں:

> بعد حمد خداوند ونعت رسولﷺ، پہلے قبلہ روح رواں جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی۔ (ایضاً جلد سوم ص۱۰۲۰)

علمائے کرام کے مکاتیب اور ملفوظات ہی میں اس طرح کا انداز تحریر پایا جاتا ہے۔ بہرحال! یہ طرز تحریر غالبؔ کے ایمان باﷲ اور حب رسول اﷲﷺ کا اظہار کرتی ہے۔ یوں بھی حدیث رسولﷺ کی رو سے مومن کے کامل الایمان ہونے کے لیے عشقِ رسولﷺ لازم ہے۔ اس معاملے میں حضرت محمد مصطفیٰﷺ نے خود حضرت عمرؓ کو ٹوک دیا تھا۔ اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ مسلمان کے دل میں ایمان کے لیے عشق رسولﷺ کے لزوم کی نشان دہی کرتا ہے۔ غالبؔ کو دہری، رافضی، شیعہ، سنی، آدھا مسلمان جو کچھ کہا گیا ہو لیکن عشق رسولﷺ سے ان کا قلب منور تھا اور روح بالیدہ۔ نواب کلب علی خاں بہادر کو لکھے گئے ایک خط (مورخہ ۱۶؍اکتوبر ۱۸۶۶ء) میں غالبؔ نے اپنی برأت کا اظہار خدا اور رسولﷺ کی قسم کھا کر کیا ہے:

> مجھے جناب الٰہی اور حضرت رسالت پناہی کی قسم! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیا کا بہ دل معتقد اور بہ زبان معترف ہوں۔ خدا اور رسولﷺ، کی قسم جھوٹی نہ کھاوں گا۔

(ایضاً ص ۱۲۳۵)

لگائے گئے الزام اور اس کی تردید کے لیے غالبؔ نے خدا اور رسولﷺ کی قسم مذکورہ بالا خط میں جس انداز سے کھائی ہے اس میں عقیدت کی بے انتہا گہرائی اور اخلاص کا عمق پایا جاتا ہے۔ عقیدت کی اس فراوانی اور بے ریا جذبہ خلوص نے غالب کو کافر ہونے سے بچالیا اور ایمان باﷲ وحب رسولﷺ کے جذبۂ صادق نے انھیں تادم حیات موحد ومحمدی بنائے رکھا۔ غالبؔ کی عملی زندگی اگرچہ سنتوں سے خالی تھی، لیکن عظمت رسولﷺ ان کے دل کی گہرائیوں میں مضبوط جمی ہوئی تھی۔ انھیں جب موقع ہاتھ آتا وہ اس عظمت کا برملا اظہار کر دیتے۔

روایت کو اردو میں جاری کرنے کا سہرا بھی ان ہی کے سر بندھتا ہے۔ صاحب عالم مار ہروی کے نام لکھے گئے خط کا آغاز غالبؔ یوں کرتے ہیں:

بعد حمد خداوند ونعت رسول ﷺ، پہلے قبلہ روح رواں جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی۔ (ایضاً جلد سوم ص ۱۰۲۰)

علمائے کرام کے مکاتیب اور ملفوظات ہی میں اس طرح کا انداز تحریر پایا جاتا ہے۔ بہرحال! یہ طرز تحریر غالبؔ کے ایمان باللہ اور حب رسول اللہ ﷺ کا اظہار کرتی ہے۔ یوں بھی حدیث رسول ﷺ کی رو سے مومن کے کامل الایمان ہونے کے لیے عشقِ رسول ﷺ لازم ہے۔ اس معاملے میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خود حضرت عمرؓ کو ٹوک دیا تھا۔ اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ مسلمان کے دل میں ایمان کے لیے عشق رسول ﷺ کے لزوم کی نشان دہی کرتا ہے۔ غالبؔ کو دہری، رافضی، شیعہ، سنی، آدھا مسلمان جو کچھ کہا گیا ہو لیکن عشق رسول ﷺ سے ان کا قلب منور تھا اور روح بالیدہ۔ نواب کلب علی خاں بہادر کو لکھے گئے ایک خط (مورخہ ۱۶؍اکتوبر ۱۸۶۶ء) میں غالبؔ نے اپنی برأت کا اظہار خدا اور رسول ﷺ کی قسم کھا کر کیا ہے:

مجھے جناب الٰہی اور حضرت رسالت پناہی کی قسم! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیا کا بہ دل معتقد اور بہ زبان معترف ہوں۔ خدا اور رسول ﷺ، کی قسم جھوٹی نہ کھاؤں گا۔

(ایضاً ص ۱۲۳۵)

لگائے گئے الزام اور اس کی تردید کے لیے غالبؔ نے خدا اور رسول ﷺ کی قسم مذکورہ بالاحظ میں جس انداز سے کھائی ہے اس میں عقیدت کی بے انتہا گہرائی اور اخلاص کا عمق پایا جاتا ہے۔ عقیدت کی اس فراوانی اور بے ریا جذبہ خلوص نے غالب کو کافر ہونے سے بچالیا اور ایمان باللہ وحب رسول ﷺ کے جذبۂ صادق نے انھیں تادم حیات موحد ومحمدی بنائے رکھا۔
غالبؔ کی عملی زندگی اگرچہ سنتوں سے خالی تھی، لیکن عظمت رسول ﷺ ان کے دل کی گہرائیوں میں مضبوط جمی ہوئی تھی۔ انھیں جب موقع ہاتھ آتا وہ اس عظمت کا برملا اظہار کر دیتے۔

نواب کلب علی خاں سے غالبؔ کو امداد ملا کرتی تھی اس لیے وہ ہمیشہ نواب صاحب کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہتے۔ سطور بالا میں ایک مثال ہم دیکھ چکے ہیں۔
۱۵؍نومبر ۱۸۶۷ء کے ایک مکتوب میں غالبؔ نے نواب صاحب کے لیے ایک دعائیہ قطعہ ۱۵ اشعار کا لکھا تھا۔ اس کے متعلق وہ رقم طراز ہیں کہ "یہ دعا کا نیا طور ہے۔" اس میں نواب صاحب کے "عمر طبیعی بہ دوام اقبال" اور "دولت دیدار شہنشاہِ اُمم" سے سرفرازی کی دعا کی گئی ہے۔ واقعتاً اقبال مندی اور عمر طبیعی آدمی کے لیے جتنی اہم ہے حضور پر نور سرکار دوعالم ﷺ کا دیدار ان سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ عمر طبیعی اور اقبال مندی تو موت کے ساتھ ختم ہو جائیں گی، لیکن دیدار رسول ﷺ سے مشرف ہو جانے سے دنیا و آخرت سنور جاتی ہے۔ احادیث میں رویتِ رسول ﷺ کے بہت سارے فضائل وارد ہوئے ہیں اور ایسے خواب جن میں آپؐ کا دیدار ہو جائے رویائے صادقہ سے تعبیر کیے گئے ہیں۔ بہر کیف! دیدار رسول ﷺ کا شرف اپنے ممدوح کو حاصل ہو جائے اس کے لیے غالبؔ بارگاہ ایزدی میں یوں ملتجی ہیں:

یا خدا! غالبؔ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلب گار ہے جن کا عالم
اولاً عمر طبیعی بہ دوام اقبال
ثانیاً دولت دیدارِ شہنشاہِ اُمم
(ایضاً ص ۱۲۵۲)

یہ دعائیہ اشعار جہاں نواب کلب علی خاں بہادر سے غالبؔ کی وابستگی اور انسیت کے مظہر ہیں اس سے کئی گنا زیادہ مدحت رسول ﷺ کا حامل آخری مصرع پورے قطعہ کی روح کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے دکھائی دیتا ہے اور غالبؔ کی طبع حب رسول ﷺ کا کاشف بھی۔
غالبؔ کا عشق رسول ﷺ مومنانہ شان کا حامل ہے۔ ان کا یہ عشق جاں سپاری اور قربانی پر منتج ہوتا ہے، جس کے لیے وہ ہمیشہ تیار رہتے تھے حتیٰ کہ جب مضمحل قویٰ غالبؔ کے عناصر میں اعتدال نہیں رہا اور ضعف پیری نے انھیں شکن بستر بنا دیا تھا، تب بھی رسول عربی ﷺ کی خاطر فدائیت کا جذبہ ان کے یہاں عنفوان شباب پر تھا۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں...
میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں... انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے
اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم
ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں...

ہاں! اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا، تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفوی اور امامت مرتضوی اس میں جلیں۔ (خط بنام نواب علاء الدین احمد خاں علائی)

(غالبؔ (مرتبہ خلیق انجم) غالبؔ کے خطوط جلد اول ص ۳۹۷)

اس خط میں شوخی ولطافت بیان بھی ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے تئیں عقیدت سے لبریز صبوئے الفاظ میں ندرت معنی کی شراب طہورا بھی۔ مذکورہ خط حضور ﷺ کے تئیں غالبؔ کے جوش عقیدت میں صرف الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں بلکہ آپؐ کے متعلق ان کے قلم گوہر بار سے ٹپکے ہوئے الفاظ کے موتیوں میں جاں نثاری اور روح فدائی کی تابانی جلوہ گر ہے۔ عقیدت کے یہ موتی انھوں نے عرق انفعال کے قطروں میں رولے ہیں جن کی وجہ سے ان کی تابش میں بلا کا اضافہ ہوا ہے۔ کچھ بعید نہیں (لاتقنطو فرمان خدا ہے۔) کہ شان کریمی ان موتیوں کو چن لے اور غالبؔ کی بخشش کے لیے انھیں قبول کر لے۔ آمین ثم آمین یاربّ العالمین۔

غالبؔ کے خطوط میں ایسے بہت سارے گوشے ہمیں نظر آتے ہیں جب انھوں نے روادارانہ نہیں عقیدت کے اندھے پن سے نہیں بلکہ روح کی عمیق گہرائیوں سے بے ساختہ اور برملا حضور ﷺ کی عظمت باوقار کا اعتراف کیا اور نہ کرنے والوں کو متنبہ کیا۔ ان کی سرزنش کی۔ انھیں ٹوکا، بلکہ للکارا اور لتھاڑا بھی۔ ان کے خطوط کے تیور ہی سے ہم بھانپ لیتے ہیں کہ یہ بیانات رسمی نہیں ہوسکتے، یہ تحریریں روایتی نہیں ہوسکتیں بلکہ الفاظ کے ایک پہلو سے آپؐ کی عظمت رسول ﷺ کا بیان شعری پیکر میں ہوتا تو برائے شعر گفتن پر محمول کیا جاسکتا تھا لیکن یہاں تو معاملہ خطوط کا ہے جو سراسر نجی ہوتے ہیں اور مکتوب نگار کا اندرون ان میں جھانکتا

> مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں...
> میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں... انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے
> اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم
> ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں...

ہاں! اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا، تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفوی اور امامت مرتضوی اس میں جلیں۔ (خط بنام نواب علاء الدین احمد خاں علائی)

(غالبؔ (مرتبہ خلیق انجم) غالبؔ کے خطوط جلد اول ص ۳۹۷)

اس خط میں شوخی ولطافت بیان بھی ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے تئیں عقیدت سے لبریز صبوئے الفاظ میں ندرت معنی کی شراب طہورا بھی۔ مذکورہ خط حضور ﷺ کے تئیں غالبؔ کے جوش عقیدت میں صرف الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں بلکہ آپؐ کے متعلق ان کے قلم گوہر بار سے ٹپکے ہوئے الفاظ کے موتیوں میں جاں نثاری اور روح فدائی کی تابانی جلوہ گر ہے۔ عقیدت کے یہ موتی انھوں نے عرق انفعال کے قطروں میں رولے ہیں جن کی وجہ سے ان کی تابش میں بلا کا اضافہ ہوا ہے۔ کچھ بعید نہیں (لاتقنطو فرمان خدا ہے۔) کہ شان کریمی ان موتیوں کو چن لے اور غالبؔ کی بخشش کے لیے انھیں قبول کر لے۔ آمین ثم آمین یاربّ العالمین۔

غالبؔ کے خطوط میں ایسے بہت سارے گوشے ہمیں نظر آتے ہیں جب انھوں نے روادارانہ نہیں عقیدت کے اندھے پن سے نہیں بلکہ روح کی عمیق گہرائیوں سے بے ساختہ اور برملا حضور ﷺ کی عظمت با وقار کا اعتراف کیا اور نہ کرنے والوں کو متنبہ کیا۔ ان کی سرزنش کی۔ انھیں ٹوکا، بلکہ للکارا اور لتھاڑا بھی۔ ان کے خطوط کے تیور ہی سے ہم بھانپ لیتے ہیں کہ یہ بیانات رسمی نہیں ہوسکتے، یہ تحریریں روایتی نہیں ہوسکتیں بلکہ الفاظ کے ایک پہلو سے آپؐ کی عظمت رسول ﷺ کا بیان شعری پیکر میں ہوتا تو برائے شعر گفتن پر محمول کیا جاسکتا تھا لیکن یہاں تو معاملہ خطوط کا ہے جو سراسر نجی ہوتے ہیں اور مکتوب نگار کا اندرون ان میں جھانکتا ہے۔ یہ وہ شیشہ ہیں جس سے صاحب نامہ کی باطنی کیفیات عکس ریز ہوتی ہیں اور جو دل میں ہوتا ہے وہی قلم سے صفحہ خط پر ٹپکتا ہے۔ خطوط میں مکتوب نگار کے جذبات واحساسات کے پیکر تادب وتخلق اور تصنع وتکلف کے دبیز ملبوسات سے عاری اپنی فطری حالت میں نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ وہ آئینہ ہوتے ہیں جس میں انسان ویسا ہی نظر آتا ہے جیسا کہ وہ ہوتا ہے۔ پس غالبؔ کے خطوط میں عظمت رسول ﷺ کی جھلک ویسی ہی دکھائی دیتی ہے جیسی ان کے نگارخانہ دل میں بسی ہوئی ہے۔ وہ ادبی نکات کی توضیح یا اشعار کی تشریح بھی کرتے ہیں تو ایسے الفاظ سے جن سے اہانت رسول ﷺ کے معنی نکلتے ہوں ان پر زبردست گرفت کرتے ہیں ایسے مواقع پر وہ شارح یا ناقد کی سختی کے ساتھ سرزنش کرتے ہیں۔ چناں چہ مرزا رحیم بیگ کے نام لکھے طویل خط میں غالبؔ نے ''برہانِ قاطع'' اور ''ساطع برہان'' کے مرتبین کی ان آراء کی تردید کی ہے جن میں بعض فارسی تراکیب کو حضور ﷺ کی صفات سے جوڑا گیا تھا، درآں حالے کہ ان تراکیب کے معنی سے شان رسول ﷺ میں گستاخی کا پہلو نکلتا ہے، مثلاً ''برہان قاطع'' کے مرتب نے خاقانی کے شعر میں لفظ آبدہ دست کے معنی کنایۃً حضور ﷺ کی ذات کے لیے تھے اور لکھا تھا:

> آبدہ دست بہ کسر دال ابجد وہائے ہوز اشارہ بہ حضرت رسول صلوٰۃ اللہ علیہ است خصوصاً وشخصی رانیز گوید کہ بزرگ مجلس بود وآرائش صدرو زینت از باشد عموماً۔

اس کی تردید غالبؔ نے ''قاطع برہان'' میں یوں کی:

> آبدہ دست ''مرکب از'' '' آب'' و''دہ'' کہ صیغہ امراست از ''دادن'' و ''دست'' کہ با وجود معنی دیگر ''مسند'' رانیز گویند، معنی ترکیبی رونق دہندہ مسند ہر آینہ تا مسند را بہ طرف نبوت یا رسالت، یاھدایت مضاف مضاف نگر دانند بہ مقام لغت فرد نیارند... نبینی کہ تنہا '' آبدہ دست'' افادہ معنی شو بانندہ دست می کند وآں خود اہانتی است قبیح؟''

غالبؔ کی اس تردید پر مرزا رحیم بیگ نے ''ساطع برہان'' میں غالبؔ کو خوب برا بھلا کہا تھا:

''آبدہ دست'' خدا نکند کہ ایں اعتراض از جانب مرزاے من باشد کو رسودائی ہم چومن گفتہ باشد۔ بہ خاطر داشت آں درج کتاب کرد ورنہ ایں کنایہ قابل اعتراض نیست۔

اس بحث میں بالآخر غالبؔ نے ایک طویل خط رحیم بیگ کو اردو میں لکھا۔ (غالبًا اس سے زیادہ کوئی دوسرا طویل خط غالبؔ نے کسی کو بھی نہیں لکھا۔) اور اس میں اپنے عندیہ کو برملا پیش کیا۔ اس خط میں وہ رسول ﷺ کی عظمت اور شان ارفع کو پیش نظر رکھتے ہوئے تراکیب الفاظ کی نحوی بحث دلائل دے کر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

عرف میں ''آبدست'' کسی عضو کے غسالہ کو کہتے ہیں... پس آبدہ دست اور دست آبدہ کے معنی وضو کروانے والا اور ہاتھ دھلانے والا۔ آب بمعنی رونق اور دست بمعنی مسند کا یہاں ادخال محض جہل اور صرف اہمال... سراسر بے پردہ اشرف الانبیاء علیہ السلام کی تذلیل و توہین ہے اور جو پیغمبر کو ایسا کہے کہ وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد و مردود و بے دین ہے بلکہ مخالفین بھی جو مسلمان اپنے پیغمبر کو برا کہے اس کو برا جانیں گے یقین ہے۔ پس پیمبر کا '' آبدہ دست'' نام رکھنے والا مورد لعنت اللہ والملائکہ والناس اجمعین ہے۔

(ایضاً جلد چہارم ص۱۴۸۴)

آگے وہ خاقانی کے قطعہ کی وضاحت نحوی وصرفی ضابطوں کے تحت کرتے ہیں کہ اشعار کا صحیح مطلب اور شاعر کا عندیہ قارئین کے سامنے آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

خاقانی کے شعر لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ یہ شعر قطعہ بند ہے اور اس کا پہلا شعر مجھ کو یاد ہے۔ پہلے پوچھتا ہوں کہ '' دست آبدہ'' کا فاعل اور ''شین'' کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آں حضرت ﷺ کا نشان اس میں بہ طریق مذکور یا مقدور کہاں پایا۔ جب اس مصرع کی رو سے ''دست آبدہ مجاورانش'' دست آبدہ پیغمبر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق ''ارزن دہ برج کبوترانش'' کا خطاب بھی حضور ﷺ پر صادق آیا۔

> ''آبدہ دست'' خدا نکند کہ ایں اعتراض از جانب مرزاے من باشد کو رسوائی ہم چومن گفتہ باشد۔ بہ خاطر داشت آں درج کتاب کرد ورنہ ایں کنایہ قابل اعتراض نیست۔

اس بحث میں بالآخر غالبؔ نے ایک طویل خط رحیم بیگ کو اردو میں لکھا۔ (غالباً اس سے زیادہ کوئی دوسرا طویل خط غالبؔ نے کسی کو بھی نہیں لکھا۔) اور اس میں اپنے عندیہ کو برملا پیش کیا۔ اس خط میں وہ رسول ﷺ کی عظمت اور شان ارفع کو پیش نظر رکھتے ہوئے تراکیب الفاظ کی نحوی بحث دلائل دے کر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> عرف میں ''آبدست'' کسی عضو کے غسالہ کو کہتے ہیں... پس آبدہ دست اور دست آبدہ کے معنی وضو کروانے والا اور ہاتھ دھلانے والا۔ آب بمعنی رونق اور دست بمعنی مسند کا یہاں ادخال محض جہل اور صرف اہمال... سراسر بے پردہ اشرف الانبیاء علیہ السلام کی تذلیل وتوہین ہے اور جو پیغمبر کو ایسا کہے کہ وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد و مردود و بے دین ہے بلکہ مخالفین بھی جو مسلمان اپنے پیغمبر کو برا کہے اس کو برا جانیں گے یقین ہے۔ پس پیمبر کا '' آبدہ دست'' نام رکھنے والا مورد لعنت اللہ والملائکہ والناس اجمعین ہے۔

(ایضاً جلد چہارم ص۱۴۸۴)

آگے وہ خاقانی کے قطعہ کی وضاحت نحوی وصرفی ضابطوں کے تحت کرتے ہیں کہ اشعار کا صحیح مطلب اور شاعر کا عندیہ قارئین کے سامنے آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

خاقانی کے شعر لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ یہ شعر قطعہ بند ہے اور اس کا پہلا شعر مجھ کو یاد ہے۔ پہلے پوچھتا ہوں کہ '' دست آبدہ'' کا فاعل اور ''شین'' کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آں حضرت ﷺ کا نشان اس میں بہ طریق مذکور یا مقدور کہاں پایا۔ جب اس مصرع کی رو سے ''دست آبدہ مجاور انش'' دست آبدہ پیغمبر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق ''ارزن دہ برج کبوتر انش'' کا خطاب بھی حضور ﷺ پر صادق آیا۔

سبحان اللہ! جہاں مصطفیٰ ومجتبیٰ ورحمۃ للعٰلمین وخاتم المرسلین آپؐ کے القاب ہیں وہاں ''آبدہ دست'' بھی آپ کا لقب ٹھہرا۔ مرزا جی! میں ترک جاہل ہوں، بجا ہے اگر مجھ کو گالیاں ازروئے عتاب دوگے۔ خدا کے واسطے پیغمبر ﷺ کو کیا جواب دوگے؟ بندہ پرور! خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے:

روح از پئی آبروی خودرا
خلد از پئی رنگ و بوئی خودرا
دست آبدہ مجاور انش
ارزن دہ برج کبوتر انش

ہندی کی چندی غالبؔ سے سن لیجیے۔ روح اپنی افزائش آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ہے کعبہ کے مجاوروں کو اور خلد اخذ رنگ وبو کے واسطے دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ہے خدا کے واسطے مخدوم کونین کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت؟ ''برہان قاطع'' والا اگر یہ قباحتیں نہ سمجھا ہے تو احمق ہے اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر ہے۔

(ایضاً ص۱۴۸۵)

آگے اسی خط میں غالبؔ نے ''آب'' بہ معنی ''رونق'' اور ''دست'' بہ معنی ''مسند'' کے معنی لے کر خاقانی کے شعر کی تشریح کرنے والوں کی خبر لی ہے۔ بالخصوص رحیم بیگ کے تو خوب کان کھینچے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> تخت اور اورنگ سلاطین کے جلوس کے واسطے اور دسادہ اور مسند امرا کے جلوس کے واسطے موضوع ہے... انبیا خصوصاً سیّدالانبیا مسند پر کب بیٹھے تھے۔ ان کے غلاموں کو امارت ننگ اور زمزمہ الفقر وفخری بلند آہنگ ہے۔ میرے خداوند کا فرش حصیر نمد گلیم، ردائے صحابہ سطح خاک، میں مومن مجرم اپنے اس خداوند کو... ''آبدہ دست'' ''وزینت بخش مسند'' کیوں کر سمجھوں؟ بلکہ مجموع اہل اسلام بشرط فہم صحیح وطبع سلیم گوارا نہ کریں گے...

اگر ''آب'' سے پانی اور ''دست'' سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو اسم پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آب کو بہ معنی رونق اور ''دست'' سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آب کو بہ معنی رونق اور دست کو بمعنی مسند مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت و ہدایت حضرت ﷺ کو اس ترکیب کا مشارٌالیہ سمجھنا کیسی بوالعجبی ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۸۷)

اس طرح غالبؔ نے صاحبان ''برھان قاطع'' اور ''ساطع برھان'' کی تراکیب نحوی و معنوی کے در پردہ حضور پر نور ﷺ کی تحقیر و توہین کرنے کی نیتوں کا پردہ فاش کر دیا ہے۔ مرزا رحیم بیگ کو لکھا گیا یہ مکتوب اگرچہ سراسر علمی بحث پر مشتمل ہے اور اس میں فن اشتقاق اور فن لغت نویسی کی باریکیوں کو زیر بحث لایا گیا ہے، لیکن غالبؔ نے اس بحث میں صرف الفاظ کے معنی اور مترادفات پر ہی روشنی نہیں ڈالی بلکہ زبان و الفاظ کے استعمال کے معاشرتی پہلو پر زیادہ زور دیا ہے کہ الفاظ کی اصل روح معاشرتی روایات سے وابستہ ہوتی ہے، الفاظ کے ڈھانچے تو کھوکھلے ہوتے ہیں۔ زبان کا سماجی سطح پر استعمال اس میں موجود الفاظ کی معنوی روح کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے اور ان معنوں کو ترجیح دی جاتی ہے جو سماجی روایات کے منافی نہ ہوں۔ مذکورہ خط میں غالبؔ نے زبان و الفاظ کی تہذیبی روایت پر زور دے کر اس سے مستنبط معنی کو قبول کیا اور اس سے ہٹ کر دوسرے معنی کو رد کر دیا کہ فرہنگ نویسوں نے تہذیب و معاشرت سے ہٹ کر ان الفاظ کے معنی مرتب کیے ہیں جس کی وجہ سے توہین رسول ﷺ ان الفاظ کے استعمال سے صادق آتی ہے۔

اس توضیح سے پتا چلتا ہے کہ غالبؔ حب رسول ﷺ میں بڑے زود حس واقع ہوئے تھے اور عظمت رسول ﷺ کے معاملے میں عقائد وہابیہ کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ وہ توہین رسول ﷺ اور تذلیل نبی کریم ﷺ کو ذرا بھی برداشت نہ کرتے۔ ''قافلہ شد'' کے معنی جب ''برہان قاطع'' نے ''قافلہ سالار رفت'' یعنی ''رحلت رسول ﷺ'' لیے تو ان کا جذبہ عشق رسول ﷺ جوش میں آ گیا۔ انھوں نے اس معنی میں ''استہزا رسول ﷺ'' سمجھا اس لیے ''برہان قاطع'' اور ''ساطع برہان'' کو مولانا فضل حق کی زبان میں یوں برا بھلا کہا۔

> اگر ''آب'' سے پانی اور ''دست'' سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو اسم پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آب کو بہ معنی رونق اور ''دست'' سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آب کو بہ معنی رونق اور دست کو بمعنی مسند مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت و ہدایت حضرت ﷺ کو اس ترکیب کا مشارٌالیہ سمجھنا کیسی بوالعجبی ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۸۷)

اس طرح غالبؔ نے صاحبان ''برہان قاطع'' اور ''ساطع برہان'' کی تراکیب نحوی و معنوی کے در پردہ حضور پرنور ﷺ کی تحقیر و توہین کرنے کی نیتوں کا پردہ فاش کر دیا ہے۔ مرزا رحیم بیگ کو لکھا گیا یہ مکتوب اگرچہ سراسر علمی بحث پر مشتمل ہے اور اس میں فن اشتقاق اور فن لغت نویسی کی باریکیوں کو زیر بحث لایا گیا ہے، لیکن غالبؔ نے اس بحث میں صرف الفاظ کے معنی اور مترادفات پر ہی روشنی نہیں ڈالی بلکہ زبان و الفاظ کے استعمال کے معاشرتی پہلو پر زیادہ زور دیا ہے کہ الفاظ کی اصل روح معاشرتی روایات سے وابستہ ہوتی ہے، الفاظ کے ڈھانچے تو کھوکھلے ہوتے ہیں۔ زبان کا سماجی سطح پر استعمال اس میں موجود الفاظ کی معنوی روح کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے اور ان معنوں کو ترجیح دی جاتی ہے جو سماجی روایات کے منافی نہ ہوں۔ مذکورہ خط میں غالبؔ نے زبان و الفاظ کی تہذیبی روایت پر زور دے کر اس سے مستنبط معنی کو قبول کیا اور اس سے ہٹ کر دوسرے معنی کو رد کر دیا کہ فرہنگ نویسوں نے تہذیب و معاشرت سے ہٹ کر ان الفاظ کے معنی مرتب کیے ہیں جس کی وجہ سے توہین رسول ﷺ ان الفاظ کے استعمال سے صادق آتی ہے۔

اس توضیح سے پتا چلتا ہے کہ غالبؔ حب رسول ﷺ میں بڑے زود حس واقع ہوئے تھے اور عظمت رسول ﷺ کے معاملے میں عقائد وہابیہ کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ وہ توہین رسول ﷺ اور تذلیل نبی کریم ﷺ کو ذرا بھی برداشت نہ کرتے۔ ''قافلہ شد'' کے معنی جب ''برہان قاطع'' نے ''قافلہ سالار رفت'' یعنی ''رحلت رسول ﷺ'' لیے تو ان کا جذبہ عشق رسول ﷺ جوش میں آ گیا۔ انھوں نے اس معنی میں ''استہزا رسول ﷺ'' سمجھا اس لیے ''برہان قاطع'' اور ''ساطع برہان'' کو مولانا فضل حق کی زبان میں یوں برا بھلا کہا۔

> (کوئی) کہے کہ آپؐ کی ردا میلی ہے اگرچہ اس وقت میں ہو لیکن چوں کہ ایک گونہ سوئے ادب اور اہانت ہے۔ حاکم اہلِ اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے۔ (ایضاً جلد چہارم ص ۱۴۸۶)

عشقِ رسول ﷺ میں غالبؔ کی سرشاری کا یہ عالم ہے کہ وہ اشعار کے معنی کو حضور ﷺ کی ذات وصفات یا آپؐ کی حیات طیبہ کے واقعات سے جوڑ دیتے ہیں۔ خاقانی کے قطعہ کی ایک مثال ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ اب یہ مثال بھی ملاحظہ کریں۔ منشی نبی بخش حقیر کے استفسار پر غالبؔ نے انھیں ۱۹ر نومبر ۱۸۵۲ء کو ایک خط لکھا تھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے ایک بیت کے معنی پوچھے وہ سنیے:

تو گوئی مگر مہر زینہ زمیں
فروزاں فوہ بود پشت نگیں

> یہ شعر شب معراج کی توصیف میں ہے کہ وہ شب ایسی روشن تھی کہ بہ سبب روشنی کے زمین ایسی چمکتی تھی کہ جیسے ڈانک سے نگینہ چمک جاتا ہے۔ آفتاب رات کو تحت الارض ہوتا ہے اور ڈانک نگینے کے تلے لگاتے ہیں اور نگینہ چمکتا ہے۔ اور نگینہ بقدر ڈانک کی چمکتا ہے پس جس نگیں کے نیچے آفتاب ڈانک ہوگا، وہ نگیں کتنا درخشاں ہوگا۔ ''فوہ'' فارسی لغت ہے بہ معنی، ڈانک کے۔

(ایضاً جلد سوم ص ۱۱۱۵)

مندرجہ بالا خطوط کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غالبؔ عشق رسول ﷺ میں سرشار ہیں۔ ان کے یہاں حب رسول ﷺ شگفتہ وشیفتہ ہے۔ عقیدت والہانہ و فدایانہ ہے اور عظمت رسول ﷺ دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی ہے۔ لیکن یہ عقیدت وعظمت غلو و ابلاغ سے یکسر پاک ہے اسی لیے عقائد وہابیہ کی رد میں ''امتناع النظیر خاتم النبیین'' کے مسئلہ پر مولانا فضل حق کی منشا کے مطابق مثنوی نہ لکھ سکے۔ وہ اس لیے بھی کہ اس مسئلہ میں توقیر رسول ﷺ کے در پردہ تحقیر الٰہ کا احتمال تھا۔ غالبؔ جب کہ پکے موحد اور ''لا موجود الاھو'' کے

زبردست حامی تھے وہ بھلا اس ہتھکنڈے اور چال کو سمجھ کر مولانا کے حکم کی کیسی پیروی کرتے۔ وہ تو شیخ ابن العربی کے فلسفۂ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور آپ کے قول:

انه لیس للعبد فی العبودیة نها یة
حتیٰ یصل الیها ثم یرجع رباً کما
انه لیس للرب حد ینتهی الیه ثم
یعود عبداً فالرب رب غیر نهایة
والعبد عبد غیر نهایت.

یعنی عبد کے لیے عبودیت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس کو پالے اور پھر رب بن جائے جس طرح کہ رب کے لیے کوئی حد نہیں کہ وہ ختم ہوجائے اور عبد بن جائے۔ اس لیے رب رب ہے بغیر نہایت اور عبد عبد ہے لا نہایت۔

اَلْعَبْدُ عَبْدُ وَ اِنْ تَرقیٰ . بندہ بندہ ہے گو وہ لاکھ ترقی کرے

وَالرَّبّ رَبٌّ وَان تنزل. رب رب ہے گو وہ کتنا ہی نزول کیوں نہ کرے

(میر ولی الدین: قرآن اور تصوف، دہلی ص ۶۲)

کی صداقت تسلیم کرتے تھے۔ مولانا فضل حق نے سیّد اسمٰعیل شہید کی تردید میں "امتناع النظیر" کے مسئلہ کو منطقیانہ بنیاد پر پیش کیا اور عوام الناس کے سامنے اس مسئلہ کی یوں تصریح کی کہ: خاتم النّبیین کا مثل ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح خاتم النّبیین کا مثل بھی پیدا نہیں کرسکتا تھا۔ غالبؔ سمجھ گئے تھے کہ اللہ جو مختار کل ہے اس مسئلہ کی بنیاد پر مجبور محض کا تصور اس کی ذات سے جڑ سکتا ہے۔ اس لیے انھوں نے مولانا فضل حق کے کہنے پر ایسی مثنوی لکھی جس میں عظمت رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی قادریت کا پورا پورا خیال رکھا گیا اور مولانا کے عقیدے کی گول مول تصریح کر دی گئی جس سے مولانا بڑے جزبز ہوئے۔ لیکن غالبؔ کے نزدیک تو ایمان کی شرط اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ محمد ﷺ کی عبدیت کو تسلیم کرنے میں ہے۔ اس لیے انھوں نے اس مثنوی میں اس مسئلہ کو کچھ

زبردست حامی تھے وہ بھلا اس ہتھکنڈے اور چال کو سمجھ کر مولانا کے حکم کی کیسی پیروی کرتے۔ وہ تو شیخ ابن العربی کے فلسفۂ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور آپ کے قول:

انه لیس للعبد فی العبودیة نهایة
حتیٰ یصل الیها ثم یرجع رباً کما
انه لیس للرب حد ینتهی الیه ثم
یعود عبداً فالرب رب غیر نهایة
والعبد عبد غیر نهایت.

یعنی عبد کے لیے عبودیت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس کو پالے اور پھر رب بن جائے جس طرح کہ رب کے لیے کوئی حد نہیں کہ وہ ختم ہوجائے اور عبد بن جائے۔ اس لیے رب رب ہے بغیر نہایت اور عبد عبد ہے لانہایت۔

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ وَ اِنْ تَرقیٰ . بندہ بندہ ہے گو وہ لاکھ ترقی کرے

وَالرَّبّ رَبٌّ وَان تنزل. رب رب ہے گو وہ کتنا ہی نزول کیوں نہ کرے

(میر ولی الدین: قرآن اور تصوف، دہلی ص ۶۲)

کی صداقت تسلیم کرتے تھے۔ مولانا فضل حق نے سیّد اسمٰعیل شہید کی تردید میں "امتناع النظیر" کے مسئلہ کو منطقیانہ بنیاد پر پیش کیا اور عوام الناس کے سامنے اس مسئلہ کی یوں تصریح کی کہ: خاتم النّبیین کا مثل ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح خاتم النّبیین کا مثل بھی پیدا نہیں کرسکتا تھا۔ غالبؔ سمجھ گئے تھے کہ اللہ جو مختار کل ہے اس مسئلہ کی بنیاد پر مجبورِ محض کا تصور اس کی ذات سے جڑ سکتا ہے۔ اس لیے انھوں نے مولانا فضل حق کے کہنے پر ایسی مثنوی لکھی جس میں عظمت رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی قادریت کا پورا پورا خیال رکھا گیا اور مولانا کے عقیدے کی گول مول تصریح کر دی گئی جس سے مولانا بڑے جزبز ہوئے۔ لیکن غالبؔ کے نزدیک تو ایمان کی شرط اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ محمد ﷺ کی عبدیت کو تسلیم کرنے میں ہے۔ اس لیے انھوں نے اس مثنوی میں اس مسئلہ کو کچھ

اس ڈھنگ سے پیش کیا تھا:

اس موجودہ عالم میں ایک خاتم کے سوا دوسرا خاتم پیدا نہیں ہوسکتا، لیکن خدا قادر ہے کہ ایک ایسا ہی عالم پیدا کر دے اس میں خاتم النبیین کا مثل جو اس دوسرے عالم کا خاتم النبیین ہو خلق فرما دے۔

(حالی: یادگار غالبؔ: علی گڑھ ص ۷۶)

اس پر فضل حق صاحب غالبؔ پر غصہ ہوئے تھے۔ بالآخر از راہ مروت غالبؔ نے اپنی مثنوی اگرچہ "امتناع النظیر" کے مسئلہ کے مطابق لکھ دی لیکن بعد کے اشعار ان کے خیالات کی ترجمانی نہیں کرتے بلکہ بقول حالی:

پھر اس کے بعد جو کچھ لکھا وہ مولانا کے جبر سے لکھا ہے۔ اس کو مرزا کے اصل خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔ (ایضاً ص ۷۸)

یوں غالبؔ نے اپنی بشری کوتاہیوں کے باوصف لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تقاضے پوری طرح نبھانے کی سعی فرمائی۔ انھوں نے مدینۃ النبی کے بالمقابل بیت اللہ کو پس پشت ڈالا نہ نبوت کے سامنے ربوبیت کو کم تر جانا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عبدیت کے قائل تھے اور ان دونوں کے مراتب کا بہر حال خیال رکھا کرتے تھے۔ عظمت رسول ﷺ کی عقیدت میں وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے شان خداوندی کے مرتبہ کا تصور نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ وہ وحدۃالوجود کے قائل تھے۔ انھوں نے اپنے خطوط میں بارہا اس نکتہ پر زور دیا ہے کہ شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی الافعال قدرت میں تو آدمی خطرے سے بچ سکتا ہے لیکن شرک فی الوجود نہایت لطیف نکتہ ہے اس میں شرک سے بچنا امر محال ہے۔ غالبؔ اس باریکی کو سمجھے ہوئے تھے اس لیے مولانا فضل حق کے مسئلہ "امتناع النظیر" کے مسئلہ میں مثنوی لکھنے کے لیے پس و پیش کررہے تھے۔ بہرحال! یہ حقیقت ہے کہ غالبؔ کی "عود ہندی" میں بسی ہوئی عظمت رسول ﷺ کی بھینی بھینی خوشبو نے "اردوئے معلیٰ" کو معطر و مطہر کر دیا ہے۔

نعت

(تضمین براشعار غالب)

یہ کون طائر سدرہ سے ہم کلام آیا
جہان خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبین بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
''زبان پہ بار خدایا! یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

خط جبیں تو اُم الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکر الفاظ میں تری تصویر
''مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے''

نعت

(تضمین براشعار غالب)

یہ کون طائر سدرہ سے ہم کلام آیا
جہان خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبین بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
’’زبان پہ بار خدایا! یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

خط جبیں تو اُم الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکر الفاظ میں تری تصویر
’’مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے‘

کہاں وہ پیکر نوری، کہاں قبائے غزل
کہاں وہ عرش مکیں اور کہاں نوائے غزل
کہاں وہ جلوۂ معنی، کہاں ردائے غزل
’’بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے‘

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
’’ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے‘

جعفر بلوچ

ثنائے شہ لولاکﷺ
(تضمین بر نعت حضرت غالب)

میں ماسوا کی نقش گری میں تھا محو و مست
بھولی ہوئی تھی کیفیت بادۂ الست
میرے نبیؐ نے مجھ کو بنایا احد پرست
'حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدؐ است
آرے کلام حق بزبان محمدؐ است'

پیغامبر نظام تجلی کا ہے شہاب
ہوتا ہے گل کدوں سے بہاروں کا انتساب
بحر بسیط کا ہے تبحر نما سحاب
'آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب
شان حق آشکار ز شان محمدؐ است'

کیا ہے دلیل و اصل و غرض کائنات کی
سائنس و فلسفہ سے گرہ یہ نہ کھل سکی
پھوٹی کلام حق سے ہدایت کی روشنی
'دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق است از ان محمدؐ است'

ثنائے شہ لولاک ﷺ

(تضمین بر نعت حضرت غالب)

میں ماسوا کی نقش گری میں تھا محو و مست
بھولی ہوئی تھی کیفیت بادۂ الست
میرے نبیؐ نے مجھ کو بنایا احد پرست
'حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدؐ است
آرے کلام حق بزبان محمدؐ است'

پیغامبر نظام تجلی کا ہے شہاب
ہوتا ہے گل کدوں سے بہاروں کا انتساب
بحر بسیط کا ہے تبحر نما سحاب
'آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب
شان حق آشکار ز شان محمدؐ است'

کیا ہے دلیل و اصل و غرض کائنات کی
سائنس و فلسفہ سے گرہ یہ نہ کھل سکی
پھوٹی کلام حق سے ہدایت کی روشنی
'دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق است از ان محمدؐ است'

کیا جاں فروز باغ محمدؐ کی ہے بہار
یہ رنگ و نور یہ سمنستاں ہے لالہ زار
قمری لہک لہک کے یہ کہتی ہے بار بار
'واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فر و گزار
کیں جا سخن ز سرو روانِ محمدؐ است'

ختم الرسل سا کوئی نہ ہوگا نہ ہوسکا
اپنی مثال آپ تھے وہ شاہ انبیاء
کچھ ان کے معجزات کی حد ہے نہ انتہا
'بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیم جنبشے ز بنان محمدؐ است'

ان کا فروغ، صبح ازل سے ہے تا ابد
روشن ہیں ان سے چہرۂ ہستی کے خال و خد
ان کی صفات سے ہے ہر اعزاز کی سند
'ور خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشان محمدؐ است'

شاعر ہوں میں ستارہ نگار و گہر رقم
وجدان و عقل میں نے کیے نعت میں بہم
اظہار عجز میں مری آنکھیں مگر ہیں نم
'غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است'